قواعدِ اردو

مرتبہ

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعدِ اُردو

مرتبہ

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

انجمنِ ترقّیٔ اردو، پاکستان

ڈی۔۱۵۹، بلاک ۷، گلشن اقبال،

کراچی۔۷۵۳۰۰

فہرستِ مضامین

مقدّمہ

اردو زبان دنیا کی جدید زبانوں میں سے ہے اور ابھی ابھی اس نے اپنے بل بوتے پر کھڑا ہونا سیکھا ہے۔ زبان نہ کسی کی ایجاد ہوتی ہے اور نہ کوئی اسے ایجاد کر سکتا ہے۔ جس اصول پر بیج سے کونپل پھوٹتی، پتے نکلتے، شاخیں پھیلتی، پھل پھول لگتے ہیں اور ایک دن وہی ننھا سا پودا ایک تناور درخت ہو جاتا ہے، اسی اصول کے مطابق زبان پیدا ہوتی، بڑھتی اور پھیلتی پھولتی ہے۔ اردو اس زمانے کی یادگار ہے، جب مسلمان فاتح ہندوستان میں داخل ہوئے اور اہل ہند سے ان کا میل جول روز بروز بڑھتا گیا۔ اس وقت ملک کی زبان میں خفیف سا تغیر پیدا ہوتا چلا، جس نے آخر ایک نئی صورت اختیار کی، جس کا ان میں سے کسی کو سان گمان بھی نہ تھا۔ مسلمان فارسی بولتے آئے تھے اور ایک زمانے تک ان کی زبان فارسی ہی رہی، دربار و دفاتر میں بھی اسی کا سکہ جاری تھا۔ ہندوؤں نے بھی اسے شوق سے سیکھا۔ اس زمانے میں فارسی لکھنا پڑھنا تہذیب میں داخل تھا۔ فارسی کے علاوہ عربی مسلمانوں کی مذہبی اور علمی زبان تھی۔ دستارِ فضیلت کا ملنا بغیر تحصیلِ زبانِ عربی ناممکن تھا، کیوں کہ مسلمانوں کے علوم وفنون کا خزانہ اسی زبان میں مدفون ہے۔ ادھر ملک میں جو زبان (قدیم ہندی یا پراکرت) رائج تھی اسے بھی مسلمانوں نے سیکھا، عوام وہی زبان بولتے تھے۔ چناں چہ اس مخلوط زبان میں بڑے بڑے شاعر ہوئے، مسلمان شاہی درباریوں اور علما اور شعرا نے بھی یہ زبان سیکھی اور اس میں تالیف وتصنیف بھی (جو زیادہ تر نظم تھی) کی، غرض ہندوستانیوں کے اس میل جول اور خلا ملا

سے ایک نئی زبان نے جنم لیا، جس کا نام بعد میں 'اُردو' رکھا گیا۔ اردو کے معنی لشکر کے ہیں اور لشکری زبان جیسی ہوتی ہے، ظاہر ہے، یعنی آدھا تیتر آدھا بٹیر، اس لیے اوّل اوّل ثقہ لوگ اس کے استعمال سے بچتے رہے اور اس کے لکھنے پڑھنے کو عار سمجھتے رہے لیکن رفتہ رفتہ اس کے قدم جمتے گئے اور مغلیہ سلطنت کے آخری دَور میں شعرا نے اس بچے کو اپنے سایۂ عاطفت میں لیا اور پال پوس کر بڑا کیا، بہت کچھ صفائی پیدا کی اور نئی تراش خراش سے آراستہ کیا۔ مغلیہ سلطنت کے زوال پر سمندر کے راستے ایک نئی قوم ہندوستان پر مسلط ہوئی جو ہندو مسلمانوں سے بالکل غیر تھی۔ اُس قوم نے اِس کی انگلی پکڑی اِس نے انگلی پکڑتے اُن کا پُہنچا پکڑا اور دربار سرکار میں اس کی رسائی ہوگئی اور رفتہ رفتہ دفاتر سے فارسی کو نکال باہر کیا اور خود اس کی کرسی پر جلوہ گر ہوئی۔ آخر ہندوستان کی قدیم راج دھانی اس کا جنم بھوم اور دوآبہ اس کا وطن ہوا۔ اب دور دور پھیل چلی ہے اور ہندوستان کے اس سرے سے اُس سرے تک چلے جایئے، ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے، بلکہ ہندوستان کے باہر تک جا پہنچی ہے۔ سب سے بڑھی چڑھی بات یہ ہے کہ یہ مختلف جلیل القدر قوموں کی یعنی ہندو، مسلمانوں اور انگریزوں کی چہیتی ہے اور ان تینوں کی متفقہ کوششوں کی عظیم الشان یادگار ہے۔ تینوں نے اسے سیکھا، پڑھا، لکھا، تینوں نے اس کی ترقی میں مقدور بھر کوشش کی اور اب تینوں کی بدولت اس رُتبے کو پہنچی کہ دنیا کی جدید زبانوں میں شمار کیے جانے کے قابل ہوئی۔

اردو ہندی نژاد ہے اور قدیم ہندی یا پراکرت کی آخری اور سب سے شائستہ صورت ہے۔ ہندی بولی اور فارسی کے میل سے بنی ہے۔ اس میں جو سنسکرت اور پراکرت کے الفاظ ہیں وہ زمانہ دراز کے استعمال اور زبانوں پر چڑھ جانے سے ایسے ڈھل گئے ہیں کہ اصل الفاظ میں جو بھدّا پن اور کرختگی اور تلفظ اور لہجے کی دقّت تھی، بالکل جاتی رہی، اور چھٹ چھٹا کر، پاک صاف سیدھے سادے رہ گئے جس سے زبان میں لوچ، گھلاوٹ اور صفائی پیدا ہوگئی۔

اردو کے ہندی نژاد ہونے میں کچھ شبہ نہیں، کیوں کہ بیرونی زبانوں کا اثر صرف اسما و صفات میں ہوا ہے ورنہ زبان کی بنیاد یہیں کی زبان پر ہے۔ تمام حروف فاعلی، مفعولی، اضافت،

نسبت، ربط وغیرہ ہندی ہیں۔ ضمیریں سب کی سب ہندی ہیں، افعال سب ہندی ہیں لیکن عربی فارسی الفاظ کے اضافے نے مختلف صورتوں میں اس کی اصل خوبی میں اضافہ کردیا ہے۔ ہندی الفاظ میں دل نشینی کا خاص اثر ہے اور عربی فارسی الفاظ میں شان وشوکت۔ اور زبان کے لیے ان دونوں عنصروں کا ہونا ضروری ہے۔ عربی، فارسی الفاظ نے نہ صرف لغت اور نحو میں بلکہ خیالات میں بھی وسعت پیدا کردی ہے، جس سے اس کا حُسن دوبالا ہوگیا اور وہ زیادہ وسیع اور کارآمد بن گئی مگر اصل بنیاد جس پر وہ قائم ہے، ہندی ہی ہے۔ محض غیرزبانوں کے اسما وصفات کے اضافے سے اس کے ہندی ہونے میں مطلق فرق نہیں آسکتا۔ مثلاً آج کل بہت سے انگریزی لفظ داخل ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن اس سے زبان کے اصلیت و ماہیت پر کچھ اثر نہیں پڑسکتا۔ ایک دوسری بات اردو زبان میں یہ ہے کہ وہ اس اصول پر قائم ہے جو تمام جدید زبانوں میں اس وقت پایا جاتا ہے۔ یعنی صورت ترکیبی سے حالت تفصیلی کی طرف اس کا رجحان ہے۔ قدیم زبانوں میں یہ بڑی دقّت تھی کہ ایک ہی لفظ کو ذرا ذرا سے فرق اور پھیر سے مختلف صورتوں میں لے آتے تھے۔ اب دوسرے الفاظ کی مدد سے مرکب صورتیں پیدا ہوگئی ہیں اور وہ دقتیں جاتی رہی ہیں۔ اردو کو بھی اس قید سے آزادی مل گئی ہے۔ غرض یہ زبان مختلف حیثیتوں سے ایسی قبول ہوگئی ہے کہ اس کی ترقی میں شبہ نہیں ہوسکتا۔ اس کی صفائی، فصاحت اور صلاحیت اور ہندی، فارسی، عربی اور انگریزی کے مختلف مفید اثرات اس امر کا یقین دلاتے ہیں کہ وہ دنیا کی ہونہار زبانوں میں سے ہے اور ایشیا میں ایک روز اس کا ستارہ چمکے گا۔

مجھے خوب یاد ہے کہ کئی سال کا عرصہ ہوا کہ میرے ایک دوست نے ایک جلسے میں تذکرتاً میری کتاب صرف ونحو اُردو کے متعلق کہا کہ انجمنِ ترقّیٔ اُردو (حیدرآباد، دکن) اسے چھپوادے تو بہت اچھا ہو۔ اس پر ہمارے ایک عالم دوست نے فرمایا کہ صرف ونحو کی کتابیں بچوں کے لیے ہوتی ہیں، انجمن کی طرف سے ایسی کتابوں کا طبع ہونا ٹھیک نہیں۔ مجھے اس میں کلام ہے کہ صرف ونحو کی کتابیں بچوں کے لیے مخصوص ہیں بلکہ میری رائے میں انھیں اپنی

زبان کی صرف ونحو پڑھانا مضر ہے۔ البتہ یہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ایک زندہ اور جدید زبان کے لیے گریمر (صرف ونحو) کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر گریمر کی ضرورت پڑی کیوں؟ جب ہم دنیا کی مختلف زبانوں پر نظر ڈالتے ہیں اور ان کے ادب کی تاریخ بغور پڑھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں گریمر کی ضرورت اس وقت واقع ہوئی جبکہ ایک زبان والوں نے دوسری زبان کے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اوّل اوّل خود اہل زبان کو کبھی اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ مثل دوسرے علوم وفنون کے ضرورت نے اسے بھی ایجاد کیا۔ اور زبان کے سب سے پہلے علمی نحوی وہ لوگ تھے جنھوں نے سب سے اوّل علمی طور پر زبانوں کی تعلیم دی۔ صرف ونحو کے قواعد کی تدوین انھیں معلمین السنہ کا کام تھا۔

زبانوں کا سیکھنا سکھانا نسبتاً جدید زمانے کی ایجاد ہے جو آج کل خاصا پیشہ ہوگیا ہے۔ قدیم زمانے میں لوگ غیر زبانوں کے سیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ مثلاً کسی قدیم یونانی یا عرب کو کسی غیر زبان کے سیکھنے کا کبھی خیال نہیں آتا تھا، اور وہ کیوں سیکھتا؟ اس لیے کہ یونانی سوائے یونانیوں کے اور عرب سوائے عربوں کے سب کو وحشی خیال کرتا تھا۔ غیروں کی زبان سیکھنا، ان کے آداب واطوار کا اختیار کرنا اس کے لیے عار اور موجب ذلت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یونانی غیر اقوام کو ایک لوسائی یعنی بے زبان اور عرب دوسروں کو عجم یعنی گونگے اور پول اپنے پڑوسی اہل جرمن کو نیمیا یعنے گونگے بہرے اور ہندو اپنے سوا دوسروں کو ملیکھ (ملیچھ) کہتے تھے۔ ملیکھ یعنی ملیچھ کے اصل معنی ایسی شخص کے ہیں جسے صاف طور پر بولنا نہیں آتا۔

جب یونانیوں کو دوسرے اقوام سے سابقہ پڑا اور ان سے بات چیت کی ضرورت ہوئی تو بڑی دقّت پیش آئی۔ اگر ہر شخص اپنی ہی زبان بولنے پر اصرار کرے تو دوسرے کی کیوں کر سمجھے۔ ان کے لیے غالباً غیر زبانوں کے سیکھنے کی پہلی محرک تجارت ہوئی اور دوسری محرک اسکندر کی فتوحات۔ ایران اور ہندوستان کی فتوحات نے یونانیوں پر ثابت کر دیا کہ دوسری قومیں بھی زبان رکھتی ہیں لیکن طرّہ یہ ہے کہ بہ نسبت یونانیوں کے دوسری اقوام میں جنھیں

یونانی وسی کہتے تھے، زبانیں سیکھنے کی زیادہ صلاحیت تھی۔ اسکندر کی فتوحات نے باہمی میل جول کا رستہ کھول دیا تھا اور اسکندر یہ مختلف اقوام، مختلف زبانیں بولنے والوں اور مختلف مذاہب کے لوگوں کا سنگم ہو گیا۔ گو ابتدائی تعلق تجارتی تھا لیکن فرصت کے اوقات میں دوسرے معاملات اور مباحث بھی خود بخود زیر بحث آ گئے۔ علاوہ اس کے خود یونانی بھی اسکندریہ میں موجود تھے جو قدیم حالات کی تحقیق میں مصروف تھے اور اسی طرح مصریوں، ایرانیوں اور یہودیوں کے علم ادب و معتقدات بحث میں آئے۔ اگر چہ اسکندریہ میں دوسرے اقوام کے علم ادب کے متعلق ایک دلچسپی پیدا ہو گئی تھی لیکن زبان کی تحقیق و تنقید دوسری زبانوں کے مطالعے سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ خود یونانی زبان کی مختلف شاخوں پر غور کرنے سے اس کا آغاز ہوا اور سب سے بڑی وجہ اس کی ہومر کی کتاب ہوئی۔ سب سے اوّل ان علما نے زبان کی تنظیم کی طرف توجہ کی جو قدیم اساتذہ اور خاص کر ہومر کی تصانیف کو صحت اور تنقید کے ساتھ شائع کرنے کا کام کر رہے تھے۔ مختلف نسخے اسکندریہ اور پرگامس میں یونان کے مختلف حصوں سے وصول ہوئے جن میں آپس میں بہت کچھ اختلاف تھا اور اس لیے ان علما کو مجبوراً یونانی گریمر کی صحیح صورت قائم کرنے پر متوجہ ہونا پڑا۔ اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں نے اوّل یونانی زبان کو تنقیدی نظر سے مطالعہ کیا اور اس کی تنظیم کی اور مختلف اجزائے کلام کا امتیاز قائم کیا اور الفاظ کے مختلف عملوں کے لیے اصطلاحی الفاظ گھڑے، لیکن تاہم حقیقی اور ابتدائی گریمر ابھی تک نہیں لکھی گئی تھی پہلا حقیقی نحوی ڈاؤنی سی آس تھریکس تھا۔

یہ شخص جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے تھریس کا باشندہ تھا۔ لیکن وہ اسکندریہ میں رہتا تھا۔ بعدازاں وہ روما گیا جہاں اس نے یونانی زبان کی تعلیم دینی شروع کی اور معلمی پیشہ اختیار کیا اور اپنے رومن شاگردوں کے لیے زبان کی پہلی گریمر لکھی۔ اگر چہ گریمر کا ڈھانچا پہلے سے موجود تھا لیکن اس نے پہلے کے فلسفیوں اور نقادوں کے نتائج سے فائدہ اٹھا کر یہ کتاب مرتب کی، یونانیوں کے لیے نہیں، کیوں کہ انھیں ضرورت نہ تھی، وہ اپنی زبان سے خود واقف تھے بلکہ اہل روما کی تعلیم کے لیے۔ اس شخص کے بعد اور لوگ پہنچے اور معلمی یا مترجمی کا

پیشہ کرنے لگے۔ یہ پیشہ وہاں اچھا خاصا اور معزز سمجھا جاتا تھا۔ کیوں کہ رومن نوجوانوں کو یونانی پڑھنے لکھنے اور بولنے کا ایسا ہی شوق اور خبط تھا جیسا کہ آج کل ہندی نوجوانوں کو انگریزی پڑھنے، لکھنے اور بولنے کا ہے، یہاں تک کہ بچوں کو اوّل یونانی پڑھائی جاتی تھی اور بعد میں لاطینی۔ یونانی آداب وتہذیب کا اختیار کرنا اور یونانی جاننا شرافت کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ بعینہٖ جیسے ہمارے ہاں آج کل انگریزی پہناوا، انگریزی بات چیت، انگریزی طرزِ معاشرت باعثِ فخر خیال کی جاتی ہے۔ گو روما نے یونان کو فتح کیا تھا لیکن علمی لحاظ سے وہ خود اس کا مفتوح ہو گیا۔ غرض یونانی زبان کے سیکھنے اور یونانی کتابوں کے ترجمے کا عام رواج ہو گیا اور اسی وجہ سے یونانی گریمروں کی ضرورت ہوئی اور جب لاطینی گریمر لکھی گئی تو یونانی اصطلاحات لاطینی لباس میں ترجمہ ہو کر داخل ہو گئیں اور اس جدید لباس میں یہ گریمر دو ہزار سال سے یورپ پر چھائی ہوئی ہے بلکہ آج اس کا اثر ہندوستانی مدارس اور ہندوستانی زبانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔

جب ہم عربی زبان کی صرف ونحو کی ابتدا پر نظر ڈالتے ہیں تو بعینہٖ یہی صورت وہاں بھی پیش آئی۔ جس طرح ہومر کی کتاب کی درستی اور صحت کے لیے اوّل اوّل نحو کے ابتدائی اصول پر نظر گئی، اسی طرح قرآن پاک کے الفاظ کی صحت قائم رکھنے کے لیے سب سے پہلے زبان کی نحو کی طرف مجبوراً توجہ کرنی پڑی۔ سب سے پہلا شخص ابوالاسود دؤلی تھا جسے ایک قاری کو قرآن کی آیت غلط پڑھتے ہوئے سن کر یہ خیال ہوا کہ اگر خدانخواستہ یہ حالت رہی تو اندیشہ ہے کہ قرآن پاک کے معانی کچھ کے کچھ ہو جائیں گے۔ ابتدا میں عربی رسم الخط ایسا تھا کہ اس میں نقطے اور اعراب نہ تھے اور اس لیے اعراب اور نقطے ایجاد کرنے پڑے۔ صرف ونحو کا خیال بھی اسی قسم کے واقعات سے پیدا ہوا۔ خصوصاً جب اہلِ عجم مذہب اسلام میں داخل ہوئے اور عربی زبان کا اثر وسیع ہونے لگا تو عجمی زبان کے بولنے میں طرح طرح کی غلطیاں کرنے لگے۔ زبان کے خراب اور مسخ ہونے کا اندیشہ ہوا۔ اس پر سے ابوالاسود کی تحریک پر حضرت علیؓ نے نحو کا پہلا قاعدہ بتایا کہ ”سارا کلام اس سے خالی نہیں کہ یا تو اسم ہوگا یا فعل یا

حرف"۔ چناں چہ اس پر سے ابوالاسود نے اوّل اوّل قواعد فن لسان کی تدوین کی۔ جب عربوں کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور عربی زبان کی روشنی بھی ساتھ ساتھ پھیلنی شروع ہوئی تو قواعد کی ضرورت روز بروز بڑھنے لگی۔ کوفہ و بصرہ میں نحویین کے دو الگ مذہب قائم ہو گئے، جن کے مباحث پر اس وقت نظر ڈالنا ہمارے مقصد سے خارج ہے۔ غرض ہوتے ہوتے نوبت یہ پہنچی کہ نحو یا تو زبان سیکھنے کا آلہ تھی یا خود ایک مستقل فن ہو گئی اور ایک نحوی کی ایسی ہی عزت ہونے لگی جیسے کسی عالم فاضل کی۔ عربی صرف و نحو کی تدوین میں عجمیوں نے بہت بڑا حصّہ لیا (کیوں کہ ضرورت زیادہ انھیں کو تھی) اور بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھیں اور اس میں وہ بحثیں اور نزاکتیں پیدا کیں کہ یہ فن خاصا فلسفہ ہو گیا اور اس کے پڑھنے پڑھانے میں مبالغہ کے ساتھ بڑے بڑے اہتمام ہونے لگے، جس کا اثر اب تک باقی ہے۔ عربی زبان اور صرف و نحو کا اثر فارسی، ترکی، اردو زبانوں پر بہت کچھ ہوا ہے اور اب تک عربی اصطلاحات صرف و نحو ان زبانوں کی قواعد میں برابر جاری ہیں۔ بلکہ فارسی اردو کی صرف و نحو عربی کی صرف و نحو کی نقل ہے، اور نقل کیا کی ہے منھ چڑایا ہے۔ غرض کہنے کی بات یہ ہے کہ عربی صرف و نحو کو زیادہ رونق اور عروج عجمی علما کی بدولت ہوا ہے۔

موجودہ زبان فارسی کو دیکھا جائے تو اس کی صرف و نحو بہت صاف اور سیدھی اور مختصر ہے اور اس میں مطلق وہ پیچیدگیاں نہیں جو قدیم زبانوں یا اردو زبان میں ہیں۔ لیکن یار لوگوں نے عربی کے تتبع میں اس کی بھی خوب مٹی خراب کی۔ زبان کچھ کہتی ہے اور گریمر کچھ اور بعینہٖ یہ مثل صادق آتی ہے۔ بع

من چہ سرایم و طنبورۂ من چہ سراید

لیکن تاہم بُری بھلی جو کتابیں فارسی صرف و نحو، تنقید زبان، صنائع بدائع اور لغت پر لکھی گئی ہیں وہ سب زیادہ تر تو اہلِ ہند یا بعض اور بیرونی لوگوں کی تصنیف سے ہیں۔ اہلِ زبان نے کبھی اس پر قلم اٹھانے کی زحمت گوارا نہیں کی اور حقیقت بھی یہ ہے کہ انھیں اپنی زبان کی صرف و نحو لکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی اور نہ کبھی انھیں اس کا خیال آیا۔ وہ ان کی مادری زبان

تھی۔ پیدا ہوتے ہی وہی آوازیں ان کے کانوں میں پڑتی تھیں اور ہوش سنبھالتے ہی وہی زبان جو سنتے تھے بولتے تھے۔ صرف ونحو تو وہ پڑھے جس کی مادری زبان نہ ہو اور یہی وجہ ہے کہ فارسی کی صرف ونحو غیروں نے لکھی۔

اس کے بعد جب ہم اردو زبان پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کی حالت سب سے عجیب و غریب ہے۔ اس کی صرف ونحو کی طرف ابتدا میں نہ صرف کسی اہلِ ہند بلکہ ایشیا بھر میں کسی شخص کا خیال نہ گیا۔ اور خیال کیا تو غیروں نے۔ اور غیر بھی کیسے، بات چیت اور زبان ہی میں غیر نہیں، بلکہ صورت شکل، عادات واطوار، طریق ماند و بود، طرزِ خیال غرض گفتار، رفتار و کردار میں بھی غیر ہیں اور ایسے غیر کہ باوجودیکہ دو سو ڈیڑھ سو برس ایک سرزمین میں ایک ساتھ رہتے گزر گئے ہیں مگر اب تک غیریت نہیں گئی۔ میرا مطلب ان اہل فرنگ سے ہے جو آگ لینے آئے تھے اور گھر کے مالک بن بیٹھے۔ اہل یورپ کے آنے سے اس ملک کو اگر کچھ فوائد پہنچے ہیں تو ان میں سے بلاشبہ ایک یہ بھی ہے کہ اِنھیں نے ایک ایسی زبان کی سرپرستی اور تقویت میں ہاتھ بٹایا جو ملک کی مختلف اقوام کی متحدہ اور مشترکہ زبان تھی۔ اگرچہ اس میں ان کی ذاتی غرض پنہاں تھی، کیوں کہ بغیر ایک ایسی زبان سیکھے ان کو اپنی اغراض میں کامیابی نہیں ہوسکتی تھی۔ مگر ذاتی اغراض کے ساتھ ملکی اغراض بھی خود بخود انجام پا گئے۔ ان لوگوں کے اس زبان پر توجہ کرنے اور سیکھنے سے بھی یہ صاف عیاں ہے کہ یہ زبان ملک کی عام زبان تھی۔ ان حضرات کو ملک کی کسی زبان سے نہ الفت تھی نہ نفرت۔ وہ ایسی زبان سیکھنی چاہتے تھے جو ہر جگہ کارآمد ہو اور ان کے کاروبار اور معاملات میں سہولت پیدا کرے اور وہ۔ رائے اردو کے کوئی دوسری زبان نہ تھی۔ لہٰذا اس کی تحصیل میں انھوں نے کوشش کی اور بے شک یہ ان کے اغراض کے لیے مفید بھی ثابت ہوئی۔

جہاں تک تحقیق کی گئی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلا یوروپین جس نے ہندوستانی زبان کے قواعد لکھے وہ جان جوشوا کیٹلر تھا۔ جو پرشیا کے شہر ایل بنجن میں پیدا ہوا۔ مذہب میں یہ لوتھر کا پیرو تھا۔ یہ شخص شاہ عالم بادشاہ (سنہ ۱۷۰۸ـ۱۲ـ۱۷ء) اور جہاں دار شاہ

بادشاہ (۱۷۱۲ء) کے دربار میں بطور ڈچ سفیر کے حاضر ہوا۔ سنہ ۱۷۱۱ء میں وہ ڈچ اسٹیٹ انڈیا کمپنی کا ناظم تجارت بہ مقام سورت مقرر ہوا۔ وہ لاہور سے آتے اور جاتے وقت براہ دہلی آگرے سے گزرا لیکن یہ بالیقین نہیں کہا جاسکتا کہ وہ وہاں ٹھیرا بھی یا نہیں، اگرچہ وہاں اہل ڈچ کا ایک کارخانہ سورت کے تحت میں موجود تھا۔ اس کا مشن لاہور کے قریب ۱۰ دسمبر سنہ ۱۷۱۱ء کو پہنچا اور جہاں دار شاہ کے ہمراہ دہلی واپس ہوا اور آخر کار اس مقام سے ۱۴ اکتوبر سنہ ۱۷۱۲ء کو روانہ ہو کر ۲۰ اکتوبر کو آگرے پہنچا اور پھر آگرے سے سورت واپس چلا گیا۔ سنہ ۱۷۱۶ء تک وہ تین سال سورت میں ڈچ کمپنی کا ناظم (ڈائرکٹر) رہا۔ اس کے بعد وہ ایران کا سفیر مقرر ہوا اور بٹا دیا سے جولائی ۱۷۱۶ء میں روانہ ہوا۔ اس وقت اسے ایسٹ انڈیا میں ڈچ کی ملازمت کرتے ہوئے تیس سال ہو گئے تھے اور اصفہان سے واپس ہوتے وقت خلیج فارس کے مقام گمبرون میں بہ علالت بخار انتقال کیا۔

اس نے ہندوستانی زبان کے قواعد اور لغت پر کتاب لکھی جو ڈیوڈ مل نے سنہ ۱۷۴۳ء میں چھاپ کر شائع کی۔ قیاس یہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس نے ۱۷۱۵ء کے لگ بھگ تالیف کی ہوگی۔ یہ کتاب لیٹن زبان میں ہے لیکن ہندوستانی الفاظ اور عبارتیں رومن حروف میں ہیں، البتہ حروف کے پٹیوں میں ہندوستانی الفاظ بعینہٖ لکھے ہیں اور ان الفاظ کا املا ڈچ زبان کے طریقے پر ہے۔ ایک بات اس قواعد میں قابل لحاظ یہ ہے کہ حرف فاعلی ''نے'' کا کہیں ذکر نہیں ہے اور علاوہ ہم کے وہ آپ کو بھی جو (گجراتی زبان میں استعمال ہوتا ہے) جمع متکلم کی ضمیر بتاتا ہے۔

کیٹلر کی گریمر کے طبع ہونے کے دوسرے سال مشہور مشنری شلز کی کتاب ہندوستانی زبان (اردو) کی قواعد پر شائع ہوئی (سنہ طبع ۱۷۴۴ء) یہ صاحب کیٹلر کی گریمر سے واقف تھے اور اپنی کتاب کے دیباچے میں اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ شلز کی گریمر بھی لیٹن میں ہے مگر ہندوستانی الفاظ فارسی عربی خط میں ہیں اور ان کا تلفظ بھی ساتھ ساتھ لاطینی میں دیا ہے۔ ناگری حروف کی بھی تصریح کی ہے مگر بعض حروف بالکل ترک کر دیے ہیں۔ وہ ضمائر شخصی کے

واحد وجمع سے واقف ہے لیکن افعال متعدی کے زمانہ ماضی کے ساتھ 'نے' کے استعمال سے واقف نہیں اور یہ اسی پر موقوف نہیں بلکہ اکثر قدیم کتب قواعد میں 'نے' نظر انداز کر دیا گیا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ پرانی اردو میں نے کا استعمال بالالتزام نہیں ہوتا تھا۔

ہیڈلے کی گریمر سنہ ۱۷۷۲ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد متعدد کتابیں ہندوستانی زبان کے قواعد کے متعلق لکھی گئیں جن میں سے زیادہ مشہور پرتگیز گرمیڈیکا اندوستان ہے جو لزبن میں سنہ ۱۷۷۸ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد کا وہ زمانہ ہے جبکہ جان گلکرسٹ نے ہندوستانی زبان کی خدمت شروع کی، لیکن جان گلگرسٹ کی خدمات کا ذکر کرنے سے قبل ہم ایک شخص لے بی ڈف کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے اپنے حالات خود اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ یہ شخص مدراس میں سنہ ۱۷۸۵ء میں آیا اور غالباً بینڈ ماسٹری کی خدمت پر مامور ہوا۔ وہاں دو سال قیام کرنے کے بعد کلکتے چلا آیا۔ وہاں اس کی ملاقات ایک پنڈت سے ہوئی جس سے اس نے سنسکرت، بنگالی اور ہندوستانی (جسے وہ ہندوستان کی مخلوط زبان کہتا ہے) پڑھنی شروع کی۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے دو ناٹکوں کا ترجمہ بنگالی میں کیا اور اس کے اپنے بیان کے بموجب ان میں سے ایک ناٹک عام طور پر پبلک میں پسند کیا گیا اور اس کی بہت تعریف ہوئی۔ ایڈلنگ لکھتا ہے کہ اس کے بعد وہ مغل بادشاہ کے ہاں تھیٹر کا منتظم ہو گیا اور آخر مشرق میں بیس سال کے قیام کے بعد انگلستان واپس چلا گیا۔ لندن میں اس نے اپنی گریمر شائع کی اور روسی سفیر ڈرن زد سے ملاقات پیدا کی، اس نے اسے روس میں بھیج دیا جہاں وہ فارن آرن آفس میں ملازم ہو گیا اور سرکار کی طرف سے سنسکرت کا مطبع قائم کرنے کے لیے اُسے بہت کچھ رقم دی گئی لیکن اس کی ہندوستانی گریمر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید بہ نسبت ہندوستانی زبان کے اس کا علم بنگالی اور سنسکرت میں زیادہ ہو۔ کیوں کہ اس نے ہندوستانی گریمر میں نہ صرف الفاظ کا تلفظ غلط لکھا ہے بلکہ قواعد کے بیان کرنے میں بھی بہت سی صریح غلطیاں کی ہیں۔[1]

(۱) دیکھو لنگوسٹ سروے آف انڈیا، جلد ۸۔

ڈاکٹر جان گلکرسٹ کا نام اردو کے محسنوں میں نہایت ممتاز ہے اور اردو زبان کا مؤرّخ ان کا ذکر بغیر احسان مندی اور شکر گزاری کے نہیں کر سکتا۔ انھوں نے نہ صرف زبان اور قواعدِ زبان اور لغت پر اعلیٰ درجے کی کتابیں لکھیں، بلکہ چند خاص اہلِ زبان حضرات کو جمع کر کے ان سے ایسی کتابیں لکھوائیں جن میں سے بعض ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ ڈاکٹر صاحب نے اردو کی خدمت کا کام سنہ ۱۷۸۷ء میں شروع کیا اور فورٹ ولیم کالج اردو زبان کی تالیف و تصنیف کا مرکز انیسویں صدی کے ابتدائی دس سال تک رہا۔ اگر چہ اصل مقصد اس کا یہ تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی میں جو انگریز ملازم ہو کر آتے تھے ان کو اردو سکھانے کے لیے مناسب کتابیں لکھوائی جائیں تاکہ وہ آسانی سے ملک کی اس زبان کو جو ہر جگہ بولی یا سمجھی جاتی ہے، سیکھ سکیں۔ لیکن اس پردے میں بعض بے مثل کتابیں لکھی گئیں اور آئندہ اس ڈھنگ کی تالیف کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ خود گلکرسٹ صاحب نے متعدد کتابیں اردو زبان میں اور اس کی لغت اور قواعد پر لکھی ہیں۔ ان کی کتاب 'قواعدِ اردو'، سنہ ۱۸۰۹ء میں چھپ کر شائع ہوئی۔ اگر چہ ان کی دو ایک کتابیں جو اس سے چند سال قبل طبع ہوئی تھیں، ان میں بھی اردو زبان کے قواعد کا کچھ کچھ حصّہ شریک تھا۔

مسٹر جان شیکسپیئر کی اردو گریمر لندن میں اوّل اوّل سنہ ۱۸۱۳ء میں شائع ہوئی۔ دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۸۱۸ء میں تیسرا سنہ ۱۸۲۶ء میں، چوتھا ایڈیشن جس میں دکھنی زبان کی مختصر سی گریمر بھی اضافہ کی ہے سنہ ۱۸۴۳ء میں اور اس کے بعد ایک ایڈیشن سنہ ۱۸۵۸ء میں شائع ہوا۔

سنہ ۱۸۲۰ء میں اردو رسالہ گلکرسٹ کے نام سے ایک کتاب کلکتے میں شائع ہوئی اور اس کے کئی ایڈیشن سنہ ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۶ء میں کلکتے میں اور سنہ ۱۸۴۵ء میں آگرے میں چھپے۔ یہ رسالہ دراصل گلکرسٹ کی گریمر کا ملخص ہے۔

ولیم ٹیٹ نے ایک کتاب مقدمہ زبان ہندوستانی کے نام سے تالیف کی جو تین حصّوں پر منقسم تھی، یعنی گریمر، لغت اور اسباق زباں دانی۔ اوّل بار کلکتے میں سنہ ۱۸۲۷ء میں طبع ہوئی دوسری بار سنہ ۱۸۲۴ء میں اور تیسری بار سنہ ۱۸۳۳ء میں چھپی۔

گلکرسٹ صاحب کے بعد اردو کا دوسرا یوروپین محسن فرانسیسی عالم موسیو گارساں دتاسی تھا۔ اس نے اصول زبان ہندوستان پر ایک کتاب لکھی جو پیرس میں سنہ ۱۸۲۹ء میں طبع ہوئی اور صرف اردو و قواعدِ اردو پر ایک بڑا مضمون جنرل ایشیاٹک سوسائٹی بابت سنہ ۱۸۳۸ء میں لکھا۔ اس کے علاوہ موصوف نے تاریخ شعرائے اردو تین جلدوں میں لکھی جو بہت کارآمد کتاب ہے۔

ان کی تصنیف سے متعدد رسالے اردو زبان اور اردو مصنّفین پر ہیں۔ خصوصاً ان کے سالانہ لکچر[1] (اردو، زبان کی سالانہ ترقی و اشاعت پر) بہت مفید معلومات سے مملو ہیں۔

مسٹر ایس ڈبلیو بری ٹن نے ہندوستانی زبان کے قواعد پر ایک کتاب تالیف کی جو لندن میں سنہ ۱۸۳۰ء میں طبع ہوئی۔

اس کے ایک سال بعد یعنی سنہ ۱۸۳۱ء مسٹر سٹیفورڈ ارناٹ کی کتاب بنام "جدید خود آموز قواعد ہندوستانی"، جو برٹش انڈیا کی نہایت کارآمد اور عام زبان ہے، شائع ہوئی۔ یہ کتاب فارسی اور رومن حروف میں ہے اور اس کے ساتھ بطور ضمیمے کے لغت اور مشقی اسباق زباں دانی بھی اضافہ کیے گئے ہیں، لندن میں اوّل بار سنہ ۱۸۳۱ء میں اور دوسری بار سنہ ۱۸۴۴ء میں طبع ہوئی۔

سنہ ۱۸۴۲ء میں ایک کتاب انگریزی اور ہندوستانی افعال بے قاعدہ پر اور مقدمہ قواعد ہندوستانی برائے افادہ طلبہ، مدراس میں طبع ہوئی۔ مؤلف کا نام تحریر نہیں ہے۔

ہندوستانی زبان کے قواعد مشرقی اور رومن حروف میں مع آسان انتخابات بغرض تحصیل زباں داں دانی، فارسی عربی اور دیوناگری حروف میں، مؤلفہ ایس ارناٹ بہ اضافۂ فرہنگ و حواشی از مسٹر ڈن کن فاربس مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۴۴ء۔

اسی سال مسٹر جیمس آر بالن ٹائن کی گریمر لندن میں طبع ہوئی اور غالباً یہی کتاب بعد ترمیم و اضافہ سنہ ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی۔

---

(۱) یہ لکچر انجمنِ ترقّیِ اُردو نے "خطباتِ گارسان دتاسی" کے نام سے شائع کر دیے ہیں۔

سنہ ۱۸۴۷ء میں ہندوستانی زبان کی ایک گریمر لندن میں طبع ہوئی اس کے مؤلف ریورنڈ جی اسمال تھے۔ اس میں کچھ انتخابات اردو ادب کے بھی شریک ہیں اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۸۵۸ء میں شائع ہوا۔

جرمنی کے ایک عالم جے وت لو پراخو نے بھی ہندوستانی زبان کے قواعد پر ایک کتاب لکھی تھی جو برلن میں سنہ ۱۸۵۲ء میں طبع ہوئی۔

سر مونیر و ولیمس نے سنسکرت اور ہندی زبان کی جو خدمت کی ہے وہ محتاجِ تعریف نہیں، ایک زمانہ اس سے واقف ہے۔ صاحب موصوف نے ہندوستانی زبان کی ایک ابتدائی کتاب لکھی اور اس میں علاوہ روزمرہ کے استعمال کے الفاظ و محاورات و قصص کے مبتدیوں کے لیے صرف و نحو کے قواعد بھی درج کیے۔ اس کے سوا ہندوستانی گریمر مؤلفہ کاٹن ماتھر مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۶۲ء کو مرتب کیا جو سنہ ۱۸۷۶ء میں شائع ہوئی۔

سنہ ۱۸۷۲ء میں مسٹر جان ڈوسن نے اردو زبان کی ایک گریمر تالیف کی۔

مسٹر جان پلیٹ کی قواعد اردو لندن میں سنہ ۱۸۷۴ء میں طبع ہوئی یہ کتاب درحقیقت اچھی لکھی گئی ہے۔

کسی یوروپین صاحب نے دکنی گریمر پر ایک رسالہ لکھا تھا لیکن اس پر مؤلف کا نام نہیں۔ یہ رسالہ سنہ ۱۸۷۸ء میں ستارے میں طبع ہوا۔

پامر صاحب کی ہندوستانی فارسی و عربی گریمر سنہ ۱۸۸۲ء میں بمقام لندن طبع ہوئی۔

سنہ ۱۸۸۲ء و سنہ ۱۸۸۳ء میں مسٹر ڈبلیو کیگر نے زبان ہندوستان کی گریمر لکھی۔ ان صاحب کا تعلق سر دھنے سے معلوم ہوتا ہے۔

سنہ ۱۸۸۳ء میں پروفیسر فان کیو نے ہندوستانی زبان کے قواعد مرتب کیے۔ یہ کتاب نیپولی میں طبع ہوئی۔

اسی سال مسٹر جے ون سن نے بھی اردو گریمر تالیف کی۔

جرمن عالم اے سی ڈل نے ایک کتاب اردو زبان کے قواعد پر تالیف کی جس کا نام اس

نے ہندوستانی گریمر قیاسی و عملی رکھا۔ یہ کتاب سنہ ۱۸۹۳ء میں بہ مقام لپ زک Leipzig طبع ہوئی۔ سنہ ۱۸۹۴ء میں شلز کی گریمر پھر لپ زک میں طبع ہوئی۔

یہ فہرست صرف اردو صرف ونحو کی ایسی کتابوں کی ہے جو اہل یورپ نے تالیف کی ہیں۔ لغت ادب وغیرہ پر جو کتابیں ان لوگوں نے لکھی ہیں ان کا ذکر نہیں کیا گیا ہے کیوں کہ یہاں ان کا ذکر خارج از بحث ہے۔ اس سے میرے اس بیان کی تصدیق ہوگی کہ اردو زبان کی صرف ونحو پر پہلے پہل غیروں نے توجہ کی۔

اہلِ ہند میں سب سے اوّل اس مضمون پر اردو کے مشہور شاعر میر انشاء اللہ خاں انؔشا دہلوی نے قلم اٹھایا۔ ان کی کتاب 'دریائے لطافت' (سنہ ۱۲۲۲ھ سنہ ۱۸۰۲ء) بعہد نواب سعادت علی خاں بہادر لکھی گئی۔ اس میں علاوہ قواعد صرف ونحو کے، عورتوں کے محاورات، مختلف قوموں کی بولیاں اور گفتگوئیں اور طرح طرح کی نظم ونثر بھی شریک ہے۔ بعض محاورات و الفاظ کی تحقیق بھی خوب کی ہے۔ باوجودیکہ اس کتاب کو تالیف ہوئے مدت گزر چکی ہے لیکن اس وقت بھی وہ بے مثل اور قابل قدر کتاب ہے [1] —— اور اردو زبان کے ادب میں ہمیشہ وقعت کی نظر سے دیکھی جائے گی۔ یہ کتاب اوّل اوّل مرشد آباد میں سنہ ۱۸۴۸ء میں طبع ہوئی۔

غالباً ناظرینِ کتاب کو یہ پڑھ کر حیرت ہوگی کہ سر سید احمد خاں مرحوم نے بھی اردو صرف ونحو پر ایک رسالہ تالیف کیا تھا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کی حالی لائبریری میں موجود ہے۔ کاتب نے کتاب کے آخر میں سنہ ۱۲۵۶ھ مطابق سنہ ۱۸۴۰ء تحریر کیا ہے۔ اگرچہ یہ سنہ کتابت ہے لیکن سنہ تالیف بھی اسی کے لگ بھگ ہوگا۔ اس میں صرف ونحو کے معمولی قواعد ہیں۔ زیادہ تر مصادر سے بحث کی گئی ہے۔ اگرچہ یہ کتاب کچھ ایسی قابل لحاظ نہیں، لیکن اس سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ مرحوم کو اردو زبان سے کس قدر دلچسپی تھی۔

اس کے بعد مولوی احمد علی دہلوی نے ایک ابتدائی رسالہ صرف ونحو اردو پر لکھا جو دہلی میں سنہ ۱۸۴۵ء میں طبع ہوا۔ اس کتاب کا نام "فیض کا چشمہ" ہے۔ غالباً یہ تاریخی نام ہے اور

(۱) انجمنِ ترقیٔ اُردو نے اس کتاب کو شائع کیا ہے۔

اس سے سنہ تالیف سنہ ۱۲۵۹ھ نکلتا ہے۔

مولوی امام بخش صاحب صہبائی دہلوی فارسی کے مشہور منشی اور ادیب گزرے ہیں اور دہلی کالج میں پروفیسر بھی تھے، انھوں نے بھی اردو صرف ونحو پر ایک کتاب تالیف کی تھی جو دہلی میں سنہ ۱۸۴۹ء میں طبع ہوئی۔ یہ کتاب بھی اچھی ہے۔ اس کے آخر میں بہ ترتیبِ حروفِ ابجد اردو کے محاورات اور کہیں کہیں ضرب الامثال بھی درج ہیں۔

ان کے علاوہ بھی اسی زمانے میں دو ایک کتابیں اور لکھیں گئیں۔ مثلاً ایک صاحب مرزا محمد صالح نے ایک گریمر ہندوستانی، فارسی اور عربی زبان کی لکھی اور اس میں فارسی گفتگو کا بھی ایک حصّہ اضافہ کیا اور ایک یورپین صاحب نے اس کا انگریزی ترجمہ بھی کیا جو اصل کے ساتھ تھا۔ یہ کتاب بمقام لندن سنہ ۱۸۲۳ء میں طبع ہوئی۔ یا ایک دوسری کتاب بمبئی کے محمد ابراہیم صاحب مقبہ نے تحفۂ الفنسٹن کے نام سے تالیف کی جو بمبئی میں سنہ ۱۸۲۳ء میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔ یہ کتاب الفنسٹن صاحب گورنر بمبئی کے نام سے موسوم کی گئی تھی۔ لیکن یہ کتابیں کچھ زیادہ قابلِ لحاظ و قابلِ ذکر نہیں ہیں۔

زمانۂ حال میں متعدد کتابیں اس مبحث پر مدارس کے طلبہ وغیرہ کے لیے پنجاب و ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں تالیف ہوئی ہیں، جن میں کم وبیش عربی صرف ونحو کا تتبع کیا گیا ہے۔ البتہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے جو دو مختصر رسالے طلبائے مدارس کے لیے لکھے ہیں ان میں انھوں نے تقلید سے الگ ہو کر جدت سے کام لیا ہے لیکن یہ رسالے بہت مختصر ہیں اور صرف ابتدائی مدارس کے طالب علموں کے کارآمد ہو سکتے ہیں۔

میں اس سے قبل اس امر کا اعتراف کر چکا ہوں کہ ایک زندہ زبان کے لیے قواعد کی چنداں ضرورت نہیں، اور میں نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ عموماً اور اکثر کسی زبان کی صرف ونحو اُس وقت لکھی گئی جبکہ کسی غیر قوم کو اس زبان کی تحقیق یا اس کے سیکھنے کی ضرورت واقع ہوئی۔ اور صرف ونحو کی ابتدا یا اس کے متعلق جدوجہد ہمیشہ غیر قوم والوں کی طرف سے ہوئی، کیوں کہ اہلِ زبان اس سے مستغنی ہوتے ہیں۔ یہی حال اردو زبان کا ہوا۔ اس کی صرف ونحو اور لغت

کی طرف اوّل اوّل اہلِ یورپ نے بہ ضرورت توجہ کی۔ اس کے بعد جب اہل ملک نے یہ دیکھا کہ ان لوگوں کو اردو پڑھنے کا شوق ہے تو ان کی دیکھا دیکھی یا ان کے فائدے کی غرض سے خود بھی کتابیں لکھنی شروع کیں۔ بعدازاں جب یہ زبان مدارس میں بھی پڑھائی جانے لگی تو صرف طلبہ کے لیے کتابیں لکھی جانے لگیں، چناں چہ آج کل جس قدر کتابیں لکھی گئیں، ان کی اصل غرض یہی تھی۔ لیکن سوائے اس کے اب ایک ضرورت اور داعی ہوئی ہے، وہ یہ کہ اردو زبان اب ملک کی عام اور مقبول زبان ہوگئی ہے اور ملک میں اکثر جگہ بولی جاتی ہے اور ہر جگہ سمجھی جاتی ہے۔ ملک کی دوسری زبانیں خاص خاص خطوں میں محدود اور مخصوص ہیں۔ نیز اس زبان کو کچھ ایسے مقامات کے لوگ بھی پڑھتے اور سیکھتے ہیں جن کی یہ مادری زبان نہیں۔ اس لیے یہ ضرورت واقع ہوئی کہ اس زبان کے قواعد منضبط کیے جائیں اور مستند کتابیں لغت پر لکھی جائیں تاکہ زبان بگڑنے سے محفوظ رہے۔ میں نے اس کتاب کے لکھنے میں اس خیال کو مدِنظر رکھا ہے اور صرف طلبائے مدارس کی ضروریات کا لحاظ نہیں کیا ہے بلکہ زیادہ تر یہ کتاب ان حضرات کے لیے ہے جو زبان کو نظرِ تحقیق سے دیکھنا چاہتے ہیں۔

ہمارے ہاں اب تک جو کتابیں قواعد کی رائج ہیں ان میں عربی صرف ونحو کا تتبع کیا گیا ہے۔ اردو، خالص ہندی زبان ہے اور اس کا شمول آریاوی السنہ میں ہے، بخلاف اس کے، عربی زبان کا تعلق سامی السنہ سے ہے۔ لہٰذا اردو زبان کی صرف ونحو لکھنے میں عربی زبان کا تتبع کسی طرح جائز نہیں۔ دونوں زبانوں کی خصوصیات بالکل الگ ہیں، جو غور کرنے سے صاف معلوم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگرچہ اردو ہندی نژاد ہے اور اس کی بنیاد قدیم ملکی زبان پر ہے، افعال جو زبان کا بہت بڑا جز ہیں، نیز ضمائر اور اکثر حروف سب کے سب ہندی ہیں، صرف اسما وصفات عربی فارسی کے داخل ہو گئے ہیں، اور چند گنتی کے مصادر جو عربی فارسی الفاظ سے بن گئے ہیں، مثلاً بخشنا، بدلنا، قبولنا، تجویزنا وغیرہ کسی شمار میں نہیں، بلکہ بعض ثقات بزعم خود انھیں فصیح بھی نہیں خیال کرتے، تاہم اردو زبان کی صرف ونحو میں سنسکرت کے قواعد کا تتبع بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے متعلق چند موٹی موٹی باتیں یہاں لکھی جاتی ہیں۔

۱) ہر اسم کے سنسکرت میں تین حصّے کیے گئے ہیں۔ مادہ، حرف بعد مادہ اور حرف آخر۔ موجودہ ہندی یا اردو میں حرف آخر اُڑ گیا ہے۔

۲) سنسکرت میں اسم کی مختلف حالتیں (فاعلی، مفعولی، اضافی وغیرہ) صرف حرف آخر کے تغیر سے بنتی ہیں جو اکثر قدیم زبانوں میں پایا جاتا ہے اور ہندی اردو میں الگ حروف بڑھانے سے بنتی ہیں اور تمام جدید زبانوں کا میلان اسی طرف ہے۔

۳) سنسکرت اور پراکرت میں جنس کی تعداد تین ہے، یعنی نر، مادہ اور بے جان۔ موجودہ ہندی یا اردو میں صرف دو ہیں۔

۴) سنسکرت کا فعل بہت دقیق اور پیچیدہ ہے اور ایک زمانے سے اس میں اصلاح ہوتے ہوتے موجودہ ہندی میں آ کر صاف اور سادہ ہوا ہے۔ تثنیہ کا صیغہ سنسکرت میں ہے، ہندی میں نہیں۔

سنسکرت میں ہر فعل کی چھ صورتیں، تیرہ قسمیں اور نو جنسی حالتیں ہیں، یعنی کُل صیغے سات سو دو ہوتے ہیں اور یہ سب ایک ہی لفظ کے ہیر پھیر سے بنتے ہیں۔ موجودہ زبان میں یہ بھی آسانی ہے کہ اکثر افعال، امدادی افعال کی اعانت سے بنائے جاتے ہیں اور بہت سے مصادر فارسی اور عربی اسما و صفات کے آگے ہندی مصادر مثلاً دینا، کرنا وغیرہ بڑھا کر بنائے جاتے ہیں۔

ایسی صورت میں اردو کی صرف و نحو میں عربی یا سنسکرت کا تتبع کرنا الٹی گنگا بہانا ہے۔ البتہ اصطلاحات عربی سے لی گئی ہیں کیوں کہ وہ زمانہ دراز سے رائج ہیں اور اس لیے اس سے گریز نہیں۔ اردو زبان میں تقریباً کل علمی اصطلاحات عربی سے لی گئی ہیں جیسے انگریزی زبان میں لاطینی اور یونانی سے۔ تاہم یہ خیال رکھا گیا ہے کہ ثقیل اور طویل اصطلاحات نہ آنے پائیں۔

میں اس موقعے پر اردو ہندی کے جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہتا کیوں کہ یہ بحث میرے خیال میں بالکل بے سود ہے۔ اوّل تو اس لیے کہ صرف و نحو میں اس بحث کا کوئی موقع نہیں۔

خصوصاً اس خیال سے کہ اس امر میں تقریباً دونوں ایک ہیں اور سوائے بعض جزوی اختلافات کے کوئی زیادہ فرق نہیں۔ دوسرے، جو شخص اس ملک کی مختلف زبانوں کی تاریخ کو غور سے دیکھے گا، اسے معلوم ہو جائے گا کہ فریقین نے محض سخن پروری اور ہٹ دھرمی سے کام لیا ہے۔ دراصل جھگڑے کی کوئی بات نہیں، قدرتی اثرات اور رجحانات کا روکنا، اپنے ہاتھوں سے اپنی ترقی کو روکنا ہے۔

بات یہ ہے کہ جب آریا لوگ اس ملک میں داخل ہوئے تو انھوں نے یہاں ایک دوسری قوم کو آباد دیکھا جن کی زبان ان کی زبان سے بالکل مختلف تھی۔ ملک کی اصل قوم ان قوی آریاؤں کے حملوں کی تاب نہ لا سکی۔ اس لیے کچھ تو ان میں سے شمالی پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوئے اور بہت سے جنوبی اور وسطی ہند کے پہاڑوں اور جنگلوں میں جا بسے۔ لیکن پھر بھی بہت سے ایسے تھے جنھیں اپنے عزیز وطن کی جدائی گوارا نہ تھی، اگرچہ وطن دوسروں کے ہاتھوں میں تھا اور اس لیے نئے حملہ آوروں کی غلامی میں بسر کرنے لگے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ مغلوب و پائمال کی زبان کیا باقی رہ سکتی ہے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ان کی زبان نے آریاؤں کی زبان یعنی سنسکرت پر کچھ نہ کچھ اثر ضرور کیا اور اس لیے یہ کہنا غلطی نہ ہوگا کہ قدیم ہندی بولیاں جو پراکرت (یعنی عوام کی بولی) کے نام سے مشہور ہیں، اس اثر کا نتیجہ تھیں اور انھیں پراکرت بولیوں سے ہندوستان کی موجودہ آریاوی زبانیں پیدا ہوئیں۔ ان کا تعلق سنسکرت سے ایسا ہی ہے جیسے یورپ کی موجودہ رومائی السنہ کو لاطینی اسے۔ ان زبانوں کی تعداد عموماً سات شمار کی جاتی ہے۔ یعنی پنجابی، سندھی، گجراتی، مرہٹی، ہندی، اڑیا اور بنگالی۔

ان سب میں ہندی بلحاظ قدامت و اہمیت کے سب سے زیادہ قابلِ لحاظ ہے لیکن ابتدا ہی سے اس پر غیروں کی نظریں پڑنی شروع ہوئیں۔ مسلمان جو شمال کی طرف سے اس ملک میں آنے شروع ہوئے، اس کو اپنی زبان سے متاثر کیے بغیر نہ رہ سکے اور جو اثر بارہویں صدی سے پڑنا شروع ہوا تھا وہ آخر ایک نئی صورت میں ظہور پذیر ہوا اور یہی اردو (لشکری زبان) کی اصل ہے۔ یہ دراصل کسی پراکرت یا ہندی کی بگڑی ہوئی صورت نہیں، بلکہ ہندی کی آخری

اور شائستہ صورت ہے اور اس وقت ہندوستان کی عام ملکی زبان مانی جاتی ہے۔ یہ نہ کسی خاص شخص یا فریق کی ایجاد ہے اور نہ کسی خاص مصلحت اور منشا سے بنائی گئی ہے، بلکہ جس طرح اس ملک کی معاشرت و سیاست میں وقتاً فوقتاً مختلف قدرتی اسباب سے تغیرات پیدا ہوئے اور آج اِنھیں اثرات کی وجہ سے جدید حالت نظر آتی ہے، اسی طرح زبان میں بھی قدرتی اثرات اور رجحانات اور مختلف واقعات سے تغیرات ظہور میں آئے اور اس وقت جو ہم خاص مصلحت کی وجہ سے پرانی شے کو نئی سمجھ کے چونکتے ہوتے ہیں، وہ صرف ایک دھوکا ہے۔ اب اتنی مدت کے بعد ان باتوں پر جھگڑنا گویا صدیوں کے واقعات کو جھٹلانا اور قدرتی اثرات اور رجحانات کو الٹا لے جانا ہے۔ دنیا میں کوئی چیز ایک حالت پر نہیں رہتی اور جب ہم ہی ایک حالت پر نہ رہے تو ہماری زبان کیوں رہنے لگی اور کچھ نہیں تو اگر صرف اس زبان کے الفاظ ہی کو سرسری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی کتنی قوموں نے (بغیر کسی خاص ارادے کے محض قدرتی اثرات کی وجہ سے) اس کے بنانے میں حصّہ لیا ہے۔ تو کیا ایسی یادگار کو بگاڑنے کی کوشش کرنا ایک نہایت دردناک فعل نہ ہوگا؟ خصوصاً ایسے عہد میں جب کہ زمانہ قدیم کے ایک ایک پتھر اور اینٹ کو سینت سینت کے رکھا جاتا ہے۔

اس نہایت مختصر ذکر سے میرا مقصد یہ تھا کہ اردو کی صرف ونحو کو سنسکرت زبان کے قواعد سے اسی قدر مغائرت ہے، جتنی عربی زبان کی صرف ونحو سے۔ میرا خیال یہ ہے کہ کسی زبان کے قواعد لکھتے وقت اس کی خصوصیات کو کبھی نظر انداز نہ کیا جائے اور محض کسی زبان کی تقلید میں اس پر زبردستی قواعد اور اصول کے نام سے ایسا بوجھ نہ ڈال دیا جائے جس کی وہ متحمل نہ ہو سکے۔ میں نے حتی الامکان اسی اصول کو مدِّنظر رکھا ہے اور اس امر کی کوشش کی ہے کہ جدھر زبان کا رجحان ہو، اُدھر اس کا ساتھ دیا جائے۔ لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے اس میں کہاں تک کامیابی ہوئی ہے۔ بہر حال مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور اس کے ساتھ ہی مجھے اس کا بھی یقین ہے کہ کتاب اسقام سے خالی نہیں اور اس لیے میں ہر ایک مشورے اور اختلاف کو نہایت شکر و احسان کے ساتھ سننے اور اپنی غلطیوں کی اصلاح کرنے کے لیے تیار ہوں۔

قواعدِ اُردو

زبان کیا ہے؟ زبان بھی ایک انسانی عمل یا سعی ہے۔ اس کے دو رُخ ہیں۔ ایک طرف تو یہ عمل اُس شخص کی طرف سے ہے جو اپنے دل کی بات دوسرے کو سمجھانا چاہتا ہے۔ دوسری طرف اس شخص کی جانب سے ہے جو دوسرے کے دل کی سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ دو شخص ہیں جن میں ایک بولنے والا، دوسرا سُننے والا۔ اگر ہم زبان کی فطرت کو یا زبان کے اس حصّے کو صحیح طور پر سمجھنا چاہتے ہیں جس کا بیان زبان کے قواعد میں ہوتا ہے تو ہمیں یہ دو شخص اور ان کا باہمی تعلق پیش نظر رکھنا چاہیے۔

ہم نے جو دو شخصوں یعنی قائل (بولنے والے) اور سامع (سننے والا) کا ذکر کیا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ زبان کی ابتدائی صورت وہ بات چیت ہے جو بولنے اور سننے میں آتی ہے۔ اس کے بعد دوسرا درجہ اُن شکلوں کا ہے جو تحریر میں اور پڑھنے میں آتی ہیں۔ جو بول سُننے اور بولنے میں آتے ہیں، اُن کو اُن اشکال پر جو لکھنے اور پڑھنے میں استعمال ہوتی ہیں، تقدیم اور فوقیت حاصل ہے۔ کیوں کہ تحریر کا فن صدہا، بلکہ ہزار ہا سال کے بعد ایجاد ہوا ہے۔ ایجاد کے بعد بھی زمانہ دراز تک تحریر خاص طبقے میں محدود رہی اور اب بھی جبکہ دنیا میں روزانہ بے شمار کتابیں اخبار اور رسالے شائع ہوتے ہیں، لکھنے والوں کے مقابلے میں بولنے والوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ اگر ہم اپنے خیال میں سب سے مقدم بولنے اور سُننے کے عمل کو نہیں رکھیں گے اور اس حقیقت کو بھلا دیں گے کہ تحریر تقریر کی قائم مقام ہے تو ہم اس امر کے سمجھنے

کے اہل نہیں ہو سکتے کہ زبان کیا ہے اور اس کی نشو و نما کیوں ہوئی۔ تحریری لفظ جامد اور بے حس ہیں اور جب تک کوئی ان میں اپنے دماغی عمل سے روح نہ پھونکے، یہ مُردہ رہیں گے۔

تحریر میں لفظ ایک ہی صورت اور ایک ہی حالت میں رہتا ہے، لیکن بول چال میں لہجے اور موقع کے لحاظ سے ایک لفظ کی کئی کئی صورتیں ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ''یہ'' کا لفظ ہے۔ یہ لکھنے میں ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا اور ایک ہی لفظ ہے لیکن بولنے میں لہجے اور موقع کی مناسبت سے دو لفظ ہیں۔ جیسے، ان دو جملوں میں ''یہ کون شخص ہے؟''، ''اس کی میز کے نیچے سے یہ بڑا سانپ نکلا۔''

اس لیے زندہ زبان کے قواعد نویس کو سب سے اوّل بول چال کا خیال رکھنا چاہیے اور اسی سے قاعدے بنانے چاہئیں۔ قواعد میں اوّل درجہ آواز کا ہے اور اس کے بعد حروف کا۔ پہلے بول چال ہے اور بعد تحریر۔ اس اصول کے لحاظ سے ہمیں قواعد بول چال کے کم سے کم جز یعنی جملے سے شروع کرنی چاہیے۔ کیوں کہ اسی سے ایک شخص دوسرے شخص کے دل کی بات سمجھتا ہے۔ کوئی شخص کتنی ہی کم سے کم بھی بات کرنا چاہے تو بھی وہ جملے سے کم نہ ہوگی۔ یعنی اتنی بات کہ جس سے دوسرا آدمی اس کا مطلب سمجھ جائے۔ جملے سے الگ خالی لفظ کوئی خاص معنی نہیں رکھتا۔ اس کا صحیح مفہوم اسی وقت معلوم ہوگا جب وہ کسی بات (یا جملے) میں آئے گا۔ ورنہ ایک لفظ کئی معنوں کے لیے آسکتا ہے۔ لیکن قواعد نویسوں نے آسانی کے خیال سے جملے کے ٹکڑے کر لیے ہیں۔ پہلے ان سے بحث کرتے ہیں بعد جملوں سے۔ اس کے انھوں نے تین حصّے کیے ہیں۔

پہلا حصّہ: سادہ آوازیں اور اُن کی تحریری نقل یا علامتیں جن کا نام 'ہجّا' ہے۔

دوسرا حصّہ: ایک سے زیادہ ملی ہوئی آوازیں، جن کی تحریری علامتیں الفاظ کہلاتی ہیں۔ ان کی تقسیم اور ایک دوسرے کے ساتھ آنے سے جو ان میں تغیر و تبدل ہوتا ہے یا ان میں کچھ اضافے سے جو نئی صورت پیدا ہوتی ہے۔ یعنی الفاظ کی تقسیم گردان اور اشتقاق سے بحث ہوتی ہے۔ اس کا نام 'صَرف' ہے۔

تیسرا حصہ: بات چیت یا جملے میں لفظوں کا ایک دوسرے سے اور جملوں کا باہمی تعلق۔
اسے نحو کہتے ہیں۔

جس طرح ہر شے کا ظاہر اور باطن ہوتا ہے، اسی طرح الفاظ کا بھی ظاہر باطن ہوتا ہے۔ظاہر وہ ہے جس کا تعلق 'صَرف' سے ہے۔یعنی اس میں صِرف صورت کی تبدیلی وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے اور لفظ کا باطن اس کا مفہوم اور معنی ہیں۔اس کی بحث نحو میں ہوتی ہے۔اس میں زیادہ تر بحث لفظ کے باطن یعنی اس کے معنی کے لحاظ سے کی جاتی ہے۔

فصل اوّل

ہجّا

سادہ آوازوں کو تحریری علامات میں لانے کا نام حرف ہے۔

ہجا میں حروف کی آواز اور ان کی حرکات وسکنات سے بحث کی جاتی ہے۔ حروف کے مجموعہ کو 'ابجد' کہتے ہیں۔

(ابجد کا لفظ ابتدائی حروف اب ج د سے بنا ہے)

چوں کہ اردو زبان ہندی، فارسی، اور عربی سے مل کر بنی ہے لہٰذا اس میں ان سب زبانوں کے حروف موجود ہیں۔

خاص عربی حروف یہ ہیں:

ث، ح، ذ، ص، ض، ط، ظ، ع، ق.

یہ حروف قدیم فارسی اور ہندی یا سنسکرت میں نہیں پائے جاتے لیکن 'ذ' قدیم فارسی میں بھی پائی جاتی ہے اور اب بھی بعض فارسی الفاظ 'ذ' سے لکھے جاتے ہیں۔

ٹ، ڈ، ڑ، خالص ہندی ہیں۔ عربی فارسی میں نہیں آتے۔

ز، ف، خ، غ، کی آوازیں ہندی میں نہیں عربی فارسی دونوں میں ہے۔

ژ خاص فارسی حرف ہے۔ ہندی عربی میں نہیں آتا۔

علاوہ ان تین حرف (ٹ، ڈ، ڑ) کے چند اور حرف بھی ہیں جو خاص ہندی ہیں اور عربی فارسی میں نہیں آتے۔ اب تک اردو میں یہ سادہ حروف نہیں سمجھے جاتے تھے بلکہ ان میں

ہر حرف دو حرفوں کے میل سے ایک مرکب آواز خیال کی جاتی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدا میں ہم نے اپنی بول چال فارسی حروف میں لکھنی شروع کی، فارسی عربی میں یہ آوازیں نہیں اور نہ ان کے لیے حروف ہیں۔ ضرورت کے لیے ان آوازوں کو دو دو حرفوں کے ذریعے سے ظاہر کرنا پڑا۔ یوں تو یہ دو سادہ آوازیں ہیں مگر مل کر ایک ہو گئی ہیں۔ وہ حروف یہ ہیں۔

بھ، پھ، تھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، ڑھ، کھ، گھ۔

ان کے علاوہ اردو میں رھ، لھ، مھ، نھ کی آوازیں بھی ہیں۔ ہندی میں ان آوازوں کے لیے کوئی حروف نہیں۔ مثالیں ان کی یہ ہیں تیرھواں، کولھو، ملھو، تمھارا، تنھا۔ چوں کہ ان حروف میں پہلی سادہ آواز (ہ) کی آواز کے ساتھ مل کر آتی ہے اس لیے معمولی 'ہ' سے امتیاز کرنے کے لیے دو چشمی ھ سے لکھتے ہیں۔ مثلاً کھا اور کہا، دو علاحدہ لفظ ہیں۔ تلفظ میں بھی اور معنوں میں بھی، لہٰذا املا میں بھی فرق کرنا چاہیے۔ یہ امتیاز بہت ضروری ہے۔ اس حساب سے اردو زبان میں کُل حروفِ تہجی پچاس ہوتے ہیں۔

یہ حرف جو ہر ملک کے ساتھ مخصوص کیے گئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آوازیں آب و ہوا وغیرہ کے اثر سے اس ملک والوں کے گلوں سے بہ آسانی نکلتی ہیں۔ مگر دوسرے ممالک کے لوگ اسی وجہ سے ان کو ادا نہیں کر سکتے، یا بدقت ادا کرتے ہیں۔ انسان کا گلا آلۂ موسیقی کے اصول پر بنا ہوا ہے، اور اسی طور پر اس میں تار بھی بندھے ہوئے ہیں۔ سانس کے ہوا میں ملنے سے زبان، تالو، ہونٹ اور خلائے دہن کی مدد سے آواز میں مختلف قسم کی تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اردو، فارسی، عربی حروف پر اگر نظر ڈالی جائے تو گو وہ دیکھنے میں مختلف آوازوں کی علامتیں ہیں لیکن ان حروف کے ناموں سے کوئی سادہ آواز پیدا نہیں ہوتی بلکہ وہ خاصے الفاظ ہیں۔ مثلاً الف عین جیم وغیرہ حروف نہیں بلکہ پورے لفظ ہیں۔ ان سے سادہ آوازوں کا کچھ بھی خیال پیدا نہیں ہوتا بلکہ ایک ایک حرف کئی کئی آوازوں سے مرکب ہے۔ اس کی وجہ بلاشبہ یہ ہے کہ یہ اس زمانے کی یادگار ہیں جبکہ اس قسم کی تحریر ایجاد نہیں ہوئی تھی جو ہم آج کل

استعمال کرتے ہیں بلکہ لوگ اپنے خیالات تصویریں بنا بنا کر ظاہر کرتے تھے۔ اوّل اوّل تو جس شے کا بیان کرنا مقصود ہوتا تھا اس کی پوری تصویر بنا دیتے تھے مثلاً گائے یا عورت کا بتانا مقصود ہے تو وہ گائے یا عورت کی تصویر کھینچ دیتے تھے۔

دوسرے دور میں یہ اصلاح ہوئی کہ شے سے اس کا فعل ظاہر کرنے لگے۔ آنکھ سے نظر یا دو ٹانگوں سے رفتار مراد لینے لگے۔

تیسرے دور میں یہ ہوا کہ شے سے اس کی ممتاز خصائص یا ظاہری علامت سے اصل شے مراد لی جانے لگی مثلاً لومڑی کی تصویر سے مکاری یا تخت سے سلطنت مقصود ہوتی تھی۔

چوتھے دور میں ایک شے کے اظہار میں یہ ترکیب کرنے لگے کہ اس شے کے بولنے میں جو آوازیں پیدا ہوتی تھیں ان میں سے ہر ایک سے جو مفہوم پیدا ہوتا، اس کی ایک ایک تصویر بنا دیتے تھے۔ مثال کے لیے فرض کیجیے کہ تحریر میں کرنال ظاہر کرنا مقصود ہے تو پہلے ہاتھ کی تصویر بنائیں گے کیوں کہ۔ کر۔ کے معنی ہاتھ کے ہیں، اس کے بعد۔ نال۔ کی۔

بعد ازاں یہ ہوا کہ یہی تصویر مختلف اصوات کی قائم مقام ہوگئیں اور انھیں تصویروں کی یادگار یہ حرف ہیں جواب بھی کسی قدر ان سے مشابہ ہیں۔ مثلاً الف کے معنی بیل کے سر کے ہیں۔ چوں کہ "ا" کی آواز اس لفظ کے آغاز میں تھی تو اس آواز کے ظاہر کرنے کے لیے گائے کا سر بنا دیتے تھے (عربی الف کی تحریر میں اب بھی اصل سے خفیف سی مشابہت باقی ہے) بعد ازاں خود یہ لفظ بجائے الف کی پہلی آواز کے تحریر میں ایک حرف قرار پایا۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی، عربی، عبرانی زبانوں کے حروف درحقیقت الفاظ ہیں، یا ہر حرف کئی آوازوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں دو اصلاحیں عمل میں آئیں۔ تصویر رفتہ رفتہ مختصر سی صورت میں رہ گئی۔ نام اس کا اگرچہ قریب قریب وہی رہا مگر وہ مختصر صورت اب نام کی بجائے نہیں بلکہ اس نام میں جو آواز پہلے نکلتی ہے، اس کی بجائے ہے۔ مثلاً الف کو لیجیے اس کی صورت (گائے کا سر) مختصر ہو کر (ا) رہ گئی ہے اور الف کے بولنے میں جو سب سے پہلے سادہ آواز نکلتی ہے، اس جگہ استعمال ہوتی ہے۔

اسی طرح 'ب' درحقیقت بیت ہے جس کی ابتدائی شکل ایک مستطیل مکان کی سی تھی اور اس کے نیچے نقطہ ایک شخص تھا جو مکان کے دروازے کے سامنے بیٹھا تھا۔ اب رفتہ رفتہ اس کی شکل ایک پڑی لکیر ہو گئی اور وہ آدمی نقطہ رہ گیا۔

'ج' جمل یعنی اونٹ ہے۔ اگر کوئی شخص اونٹ پر سوار ہو اور اس کی نکیل زور سے کھینچے تو اس کے سر اور گردن کی شکل بعینہٖ 'ج' کی سی ہو جائے گی۔

پ (ف) عبرانی میں منہ کے معنی میں ہے۔

د (عبرانی دالت) دروازہ۔

ہ دریچہ۔

ع (عین) کے معنی آنکھ کے ہیں چناں چہ (ع) کا سرا بالکل آنکھ کے مشابہ ہے۔

ن (نون) مچھلی۔ مشابہت ظاہر ہے۔

ک (کف ہتیلی) اگر ہتیلی پھیلائی جائے تو انگلیاں انگوٹھے کے ساتھ مل کر بالکل (ک) کی صورت بن جاتی ہیں۔

م (میم پانی کی لہر) صورت سے ظاہر ہے۔

س عبرانی میں دانت کو کہتے ہیں (س) کا دندانہ بالکل دانت کے مشابہ ہے۔

و (واؤ) کے معنی آنکڑے کے ہیں جس کی صورت و سے ملتی ہے۔

غرض اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ہمارے حروف دراصل الفاظ ہیں جو دو یا دو سے زائد آوازوں سے مرکب ہیں اور ہر ایک بہ لحاظ اپنی اوّل سادہ آواز کے ایک علامت مقرر کر لیا گیا ہے۔ مثلاً الف میں تین آوازیں ال ف کی ہیں مگر اب اس کے بولنے میں جو آواز پہلے نکلتی ہے اس کی بجائے مقرر کر لیا گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے حروف کے متعلق قیاس کر لیا جائے۔ ابتدا میں اس سادہ آواز کے لیے اس شے کی تصویر کھینچ دی جاتی تھی۔ مگر اب ایک چھوٹی سی علامت جو کسی قدر اصل کے مشابہ ہے، بجائے اس آواز کے مستعمل ہے اور نام ان کے قریب قریب وہی ہیں جو اصل اشیا کے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے حروف تہجی بولنے میں

درحقیقت الفاظ ہیں۔

اردو حروف (تہجی) کل ملا کر پچاس ہیں اور ان میں ہر قسم کی آواز کے ادا کرنے کی گنجائش ہے اور اس خیال سے اردو ابجد کو دنیا کی بہت سی زبانوں پر ایک طرح کا تفوق حاصل ہے۔ مگر دنیا کی کوئی ابجد کامل نہیں ہے۔ ایک نہ ایک نقص ضرور رہ جاتا ہے۔ یا تو کُل سادہ آوازوں کے ادا کرنے کے لیے کافی حروف نہیں ہوتے یا ایک ہی آواز کے لیے کئی کئی حروف ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اردو زبان بھی اس سے خالی نہیں۔ چناں چہ یہ آخری نقص اردو زبان میں بھی پایا جاتا ہے لیکن بات یہ ہے کہ اردو کو علاوہ فارسی ہندی کے عربی سے بھی تعلق ہے، اس لیے کثرت سے اس کے الفاظ زبان میں موجود ہیں اور اس وجہ سے لامحالہ اس کے تمام حروف بھی اردو ابجد میں آ گئے، ورنہ عربی الفاظ کی صحت تحریر میں قائم نہ رہتی۔ چناں چہ ز، ذ، ض، ظ، چار الگ حرف ہیں جن کی آواز قریب قریب یکساں معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح س، ث، اور ت، ط، اور ح، ہ، گو عرب کا باشندہ یا وہ شخص جو تلفظ کی صحت کا خاص طور پر خاص رکھتا ہے ان حروف کے تلفظ میں فرق کر سکے، مگر ہر ایک کے لیے اس کا امتیاز دشوار ہے، اور بول چال میں عام طور پر ان حروف کے تلفظ میں کچھ زیادہ فرق نہیں پایا جاتا۔

اعراب (یا حرکات وسکنات)

سادہ آوازوں کو ہم بلا تکلف ہونٹ اور زبان کی امداد سے ملا کر مرکب کر لیتے ہیں اور اس طرح فرّاٹے سے باتیں کرتے چلے جاتے ہیں جیسے کسی نے کل کوک دی۔ زبان اور لب کی ذرا سی جنبش سے آواز کی مختلف صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ آواز کا پھیلنا، تند ہونا، بڑھنا، گھٹنا، گھومنا، گول ہو جانا، سب اسی پر منحصر ہے۔ ان تمام آوازوں کو صفائی کے ساتھ تحریر میں لانا نہایت مشکل ہے۔ اگرچہ بہت کوشش کی گئی لیکن اب تک پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ بعض زبانوں مثلاً سنسکرت انگریزی وغیرہ میں سادہ آوازوں کے مرکب کرنے کے لیے جو جنبش لب وزبان کو ہوتی ہے اس کے لیے بعض حروف مناسب قرار دیے ہیں اور جہاں دو یا دو سے زیادہ حروف کا ملانا منظور ہوتا ہے وہاں ان میں سے بہ لحاظ آواز کے ایک نہ ایک حرف ضرور آتا ہے۔ اس لیے اس قسم کی ہر زبان میں حرف کی دو قسمیں کی گئی ہیں۔ ایک وہ حروف جو دوسرے حروف کو ملا کر آواز قائم کرنے کے لیے آتے ہیں جنھیں عربی میں 'حروفِ علّت' کہتے ہیں، اور دوسرے، جو بغیر ان حروف کے آپس میں مل کر آواز پیدا نہیں کر سکتے، وہ حروفِ صحیح کہلاتے ہیں۔

اردو میں مثل عربی کے حروفِ علّت دو قسم کے ہیں۔ ایک، محض علامات (یا اعراب)، دوسرے، اصل حروف ا، و، ی۔ اعرابی علامات بھی درحقیقت انھیں حروف کی مختصر صورتیں ہیں۔ تفصیل یہ ہے:

زبر (ـَ) (جسے عربی میں فتح کہتے ہیں، جس کے معنی کھلنے کے ہیں یعنی آواز کھل کر نکلتی ہے) زبر کے معنی اوپر کے ہیں چوں کہ یہ علامت حروف کے اوپر آتی ہے اس لیے زبر کہتے ہیں۔ اس آواز کو لمبا کرنے سے الف کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ الف کی خفیف آواز زبر ہے۔ جیسے مرا اور مار۔

زیر (ـِ) (جسے عربی میں کسرہ کہتے ہیں، جس کے معنی توڑنے کے ہیں کیوں کہ اس کے آنے سے آواز میں ایک قسم کی شکن پیدا ہوتی ہے) زیر کے معنی نیچے کے ہیں کیوں کہ یہ حرف کے نیچے لگایا جاتا ہے۔ اس کی آواز خفیف 'ی' کی سی ہوتی ہے لیکن 'ی' کے ساتھ آنے میں دو قسم کی آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک زیادہ باریک اور طویل اور دوسری کسی قدر واضح اور کھلی ہوئی۔ جیسے بیر (پھل کا نام) اور ببر (بہادر) یہاں 'ی' کی دو حالتیں ہیں، پہلی حالت میں یائے خفی (مجہول)[1] ہے اور دوسری حالت میں یائے جلی (معروف) ہے۔ یائے معروف گول (ی) لکھی جاتی ہے اور یائے مجہول لمبی پڑی ہوئی (ے)۔ یائے مجہول اور یائے معروف جب کسی لفظ کے بیچ میں آتی ہیں تو ان کی صورت ایک سی ہوتی ہے۔ اس لیے امتیاز کے لیے یائے معروف کے نیچے زیر دے دیتے ہیں اور یائے مجہول خالی رہتی ہے۔

پیش (ـُ)[2] (جسے عربی میں ضمہ کہتے ہیں، جس کے معنی ملانے کے ہیں) پیش کے معنی سامنے یا آگے کے ہیں۔ یہ حرف کے اوپر آتا ہے اور خفیف واو کی آواز دیتا ہے۔ 'ی' کی طرح واؤ کی بھی دو آوازیں ہیں۔ ایک پوری اور بھری ہوئی اور دوسری کھلی اور ہلکی۔ پہلی کو واؤ معروف اور دوسری کو مجہول کہتے ہیں۔ جیسے، دوُد اور ڈور۔ واؤ معروف پر اُلٹا پیش لکھتے ہیں

---

(۱) یائے مجہول اور واؤ مجہول کی آواز عربی میں نہیں آتی اس لیے عربوں نے اس کا نام مجہول (یعنی نا معلوم) یا عجمی رکھا ہے لیکن اردو میں یہ آوازیں مجہول یا نا معلوم نہیں ہیں۔ اس لیے یہ نام موزوں نہیں معلوم ہوتے مگر اس قدر کثرت سے مستعمل اور مشہور ہیں کہ دوسرے نام اگر رکھے بھی جائیں تو ان کا رواج پانا مشکل ہے۔

(۲) مولوی نظام الدین حسن صاحب بی۔ اے۔ ال۔ ال۔ بی مرحوم اس علامت (و) کو لفظ ضمہ کا مخفف بتاتے ہیں اس طور پر کہ م ہ دونوں حذف کر دیے گئے ہیں۔ میرے خیال میں یہ (و) ہے چوں کہ پیش واؤ کی مختصر آواز کے لیے آتا ہے اس لیے یہ صورت قرار دی گئی۔

اور واؤ مجہول خالی رہتی ہے۔

ا، و، ی، حروف صحیح بھی ہوتے ہیں۔ الف جب لفظ کے شروع میں آتا ہے تو ہمیشہ حرف صحیح ہوتا ہے۔ واؤ جب لفظ کے شروع میں یا درمیان میں آئے اور متحرک ہو جیسے وعدہ، ہَوا، تو حرف صحیح ہوگی۔ 'ی' کی بھی یہی حالت ہے جیسے یقین کے شروع میں یا میسّر کے درمیان۔ یعنی جب اعراب کا یا آواز کے خفیف سے بڑھانے گھٹانے کا کام دیتے ہیں تو حروف علت ہوتے ہیں ورنہ معمولی حروف کی طرح حروف کی صحیح۔

یوں زبر 'الف' کے ساتھ، زیر 'ی' کے ساتھ اور واؤ پیش کے ساتھ آتی ہے اور بہ لحاظ آواز کے ان کا جوڑ بھی ہے۔ لیکن بعض اوقات ایسا نہیں ہوتا بلکہ حرکتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ مثلاً زبر اور واؤ ایک جگہ آجاتے ہیں۔ جیسے قوم میں۔ ایسی حالت میں یہ مختلف حرکتیں ایک ہی آواز دیتی ہیں۔ ایسے واؤ پر یہ علامت (^) لکھی جائے۔ یہی حالت 'ی' کی بھی ہی، جیسے خیر میں۔ ایسی واؤ یا یائے کو ماقبل فتح کہتے ہیں۔ یعنی وہ 'ی' یا واؤ جس کے پہلے زبر ہے۔ یا ماقبل فتح جب آخر میں آئے تو آدھی لکھی جائے جیسے شَی، قی۔

جب کوئی حرف مکرر آواز دیتا ہے تو بجائے دو بار لکھنے کے صرف ایک ہی بار لکھتے ہیں اور اس پر ایک علامت لگا دیتے ہیں۔ اس علامت کو تشدید (ّ) کہتے ہیں۔ مثلاً مدّت کو آواز کے لحاظ سے بجائے مددت لکھنے کے 'د' پر تشدید لکھ دیتے ہیں اور اس سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ جس حرف پر تشدید ہوتی ہے، اس پر علاوہ تشدید کے زبر، زیر، پیش، میں سے کوئی علامت ضرور ہوتی ہے تا کہ پڑھنے میں زبان سے، وہی آواز نکالی جائے لیکن جب تشدید 'ی' یا واؤ پر ہوتی ہے تو لفظ کے پہلے جز کی حرکت کو گھمانا پڑتا ہے ورنہ تلفظ صحیح ادا نہیں ہوتا مثلاً نیّر۔ اگر معمولی طور سے دونوں جز (ی) کے ساتھ الگ الگ بولے جائیں (نے یر) تو تلفظ صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح نوّاب وغیرہ الفاظ ہیں۔

جزم یا سکون (^)۔ سکون کے معنی خاموشی کے ہیں۔ جس حرف پر یہ علامت ہوتی ہے بولنے میں اسے کوئی حرکت نہیں دیتے۔ جب کسی حرف پر کوئی حرکت زبر، زیر، پیش نہ ہو تو

ایسے حرف کو ساکن کہتے ہیں۔ اردو میں ہر لفظ کا آخری حرف ساکن ہوتا ہے۔

مد(آ) الف جب کھینچ کر بولتے ہیں یا پڑھتے ہیں تو اس وقت اس پر یہ علامت لگا دیتے ہیں، جیسے آم۔ ایسے الف کو الف ممدودہ کہتے ہیں۔ مد کے معنی لمبا کرنے یا کھینچنے کے ہیں۔

ہمزہ(ء) اسے غلطی سے حروف میں شامل کرلیا گیا ہے۔ یہ درحقیقت 'ی' اور واؤ کے ساتھ وہی کام دیتا ہے جو مد الف کے ساتھ۔ یعنی جہاں 'ی' کی آواز کھینچ کر نکالنی پڑے اور قریب دو (ی) کے ہو یا جہاں واؤ کی آواز معمول سے بڑھ کر نکالی جائے، وہاں بطور علامت کے اسے لکھ دیتے ہیں۔ یہ ہمیشہ 'ی' یا 'وٴ' کے ساتھ آتا ہے جیسے کئی تئیں، کھاؤں۔ الف ممدودہ شروع میں آتا ہے (اور بعض عربی الفاظ میں درمیان میں بھی) لیکن ہمزہ ہندی الفاظ میں 'ی' یا واؤ کے شروع میں آتا ہے۔ بعض جگہ یہی 'ی' کا قائم مقام ہوتا ہے، جیسے پائیاں۔ کبھی عربی الفاظ میں خفیف الف کی آواز دیتا ہے جیسی ہیئت، جائز۔ ایک 'ی' پر جو آخر میں آتی ہی 'ء' لکھنا درست نہیں۔ جیسے رای، رائے، میں۔ ان میں 'ی' کی آواز کافی ہے۔ لیکن آئے، جائے، آیئے، جایئے، میں ہمزہ کا لکھنا لازم ہے، کیوں کہ اس قسم کے الفاظ میں بغیر 'ء' کے تحریر میں صحیح تلفظ ادا نہیں ہوتا۔

تنوین (ً ٍ ٌ) اس کے معنی نون کی آواز پیدا کرنے کے ہیں۔ یہ صرف عربی آواز کے آخر میں آتی ہے۔ جب یہ علامت کسی حرف پر ہوتی ہے تو اس کے آخر میں نون کی آواز نکلتی ہے جیسے فوراً، اتفاقاً، نسلاً بعد نسلٍ، مشارٌ الیہ۔ جب نون کے ساتھ زبر کی آواز نکالنی مقصود ہوتی ہے تو دو زبر لکھتے ہیں اور زیر کی آواز کے لیے دو زیر اور پیش کے لیے دو پیش۔ اردو میں زیادہ تر زبر ہی کی تنوین آتی ہے۔

زبر کی تنوین میں لفظ کے آخر میں الف بڑھا کر تنوین لگاتے ہیں جیسے، اتفاقاً، دفعتاً۔

اگر لفظ کے آخر میں پہلے سے الف ہو تو اس کے بعد 'ء' بڑھا کر تنوین لگاتے ہیں۔ جیسے، ابتداءً۔

نوٹ:۔ اِن علامات کو اعراب اس لیے کہتے ہیں کہ اہل عرب کی ایجاد سمجھے جاتے ہیں۔ اعراب سے یہ مطلب ہے کہ کسی پر اِن میں سے کسی علامت کا لگانا۔ اِنھیں حرکات بھی کہتے ہیں۔ کیوں کہ اِن علامات سے آواز میں حرکت پیدا ہوتی ہے لیکن چوں کہ جزم سے سکون پیدا ہوتا ہے، اس لیے پورا نام حرکات وسکنات ہے۔ اعراب کا لفظ مختصر ہونے کی وجہ سے زیادہ مناسب ہے۔ جس حرف پر کوئی حرکت ہوتی ہے اسے متحرک کہتے ہیں۔

۱) فارسی میں چند لفظ ایسے ہیں کہ ان میں واوٗ ساکت ہوتی ہے یعنی تلفظ میں ظاہر نہیں کی جاتی، اسے واوٗ معدولہ کہتے ہیں۔ مگر یہ واوٗ ہمیشہ 'خ' کے بعد آتی ہے۔ ایسے لفظ بہت کم ہیں اور وہ یہ ہیں خود، خویش، خوے، خوش، خود، خوردن (اور اس سے جو لفظ بنے ہیں)، خواندن (اور اس سے جو لفظ بنے ہیں)۔ لیکن خواب، خواہش، خواستن (اور اس سے جو لفظ نکلے ہیں)، خواہر، خواجہ، خوارزم (نام ملک) میں واوٗ کی نصف آواز ظاہر ہوتی ہے۔ اس قسم کی واوٗ کے بعد الف ہوتا ہے۔ انگریزی میں بعض لفظ ایسے ہیں جن میں نہ پورا واوٗ کا تلفظ ادا ہوتا ہے نہ پیش کا، ان کی حالت بہت کچھ ان الفاظ کے مشابہ ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کے صحیح تلفظ کے لیے اسی قسم کی واوٗ کا استعمال مناسب ہوگا۔ اس قسم کے واوٗ کے نیچے ایک چھوٹا سا خط کھینچ دیا جاتا ہے تاکہ امتیاز ہو سکے۔

۲) اردو، میں بعض الفاظ ایسے ہیں، جہاں واوٗ بجائے پیش کے استعمال کی جاتی تھی، لیکن اب وہ متروک ہوتی جاتی ہے۔ مثلاً اوس (بجائے اُس)، پہونچنا (بجائے پہُنچنا) پورانا (بجائے پُرانا) چورانا (بجائے چُرانا) لکھتے تھے اور اب بھی بعض لوگ لکھ جاتے ہیں۔

۳) (ن) کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک تو جب اس کی آواز پوری ادا ہو جیسے پان، گیان، دھیان میں۔ دوسرے جب پورے طور پر ادا نہ ہو بلکہ کسی قدر ناک میں گنگنی سی آواز نکلے، ایسی حالت میں اُسے نون غنہ کہتے ہیں۔ جیسے سماں، کنوٗاں، سانپ، لونٛگ، ہنٛسنا

وغیرہ میں۔ نون غنہ جب آخر میں آتا ہے اس میں نقطہ نہیں دیتے۔ لیکن جب بیچ میں آتا ہے تو اس پر الٹا جزم لگانا چاہیے (ˇ)۔

۴) نون غنہ کا استعمال زبان میں عام طور پر ہے اور یہ اکثر حروف کے ساتھ آتا ہے۔ جب بیچ میں آتا ہے تو اپنے پہلے حرف سے مل کر ایسی آواز پیدا کرتا ہے کہ بھ، پھ، وغیرہ کی طرح ایک آواز معلوم ہوتی ہے جیسے ہنْسنا، کنْو وغیرہ۔

۵) بعض الفاظ میں 'ی' بھی اپنے پہلے حرف کے ساتھ اس طرح مل کر پڑھی جاتی ہے کہ وہ دونوں ایک آواز معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے کیا، کیاری، پیارا، دھیان، چیونٹی، گیارہ۔ اس کا نام ہم نے یائے معدولہ رکھا ہے۔ امتیاز کے لیے ایسی 'ی' کے اوپر یہ (ˇ) نشان لگا دیتے ہیں۔

۶) الف ممدودہ تو وہ ہے جس کی آواز کھینچ کر نکالی جائے، جیسے آم میں۔ الف مقصورہ وہ ہے جس کی آواز سادی ہوتی ہے اور کھینچنا نہیں پڑتا۔ جیسے (اب) میں۔ بعض عربی الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں الف 'ی' کی صورت میں لکھا جاتا ہے۔ جیسے عقبیٰ اور دعویٰ میں۔[1]

۷) بعض فارسی حروف کے آخر میں 'ہ' لگی ہوتی ہے۔ یہ اصل لفظ کا جز نہیں ہوتی بلکہ زائد ہوتی ہے۔ اس کا تلفظ زبر کا سا ہوتا ہے۔ گویا یہ اعراب کا کام دیتی ہے جیسے ہفتہ، روزہ۔ ایسی 'ہ' کو ہائے مختفی کہتے ہیں۔

۸) عربی زبان کے ایسے لفظ جن میں دوسرا حرف 'ح' ساکن ہو اور اس کے پہلے حرف پر زبر ہو، تو اردو، بول چال میں زبر نہیں بولا جاتا بلکہ اس کی آواز زبر اور زیر کے مابین ہوتی ہے جیسے احمد، محبوب، لحد، بحر وغیرہ میں۔

۹) عربی میں امتیاز و خصوصیت کے لیے اسما پر (ال) لگا دیتے ہیں۔ بعض حروف ایسے ہیں کہ اگر ان کے پہلے ال آتا ہے تو تلفظ میں ظاہر نہیں کیا جاتا اور لفظ کا اوّل صرف

(۱) اردو میں ایسے لفظ آسے ہی لکھنے چاہییں۔ جیسے دعوا، اعلا، ادنا۔

مشدد پڑھا جاتا ہے۔ جن حروف کے شروع میں ال نہیں پڑھا جاتا۔ انھیں حروفِ شمسی کہتے ہیں۔ یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ جب شمس کے پہلے ال لگایا جاتا ہے تو لام کی آواز ظاہر نہیں کی جاتی (الشّمس)۔ اور جن حروف میں 'ل' کی آواز تلفظ میں ظاہر کی جاتی ہے انھیں حروفِ قمری کہتے ہیں، کیوں کہ قمر پر جب ال لگائیں گے تو 'ل' کی آواز ظاہر کی جائے گی (القمر)۔ اس کا استعمال صرف عربی الفاظ کے ساتھ عربی قواعد کی رو سے ہوتا ہے۔ چوں کہ اردو میں ایسے الفاظ اکثر آتے ہیں، لہٰذا اس کی تصریح یہاں کردی جاتی ہے۔

حروفِ قمری

ا۔ (جیسے الامان، نباش الاول)، ب۔ (فصیح البیان)، ج۔ (عبدالجلیل)،
ح۔ (عبدالحیّ)، خ۔ (مراۃ الخیال)، ع۔ (نورالعین)، غ۔ (اسداللّٰہ الغالب)،
ف۔ (سریع الفہم)، ق۔ (صادق القول)، ک۔ (بالکل)، ل۔ (اللوا)،
م۔ (بیت المال)، و۔ (کتاب الواعظ)، ہ۔ (بوالہوس)، ی۔ (الیوم)۔

حروفِ شمسی

د۔ (مظفرالدّین)، یوم الدّین)، ذ۔ (صاحب الذّکر)، ر۔ (ہارون الرّشید)،
ز۔ (خلیفۃ الزّماں)، س۔ (ظل السّلطان)، ش۔ (الشّمس)، ص۔ (الصّبر)،
ض۔ (الضّالین)، ط۔ (جبل الطّارق)، ظ۔ (الظّاہر)، ن۔ (ذوالنّورین۔ النّوم)۔

۱۰) حروف سے جب الفاظ بنائے جاتے ہیں تو حروف کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک شروع میں، دوسری بیچ میں، تیسری آخر میں۔ بعض حروف کی تین سے بھی زیادہ صورتیں ہوتی ہیں۔ مثلاً میم لفظ کے شروع میں، جیسے مور۔ بیچ میں دو حالتیں، جیسے، محمد، قمر۔ آخر میں جیسے، میم میں۔ بعض حروف شروع میں مل کر نہیں آتے یہ حروف

ا۔ د۔ ذ۔ ر۔ ز۔ و۔ ہیں۔ جب کسی لفظ میں ان حروف کے بعد کوئی دوسرا حرف لکھا ہو تو الگ لکھنا پڑے گا۔ جیسے سورج، ایال، نذر، وغیرہ۔ جب ان حروف میں سے چند حروف مل کر لفظ بنتے ہیں تو سب الگ الگ لکھے جائیں گے، جیسے درد، دورہ وغیرہ۔

۱۱) اردو تحریر میں (مثل عربی فارسی کے) یہ عجیب بات ہے کہ الفاظ میں حروف پورے نہیں لکھے جاتے بلکہ ہر حرف کے لیے صرف چھوٹا سا نشان بنا دیتے ہیں۔ اس طور پر الفاظ نہایت مختصر ہو جاتے ہیں۔ بخلاف دوسری زبانوں کے جن کے لکھنے میں بہت طول ہو جاتا ہے اور وقت بھی زیادہ صرف ہوتا ہے۔ یہ طرزِ تحریر نہایت شائستہ اور مہذب ہے۔ مختصر نویسی جس کا رواج یورپ میں اب تھوڑے زمانے سے ہوا ہے وہ ہمارے یہاں صدہا سال سے موجود ہے۔ ایک مشّاق لکھنے والا مقرر کی تقریر کو بخوبی قلمبند کر سکتا ہے۔ یہ خوبی درحقیقت بہت لائقِ قدر اور دوسری زبانوں کے لیے قابلِ رشک ہے۔

فصل دوم

صَرف

صَرف میں الفاظ سے بحث ہوتی ہے۔ الفاظ گفتگو میں آتے ہیں اور اس کی نقل لکھنے میں کی جاتی ہے۔ لفظ جملے کا کم از کم جز ہوتا ہے۔ ہر لفظ کے کچھ نہ کچھ معنی ہوتے ہیں جس کے اصل اور صحیح معنی بول چال یا جملے میں آنے سے معلوم ہوتے ہیں۔ بعض لفظ بے معنی یا مہمل بھی ہوتے ہیں لیکن ان کا تعلق قواعد سے نہیں ہے۔ قواعد میں صرف بامعنی الفاظ سے بحث کی جاتی ہے۔ لفظ کی حیثیتیں اور صورتیں مختلف ہوتی ہیں۔ کہیں اس کی حالت اور صورت کچھ ہوتی ہے اور کہیں کچھ۔ ہم بول چال یا لکھنے میں لفظ استعمال کرتے ہیں تو وہ ہمیں کچھ نہ کچھ ضرور بتاتے ہیں اور اس لحاظ سے کہ وہ ہمیں کیا کیا بتاتے ہیں اور ان کی کیا صورت اور حالت ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

اوّل، مستقل جو اپنی ذات سے پورے معنی رکھتے ہوں۔

دوم، غیر مستقل جو اپنی ذات سے پورے معنی نہ رکھتے ہوں جب تک وہ کسی دوسرے لفظ کے ساتھ مل کر نہ آئیں۔ مستقل الفاظ کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) اسم وہ لفظ ہے جو کسی جان دار یا شے یا کیفیت کا نام ہو۔

(۲) صفت وہ لفظ ہے جس سے کسی اسم کی کیفیت یا حالت معلوم ہو۔

(۳) ضمیر وہ لفظ ہے جو بجائے اسم کے استعمال ہوتا ہے۔

(۴) فعل جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا پایا جائے۔

(۵) تمیز جو فعل یا صفت یا دوسری تمیز کے معنی میں کمی یا بیشی پیدا کرے یا اس کی کیفیت یا حالت بتائے۔

غیر مستقل الفاظ کو حروف کہتے ہیں، جن کی چار قسمیں ہیں:

(۱) ربط

(۲) عطف

(۳) تخصیص

(۴) فجائیہ

۱۔ اسم

اسم وہ لفظ ہے جو کسی کا نام ہو۔

اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) خاص

(۲) عام

خاص۔ کسی خاص شخص یا مقام کا نام ہے مثلاً علاؤ الدّین، کلکتہ، گنگا۔

عام وہ اسم ہے جو ایک قسم کے تمام افراد کے لیے فرداً فرداً استعمال ہو سکے۔

جیسے، آدمی، گھوڑا، درخت، کتاب۔

اسمِ خاص:

اشخاص کے اسم خاص بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں مثلاً:

(۱) خطاب:- نام جو بادشاہ یا سرکار دربار سے اعزازی طور پر ملتا ہے۔

جیسے، اقبال الدولہ، عماد الملک۔

(۲) لقب:- ایک وصفی نام جو کسی خصوصیت یا وصف کی وجہ سے پڑ گیا ہے۔

جیسے، مرزا نوشہ لقب ہے اسد اللّٰہ خاں غالبؔ کا، یا کلیم اللّٰہ لقب ہے حضرت موسیٰ کا۔

(۳) عرف:- وہ نام جو محبت یا حقارت کی وجہ سے پڑ جائے یا اصل نام کا اختصار لوگوں کی زباں زد ہو جائے۔ جیسے، چھٹّو، کلّن، فخرو، اچھّے میاں۔

(۴) تخلص:۔ایک مختصر نام جو شاعر نظم میں بجائے اصلی نام کے داخل کر دیتے ہیں۔

مثلاً، غالبؔ تخلص ہے مرزا اسد اللہ خاں کا۔ حالیؔ تخلص ہے مولانا الطاف حسین کا۔

اس کے علاوہ ممالک، دریاؤں اور پہاڑوں کے اور دیگر جغرافی اسما اور علوم وفنون امراض وغیرہ کے نام سب اسمِ خاص ہوں گے۔

بعض اوقات اسمِ خاص، اسم کی صفت کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے، رستم، حاتم وغیرہ۔ مثلاً یوں کہیں کہ وہ شخص اپنے وقت کا حاتم ہے، یا وہ رستم ہند ہے، یا فلاں شخص قیس یا فرہاد ہے، یا وہ سعدی یا کالی داس ہے، ایسے موقعوں پر رستم سے بڑا پہلون، حاتم سے بڑا سخی، قیس وفرہاد سے بڑے عاشق، سعدیؔ اور کالیؔ داس سے بڑے شاعر مراد ہیں۔

اردو، میں اسمِ عام کی تین قسمیں ہیں:

۱۔عام نام۔۲۔اسم کیفیت۔۳۔اسم جمع۔

اسمِ کیفیت:

وہ ہے جس سے کسی شے یا شخص کی کوئی خاص حالت یا کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ جیسے سختی، روشنی، صحت، جلن۔

اسمائے کیفیت دو چیزیں ظاہر کرتے ہیں:

اوّل، حالت جیسے صحت، نیند، رفتار، سچ، جھوٹ۔

دوم، وصفی کیفیت مثلاً درد، خوشی، مطالعہ۔

اسمائے کیفیت کیوں کر بنتے ہیں:

(۱) بعض فعل سے بنتے ہیں مثلاً چال چلن، گھبراہٹ، لین دین۔

(۲) بعض صفت سے بنتے ہیں مثلاً نرمی، خوشی، کھٹائی، دیوانہ پن۔

(۳) بعض اسم سے، جیسے دوست سے دوستی، لڑکے سے لڑکپن۔

(۴) اکثر عربی ہندی فارسی کے الفاظ اسمائے کیفیت کا کام دیتے ہیں۔ جیسے صحت، حسن،

حرکت، بل، کوشش، جوش۔

(۵) ایک لفظ کی تکرار یا دو لفظوں کے ملنے سے جیسے بک بک، چھان بین، جان پہچان، خوشبو۔

اسمِ جمع:

بعض اسم ایسے ہوتے ہیں کہ صورت میں تو واحد معلوم ہوتے ہیں، لیکن حقیقت میں کئی اسموں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ جیسے فوج، انجمن، قطار، جھنڈ۔ اس قسم کے اسم کو اسمِ جمع کہتے ہیں۔

لوازمِ اسم

ہر اسم میں خواہ وہ کسی قسم کا ہو، چند خصوصیتوں کا پایا جانا لازم ہے۔ مثلاً وہ واحد ہوگا یا جمع، مذکر ہوگا یا مؤنث، وہ خود کسی کام کا کرنے والا ہوگا یا دوسرے کے کام کا اثر اس پر ہوگا۔ چوں کہ یہ باتیں ہر اسم میں لازمی طور سے پائی جاتی ہیں، اس لیے ہم نے ان کا نام لوازمِ اسم رکھا ہے۔ یہ تین ہیں:

۱۔ جنس　　　۲۔ تعداد　　　۳۔ حالت

(۱) جنس

جنس سے مراد اسما کی تذکیر و تانیث سے ہے۔

اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حقیقی، دوسری غیر حقیقی (یا مصنوعی)۔

حقیقی دنیا میں جنس کی صرف دو ہی قسمیں ہیں۔ یعنی نر (مذکر)، مادہ (مؤنث)۔

یہ تقسیم جان داروں کے لحاظ سے کی گئی ہے اور ان میں تذکیر اور تانیث کی تمیز کچھ مشکل نہیں۔ بے جان چیزوں میں تذکیر اور تانیث کوئی چیز نہیں۔ ان میں نر اور مادہ میں سے کسی کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ یہ تو حقیقی دنیا کا حال ہے۔ لیکن زبان کی دنیا اس سے الگ ہے۔ کسی میں جنس کی تین قسمیں ہیں، کسی میں دو۔ اور بعض ایسی خوش قسمت ہیں کہ ان میں سرے سے یہ جھگڑا ہی نہیں۔

سنسکرت اور بعض دوسری آریائی زبانوں میں جنس کی قسمیں تین ہیں۔ یعنی مذکر مؤنث اور تیسری قسم بے جان اشیاء کی۔ سامی زبانوں میں صرف دو ہیں۔ مذکر اور مؤنث۔ جان داروں میں قدرتی طور پر نر اور مادہ کا امتیاز ہے۔ اس لیے اس تقسیم کو حقیقی کہا گیا ہے لیکن جن زبانوں میں تیسری قسم نہیں ہے وہاں تمام بے جان اشیا حتیٰ کہ خیالات کے ساتھ بھی تذکیر و تانیث کا طرہ لگا ہوا ہے، چوں کہ قدرت کے خلاف ہے اس لیے اس کا نام غیر حقیقی یا مصنوعی رکھا گیا ہے۔ اردو زبان تذکیر و تانیث کے لحاظ سے دوسری قسم میں ہے۔

سنسکرت میں جنس کی تینوں صورتیں ہیں۔ یعنی مذکر اور مؤنث اور تیسری وہ صورت جو نہ مذکر ہے نہ مؤنث۔ اسی طرح پراکرت [1] میں بھی تینوں صورتیں پائی جاتی ہیں لیکن جدید زبانوں میں جو زیادہ تر پراکرت سے پیدا ہوئی ہیں، صرف گجراتی اور مرہٹی ایسی زبانیں ہیں جن میں جنس کی تین صورتیں ہیں۔ سندھی، پنجابی، ہندی اور اردو میں صرف دو ہیں، یعنی مذکر اور مؤنث۔ بنگالی اور اُڑیہ کی عام بول چال میں جنس کا لحاظ نہیں ہے، سوائے ان الفاظ کے جو ٹھیٹ سنسکرت کے داخل کر لیے گئے ہیں، اور جن کی جنس وہی باقی ہے جو سنسکرت میں تھی۔ لیکن ان تین زبانوں یعنی سندھی، پنجابی، ہندی یا اردو میں سندھی ایسی زبان ہے جس کے تمام اسما کا آخر حرف، حرفِ علّت ہوتا ہے اور اس لیے جنس کی تمیز آسان ہے لیکن باقی تین زبانوں میں یہ امتیاز آسانی سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

لیکن ان سب زبانوں میں بڑی، بھاری بھرکم، قوی اور عظیم الشان اشیا مذکر ہیں اور چھوٹی، کم زور اور ہلکی پھلکی چیزیں مؤنث۔ یہاں تک کہ جب اصل لفظ مذکر ہے اور اس کی چھوٹی، کمزور یا ہلکی صورت بیان کرنی مقصود ہوتی ہے تو اسے مؤنث بنا لیا جاتا ہے اور اسی طرح جب اصل لفظ مؤنث ہے اور اسے بڑی، بھاری بھرکم صورت میں لانا مقصود ہوتا ہے تو اسے مذکر بنا لیتے ہیں۔ مثلاً سنسکرت میں اصل لفظ ''رشم'' تھا اس سے ہندی رسّا بنا۔ یہ دونوں مذکر ہیں۔ اس کی چھوٹی اور کمزور صورت رسّی ہے۔ سنسکرت 'گوڈ' تھا، ہندی میں گول یا گولا بنا۔

(۱) سنسکرت ہندوستان کی قدیم علمی زبان تھی اور پراکرت عوام کی بول چال۔

یہ دونوں مذکر ہیں۔ اس کی چھوٹی اور کمزور صورت گولی بنائی گئی ہے جو مؤنث ہے۔ اسی طرح پگ سے پگڑی بنی جو مؤنث ہے۔ اس سے پگڑ بنا جو مذکر ہے اور بڑی پگڑی کے معنوں میں آتا ہے۔

یہ آخری 'ی' (معروف) عام طور پر تانیث کی علامت ہے اور آخری الف علامت تذکیر۔ یہاں تک کہ بنگالی اور اڑیا میں جہاں تذکیر و تانیث کا چنداں لحاظ نہیں ہے۔ تصغیر و تکبیر کا امتیاز اِنھیں علامتوں سے کیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ ایک عام قاعدہ ہے لیکن زبان میں ایسے الفاظ بہت کم ہیں جن کے آخر میں 'ی' معروف یا الف ہو۔ ایسی صورت میں صرف اہلِ زبان کی تقلید کرنی پڑتی ہے۔ اردو زبان میں تذکیر و تانیث کا معاملہ بہت ٹیڑھا ہے اور ایسے قواعد کا وضع کرنا جو سب صورتوں پر حاوی ہوں بہت مشکل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بے جان اشیا کی جو تذکیر و تانیث قرار دی گئی ہے اس میں ضرور کسی خیال یا اصول کی پابندی کی گئی ہے، لیکن ہر لفظ کی اصل کا پتا لگانا اور جن اسباب نے اس کی تذکیر و تانیث قرار دینے میں اثر ڈالا ہے اس پر غور کرنا آسان کام نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ہم صرف اسی قدر کر سکتے ہیں کہ تذکیر و تانیث کے امتیاز کے مختلف قواعد کسی قدر تفصیل سے لکھ دیں تاکہ ان کی شناخت میں کچھ سہولت ہو۔ زیادہ تر دقّت اس وجہ سے پیدا ہو گئی ہے کہ ہندی کے الفاظ سنسکرت اور پراکرت سے آئے ہیں لیکن ان میں بہت کچھ تغیر و تبدّل ہو گیا ہے۔ خصوصاً لفظ کا آخری حرف یا تو گر گیا ہے یا بدل گیا ہے، حالاں کہ تذکیر و تانیث کا دارومدار اسی پر ہے۔

جانداروں کی تذکیر و تانیث

اردو اور دوسری ہندی زبانوں میں جان دار اور بے جان سب ہی میں تذکیر و تانیث کا لحاظ ہوتا ہے۔ البتہ جانداروں میں یہ آسانی ہے کہ ان میں تذکیر و تانیث کا امتیاز آسان ہے۔ بے جان اشیا میں چوں کہ کوئی علامت تذکیر و تانیث کی نہیں ہوتی، اس لیے دشواری ہوتی ہے۔ اگرچہ جان داروں کے لیے بظاہر کسی قاعدے کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں

معلوم ہوتی، کیوں کہ ان کی تذکیر و تانیث قدرتی اور حقیقی ہے، لیکن قواعد میں الفاظ سے بحث ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے جان داروں کی تذکیر و تانیث بھی قطعی قاعدوں کے تحت میں نہیں آتی۔ ان میں بھی مستثنیات ہیں۔ دوسرے مذکر الفاظ سے جو مؤنث بنائے گئے ہیں وہ بھی زیادہ تر سماعی ہیں جن میں غلطی کا احتمال ہوسکتا ہے۔ اس لیے ان کے متعلق بھی قاعدوں کا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے:

۱) جن ہندی الفاظ کے آخر میں الف ہوگا وہ مذکر ہوں گے، جیسے گھوڑا، لڑکا۔

اس میں فارسی عربی کے وہ لفظ بھی آجاتے ہیں جن کے آخر میں (ا) یا (ہ) ہوتی ہے۔ جیسے بندہ، خدا، خواجہ، سقّا۔

لیکن عربی کے بہت سے ایسے لفظ ہیں جن کے آخر میں (ہ) تانیث کی ہوتی ہے اردو میں مستعمل ہیں، جیسے والدہ، ملکہ، سلطانہ۔

نیز ہندی کے وہ لفظ جن کے آخر میں (یا) تانیث کی علامت ہوتی ہے اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں، جیسے بڑھیا، چڑیا، بندریا۔

۲) جن ہندی الفاظ کے آخر میں یائے معروف ہوتی ہے وہ مؤنث ہوتے ہیں۔ جیسے گھوڑی، لڑکی۔

لیکن ایسے پیشہ وروں کے نام جن کے آخر میں (ی) معروف ہوتی ہے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسے مالی، موچی، دھوبی، گھوسی، تیلی، پجاری، تنبولی۔

یا وہ الفاظ جن کے آخر میں یائے نسبتی ہوتی ہے۔ جیسے پنجابی، بنگالی، پہاڑی۔

اسی طرح بعض عربی کے الفاظ جیسے قاضی، منشی وغیرہ یہ سب اس قاعدے کے تحت میں نہیں آتے۔

۳) یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ مذکر کے آخری 'ا' یا 'ہ' کو یائے معروف سے بدل دینے سے مؤنث بن جاتا ہے۔ یا جہاں پیشہ وروں کے نام کے آخر میں 'ی' (معروف) ہوتی ہے اگر اسے (ن) سے بدل دیا جائے تو وہ مؤنث ہو جاتا ہے، لیکن جہاں آخر

میں الف یا 'ی' نہ ہو تو وہاں مشکل پڑتی ہے۔ اس لیے جس جس طرح سے زبان میں مذکر سے مؤنث بنے ہیں خواہ آخری حرف کے بدلنے سے یا کسی لفظ کے بڑھانے سے، ان میں سے اکثر کو آگے الگ الگ لکھ دیا گیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

۴) ان میں تذکیر و تانیث کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل مذکر اور مؤنث کے الگ الگ الفاظ ہیں، ایک کو دوسرے سے بظاہر کچھ تعلق نہیں، جیسے بیل مذکر، گائے مؤنث۔ دوم، آخر علامت کے بدلنے یا آخر میں کسی حرف یا حروف کے اضافے سے مؤنث بنایا جاتا ہے جس کی مثالیں نیچے لکھی جاتی ہیں:

۱۔ ہر دو مختلف:۔

مذکر	مؤنث	مذکر	مؤنث
باپ	ماں	غلام	باندی
میاں	بی بی	نواب	بیگم
بیل	گائے	خصم یا خاوند	جورو

۲۔ مختلف علامات کے ساتھ:

(ا) مذکر کے آخر کا الف یا 'ہ' مؤنث میں 'ی' (معروف) سے بدل دی جاتی ہے جیسے:

لڑکا	لڑکی	کانا	کانی
بیٹا	بیٹی	اندھا	اندھی
بچھڑا	بچھڑی	گھوڑا	گھوڑی
بکرا	بکری	شاہ زادہ	شاہ زادی
بندہ	بندی (باندی)[1]	چیونٹا	چیونٹی

(۱) باندی کا لفظ صرف غلام عورت کے معنوں میں آتا ہے اور (بندی) کا لفظ عورتیں بجائے ضمیر متکلم واحد کے بولتی ہیں جیسے مرد بندہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

مرغا	مرغی	بھانجا	بھانجی
بھتیجا	بھتیجی	چچا	چچی
پھوپھا	پھوپھی	لنگڑا	لنگڑی
لُولا	لُولی	بہرا	بہری

(ب) آخر میں یائے معروف کے بڑھانے سے:-

برہمن	برہمنی	ہرن	ہرنی
پٹھان	پٹھانی	کبوتر	کبوتری
تیتر	تیتری	لوہار	لوہاری
چمار	چماری	سنار	سناری
ماموں	ممانی		

(ج) مذکر کے آخر حرف کو (ن) سے بدل دینے سے یا آخری حرف کے آگے (ن) بڑھانے سے، جیسے:-

مراسی	مراسن	نائی	نائن
کنجڑا	کنجڑن	جوگی	جوگن
مالی	مالن	دھوبی	دھوبن
بھنگی	بھنگن	گوالا	گوالن
فرنگی	فرنگن	پارسی	پارسن
بھائی	بہن	گھوسی	گھوسن
حاجی	حجن	سپولیا	سپولن
دُلہا	دُلہن	چودھری	چودھرائن
گارد	گاردن (۱)	ناگ	ناگن

(۱) حیدرآباد دکن میں مستعمل تھا۔ یعنی وہ عورتیں جو محلوں میں مرد سپاہیوں کا کام دیتی تھیں، یعنی قلماقنیاں۔

(د) آخر حروف کو حذف کر کے یا بلا حذف (نی) یا (انی) کے اضافے سے:-

شیر	شیرنی	مُلّا	مُلّانی
بنیا	بنینی	استاد	اُستانی[1]
اونٹ	اونٹنی	ہاتھی	ہتھنی[2]
رائے (راجہ)	رانی	سور	سورنی
مور	مورنی	فقیر	فقیرنی
ڈوم	ڈومنی	جیٹھ	جٹھانی
ڈاکٹر	ڈاکٹرنی	مغل	مغلانی
بھُوت	بھُتنی	دیور	دیورانی
جن	جنّاتنی[3]	مہتر	مہترانی
پنڈت	پنڈتانی	شاعر	شاعرنی[4]

ٹٹو سے ٹٹوانی مؤنّث آتا ہے لیکن حقارت کے موقع پر بولتے ہیں۔

(ہ) بعض اوقات اخیر حرف میں کچھ تبدیلی کے بعد یا بغیر تبدیلی کے (یا) اضافہ کرنے سے مؤنّث بنتا ہے۔ جیسے:

کُتّا	کُتیا	بندر	بندریا
چوہا	چوہیا	گدھا	گدھیا
چڑا	چڑیا		

۵) بعض غیر زبانوں کے مذکر و مؤنّث بعینہٖ اردو میں مستعمل ہیں مثلاً بیگ مذکر، بیگم مؤنّث، خاں سے خانم (ترکی) ہے، یا عربی کے الفاظ مثلاً سلطان سے سلطانہ، ملک سے ملکہ۔ خاتون و آتون بھی ترکی لفظ ہیں جو مؤنّث ہیں۔

---

(۱) مذکر کی دال حذف کر دی گئی۔

(۲) ہاتھی کا الف اور 'ی' دونوں حذف ہو گئے ہیں۔ یہ لفظ ہاتھ سے نکلا ہے۔ سونڈ بجائے ہاتھ کے سمجھی گئی ہو۔

(۳) یہاں مؤنّث واحد مذکر سے نہیں بلکہ جمع مذکر سے بنا ہے۔

(۴) جان صاحب کا شعر ہے ؏ "میں وہ شاعرنی ہوں گر پکڑے کوئی میری زباں —— لاکھ مرزا کو سناؤں سو سناؤں میر کو۔
یہ استعمال مزاحاً کیا گیا ہے۔

۶) بعض اوقات مذکر اسمِ خاص سے بھی مؤنّث بنا لیتے ہیں جیسے:

رحیم	رحیمن	امیر	امیرن
کریم	کریمن	نور	نورن
محمد	محمدی	امامی	امامن
مراد	مرادن	نصیب	نصیبن

بعض اوقات اسمائے خاص میں حرف واو کے مجہول و معروف ہونے سے مؤنّث مذکر کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ واؤ معروف سے مذکر اور مجہول سے مؤنّث۔

مؤنّث	مذکر	مؤنّث	مذکر	مؤنّث	مذکر
مجّو	مجّؤ	دامو	دامؤ	بدلو	بدلؤ
فجّو	فجّؤ	کلّو	کلّؤ		

بعض اسمائے خاص مرد عورت کے لیے یکساں استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے گلاب، احمدی وغیرہ۔

۷) عموماً مؤنّث مذکر سے بنتا ہے لیکن بعض مذکر ایسے بھی ہیں جو مؤنّث سے بنتے ہیں، جیسے بھینسا، بھینس سے۔ رنڈوا، رانڈ سے۔ بلاؤ، بلّی سے۔ سُسر یا سُسرا، ساس سے۔

۸) بعض الفاظ ایسے ہیں جو صرف مذکر استعمال ہوتے ہیں اور ان کا مؤنّث نہیں آتا، اور بعض صرف مؤنّث استعمال ہوتے ہیں اور مذکر ان کا نہیں آتا، مثلاً چیل، بطخ، مینا، بلبل، فاختہ، لومڑی غیر ذوی العقول میں، رنڈی، کسبی، ہڑونگی، ڈائن، چڑیل، بیوہ، سوت، سہاگن وغیرہ ذوی العقول میں مؤنّث استعمال ہوتے ہیں۔ طوطا، کوا، اژدہا، تیندوا، باز، اُلو، چیتا، وغیرہ غیر ذوی العقول میں اور بھانڈ، بھڑوا، ہیجڑا وغیرہ ذوی العقول میں مذکر ہیں۔

۹) چھوٹے چھوٹے جانوروں میں اکثر صرف ایک ہی جنس مستعمل ہے مثلاً مکھی (مؤنّث) جھینگر (مذکر) چھپکلی (مؤنّث) چھچھوندر (مؤنّث) کچھوا (مذکر) بھِڑ (مؤنّث)۔

۱۰) اکثر اوقات الفاظ کے ساتھ نر اور مادہ کا لفظ لگا کر مذکر و مؤنث بنا لیتے ہیں، مثلاً مادہ خر، نر گاؤ، یا چیتے کی مادہ، مادہ خرگوش وغیرہ۔

۱۱) بعض اوقات مذکر لفظ مؤنث کے لیے بھی استعمال کر جاتے ہیں مثلاً بیٹی کو ماں پیار سے کہتی ہے "نہ بیٹا ایسا نہیں کرتے۔"

۱۲) بعض لفظ مشترک ہیں، دونوں کے لیے آتے ہیں۔ مثلاً بچے کا لفظ یا گھوڑی کو دیکھ کے کہہ سکتے ہیں کہ کیا اچھا جانور ہے۔

۱۳) جن ہندی الفاظ کے آخر الف یا 'ہ' ہوتی ہے مؤنث میں یائے معروف سے بدل جاتے ہیں۔ مثلاً لڑکا سے لڑکی۔ اسی طرح فارسی الفاظ بھی جو اردو میں عام طور پر استعمال ہونے لگے ہیں اسی قاعدے میں آجاتے ہیں مثلاً شاہزادہ سے شاہزادی، بیچارہ سے بے چاری، بندہ سے بندی، حرام زادہ سے حرام زادی وغیرہ۔

بے جان کی تذکیر و تانیث

بے جان اسما کی تذکیر و تانیث قیاسی ہوتی ہے۔ یعنی الفاظ کی تذکیر اور تانیث ایک دور سے دوسرے دور کو یا ایک نسل سے دوسری نسل کو ارثاً و روایتاً پہنچتی ہے اور جس طرح پہنچتی ہے ویسے ہی بولی جاتی ہے۔ اگرچہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ خاص وجوہ سے بعض الفاظ میں تذکیر و تانیث کا اختلاف ہو گیا ہے۔ جو پہلے مذکر تھے، اب مؤنث ہیں اور جو مؤنث تھے اب مذکر بولے جاتے ہیں لیکن عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ نسلاً بعد نسلٍ جس طرح یہ الفاظ پہنچتے ہیں ویسے ہی بولے جاتے ہیں۔ تاہم جہاں تک ممکن ہو سکا ہے ذیل میں چند قاعدے بیان کیے جاتے ہیں:

۱) اکثر اوقات وہ الفاظ (خصوصاً ہندی اور تدبھوا یعنی مخلوط سنسکرت کے) جن کے آخر 'ا' یا 'ہ' ہوتی ہے، یا فارسی کے وہ لفظ جن کے آخر میں 'ہ' الف کی آواز دیتی ہے، مذکر ہوتے ہیں، مثلاً ڈبا، گھڑا، ڈبرا، حقہ، پیشہ، ہفتہ، چولھا وغیرہ۔ لیکن اس میں مستثنیٰ بھی

ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:-

(الف) تمام ہندی اسمائے تصغیر جن کے آخر 'یا' ہوتا ہے، مثلاً چڑیا، ڈبیا، ڈلیا، ٹھلیا وغیرہ۔

(ب) تمام عربی کے سہ حرفی الفاظ جس کے آخر میں 'ا' ہوتا ہے۔ جیسے ادا، قضا، حیا، رضا، خطا وغیرہ۔

(ج) عربی کے بعض اسما جو فُعلیٰ کے وزن پر ہوتے ہیں، جیسے عقبیٰ۔

(د) بعض ہندی لفظ جو تت سما یعنی خالص سنسکرت کے ہیں۔ کیوں کہ سنسکرت میں 'ا' علامتِ تانیث بھی ہے مثلاً پوجا، بیچا، ماتا، پروا، پچھوا، بھاکا، سیتلا، گھٹا، گھٹیا، انگیا، مالا، سبھا، جٹا، چھالیا، گنگا، جمنا۔

(۲) جن ہندی یا غیر ہندی الفاظ کے آخر میں یاے معروف ہوتی ہے وہ مؤنث ہوتے ہیں۔ جیسے لکڑی، کوٹھی، تالی، کنجی، تلسی، روٹی، ہڈی، ڈیوڑھی، سبزی، پریشانی کشتی۔ البتہ جی، گھی، موتی، پانی، دہی، مستثنیٰ ہیں۔ یہ الفاظ سنسکرت سے آئے ہیں اور ہندی میں ان کی آخری علامت بدل گئی ہے۔ ان کی جنس تو وہی رہی جو سنسکرت تھی مگر صورت بدل گئی۔ سنسکرت میں یہ مذکر ہیں یا تیسری جنس جو نہ مذکر ہے نہ مؤنث اور ایسی جنس کے لفظ ہندی میں آکر مذکر ہو جاتے ہیں۔ سنسکرت میں ان کے آخر میں 'ی' (معروف) نہیں ہے۔ جی اصل میں جیوں تھا۔ گھی، گھرتن (घृतन) موتی، موک تکن (मोकतिक)، پانی، پانیں (पानीय) دہی، ددِھکن (दिध्कन)۔

(۳) زبانوں کے نام عموماً مؤنث ہوتے ہیں مثلاً انگریزی، فارسی، اردو، سنسکرت، تامل وغیرہ۔

(۴) ایسے اسما جو آواز کی نقل ہیں مؤنث ہوتے ہیں۔ سائیں سائیں، چٹ چٹ، دھڑ دھڑ وغیرہ۔

(۵) دنوں اور مہینوں کے نام مذکر استعمال ہوتے ہیں، دونوں میں جمعرات مستثنیٰ ہے۔

(۶) دھاتوں اور جواہرات کے نام بھی مذکر ہیں، چاندی البتہ مستثنیٰ ہے۔ ہندی میں اسے روپا کہتے ہیں جو مذکر ہے۔ جیسے سونا، جست، لوہا، ٹین، رانگ وغیرہ۔

(۷) پہاڑوں کے نام مذکر ہیں، جیسے ہمالیہ، بندھیاچل وغیرہ۔

(۸) ستاروں اور سیاروں کے نام بھی مذکر ہیں۔

(۹) کتابوں کے نام اگر مفرد ہیں تو مؤنث ہوں گے بشرطیکہ آخر میں 'ا' یا 'ہ' نہ ہو جو مذکر کی علامت ہے، جیسے صدرا، کافیہ۔ لیکن شفا (شیخ کی تصنیف) مؤنث ہے، کیوں کہ جیسے پہلے ذکر ہو چکا ہے ایسے عربی سہ حرفی لفظ مؤنث ہوتے ہیں لیکن مرکب ہونے کی حالت میں مضاف یا موصوف کی تذکیر و تانیث پر کتاب کی تذکیر و تانیث منحصر ہوگی، مثلاً بوستاں، گلستاں، پریم ساگر، رامائن مؤنث ہیں، مگر حکایتِ سوداگر مؤنث اور قصۂ حلیمہ دائی مذکر ہے۔

(۱۰) اسی طرح نمازوں کے نام مؤنث بولے جاتے ہیں۔ فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشا۔

(۱۱) ہندی حاصل مصدر (یعنی وہ اسمائے کیفیت جو مصدر سے بنائے ہیں) اور اکثر اسمائے کیفیت جو اسی وزن پر ہوں مؤنث ہوتے ہیں، جیسے:

پکار، پھٹکار، پھنکار، جھنکار، پچھاڑ، وغیرہ۔ ابھار، اتار، بگاڑ مستثنیٰ ہیں۔

پھسلن، دھڑکن، گھرچن، چُبھن، لگن، اُترن وغیرہ۔ البتہ چلن مستثنیٰ ہے۔

بناوٹ، کھچاوٹ، نیلاہٹ، گھبراہٹ وغیرہ۔

مہک، روک، چوک، جھلک، چمک، بھڑک وغیرہ۔

لوٹ، کھسوٹ، چوٹ۔

مٹھاس، کھٹاس، پیاس وغیرہ۔

تھکان (تکان)، پہچان، ڈھلان، اُٹھان، اُڑان۔

البتہ برتاؤ، بچاؤ کے وزن پر جو حاصل مصدر آتے ہیں وہ سب مذکر ہوتے ہیں، دباؤ۔ بچاؤ۔ بناؤ۔ لگاؤ۔ اٹکاؤ۔ تاؤ۔ لداؤ۔ بہاؤ وغیرہ۔ دوسرے اسمائے کیفیت اور الفاظ جو اس وزن پر آتے ہیں وہ بھی مذکر ہوتے ہیں۔ جیسے بھاؤ، سبھاؤ، الاؤ۔

اسی طرح وہ اسمائے کیفیت جو اسم یا صفت کے آخری میں ''پن'' لگانے سے بنتے ہیں

مذکر ہوتے ہیں۔ مثلاً بچپن، لڑکپن، دیوانہ پن وغیرہ۔

ہندی کے وہ الفاظ جن کے آخر ا(مجہول) یا اوں (واؤ۔ مجہول) ہوتا ہے اکثر مؤنث ہوتے ہیں، جیسے باؤ، چھاؤں، جوکھوں، بھوں، سوں، سرسوں، کھڑاؤں وغیرہ۔

(۱۲) حروف تہجی میں ب بھ پ پھ ت ٹ ٹھ ج جھ چ چھ ح خ د ذ ڑ ر ز ژ ط ظ ف ہ ی مؤنث ہیں۔ جیم اور میم مختلف فیہ ہیں۔

(۱۳) ہندی مصدر مذکر استعمال ہوتے ہیں، جیسے اس کا مرنا سب کو شاق گزرا۔ لیکن جب مؤنث لفظ سے متعلق ہوتا ہے تو اس کی صورت بھی مؤنث ہو جاتی ہے جیسے،

ع: بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی۔ اہلِ لکھنؤ ہر حال میں مصدر کو مذکر ہی بولتے اور لکھتے ہیں۔

(۱۴) عربی کے وہ اسمائے کیفیت جن کے آخر میں 'ت' ہوتی ہے، مؤنث ہوتے ہیں، جیسے ندامت، عنایت، محبت، شفقت، شوکت، رفعت وغیرہ۔

(۱۵) جو عربی الفاظ اِفعال، اِفتعال، اِنفعال، اِستفعال، تفعُّل، تفاعُل اور تفعلہ کے اوزان پر آتے ہیں وہ مذکر ہوتے ہیں:

بروزنِ افعال۔ جیسے اِکرام، اِحسان، اِنعام وغیرہ باستثنائے اِنشا، اِفراط، ایذا، اِمداد، اِلحاح، اِصلاح۔

بروزنِ اِفتعال، جیسے اختیار، اعتدال، اضطراب، اقتدار وغیرہ باستثنائے ابتدا، انتہا، التجا، احتیاط، احتیاج، اطلاع، اشتہا، اصطلاح۔

بروزنِ اِستِفعال، جیسے اِستعفا، اِستثنا، اِستقلال، اِستغنا وغیرہ باستثنائے استعداد، استدعا، استبداد، استغفار۔

بروزن اِنفعال، جیسے اِنکسار، اِنقلاب، اِنحراف وغیرہ۔

بروزن تفعُّل، جیسے توکُّل، تکلُّف، تعصُّب، تغیُّر، تبدُّل، وغیرہ باستثنائے توقُّع، توجُّہ، تمنّا، ترشُّح، تضرُّع، تہجُّد۔

بروزنِ تفاعُل، جیسے تغافُل، تنازُع، تلاطُم وغیرہ باستثنائے تواضع۔

بروزنِ تفعِلہ، جیسے تذکرہ، تجربہ، تصفیہ، تخلیہ وغیرہ۔

(۱۶) جو عربی الفاظ مُفاعلہ کے وزن پر آتے ہیں وہ مذکر ہیں، جیسے مُجادلہ، مُشاعرہ، مُعاملہ، مُناظرہ وغیرہ۔

لیکن یہی الفاظ یا دوسرے الفاظ جب مُفاعلت کے وزن پر آتے ہیں تو مؤنث ہوتے ہیں جیسے معاملت، مصاحبت، مشارکت وغیرہ۔ یہی حال تفعِلہ اور تفعلت کا ہے جیسے تربیت، تقویت وغیرہ مؤنث ہیں۔ تفعلہ کی مثالیں لکھی جاچکی ہیں۔

(۱۷) تمام عربی الفاظ تفعیل کے وزن پر مؤنث ہوتے ہیں، جیسے تحریر، تقریر وغیرہ باستثنائے تعویذ۔ لیکن جب تفعیل کے بعد ہائے ہوز آتی ہے تو وہ الفاظ مذکر ہو جاتے ہیں۔ جیسے تخمینہ، تعلیقہ وغیرہ۔

(۱۸) نیز وہ الفاظِ عربی و فارسی جن کی آخر میں 'ہ' اضافی (مختفی) ہوتی ہے اکثر مذکر ہوتے ہیں۔ جیسے نسخہ، روضہ، صفحہ، دورہ، طرہ، شیشہ، آئینہ، پیمانہ وغیرہ باستثنائے دفعہ، توبہ۔

(۱۹) عربی اسمائے ظرف مذکر ہوتے ہیں جیسے مکتب، مسکن، مقام، مشرق، مغرب وغیرہ باستثنائے مجلس، محفل، مسطر، مسجد، مجال، مسند وغیرہ۔

(۲۰) اسمائے آلہ بروزن مِفعال اکثر مؤنث ہوتے ہیں۔ جیسے مقراض، میزان وغیرہ باستثنائے معیار، مقیاس۔

لیکن بروزن مِفعل اکثر مذکر ہوتے ہیں جیسے منبر، مصقل وغیرہ باستثنائے مشعل۔ مگر بروزن مفعلہ ہمیشہ مذکر ہوتے ہیں جیسے منطقہ، مصقلہ وغیرہ۔

(۲۱) تمام فارسی حاصل مصدر جن کے آخر میں 'ش' ہے مؤنث ہوتے ہیں۔ جیسے دانش، خواہش، بخشش وغیرہ۔ جوش، نوش، خروش مستثنیٰ ہیں۔

(۲۲) مرکب الفاظ جو دو لفظوں سے مل کر بنتے ہیں، خواہ بلاحرفِ عطف یا مع حرفِ عطف۔ اُن کی تذکیر و تانیث میں بھی اختلاف ہے:۔

ا) جو لفظ دو افعال یا ایک اسم اور ایک فعل سے مل کر بنتے ہیں وہ اکثر مؤنث ہوتے ہیں جیسے آمد ورفت، زود کوب، نشست و برخاست، شست شو، قطع و برید، تراش خراش، تگ و دو، آمد و شد، خرید و فروخت، بود و باش، دار و گیر، شکست و ریخت، داد و دہش، کم و کاست باستثنائے سوز و گداز، بند و بست، ساز باز۔

ب) اگر ان میں ایک مؤنث اور دوسرا مذکر ہے (مع حرفِ عطف یا بلا حرفِ عطف) تو فعل کی تذکیر و تانیث آخری لفظ کے لحاظ سے ہوگی۔ جیسے آب و ہوا، قلم دوات، آب و غذا، آب و گل، کشت و خون، تاخت و تاراج، عنایت نامہ، سالار منزل، خلوت خانہ وغیرہ، پیچ و تاب مستثنیٰ ہے مگر جب دو لفظ مل کر ایک خاص معنوں میں آئیں تو یہ لحاظ نہیں رہتا جیسے گلشکر۔

ج) جب دونوں جز مذکر ہوں تو مذکر اور دونوں مؤنث ہوں تو لفظ مؤنث ہوگا جیسے آب و رنگ، آب و دانہ، آب و نمک، گل قند مذکر استعمال ہوتے ہیں اور آب و تاب، جستجو، گفتگو مؤنث ہیں۔ مگر شیر برنج مستثنیٰ ہے، حالاں کہ دونوں جز مذکر ہیں لیکن پھر بھی مؤنث ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ فرنی اور کھیر دونوں مؤنث ہیں لہٰذا شیر برنج بھی ان کا مترادف ہونے کی وجہ [سے] مؤنث ہی استعمال ہونے لگا۔ نیشکر جس کے دونوں جز مؤنث ہیں مذکر آتا ہے، اس لیے کہ گنے کا مترادف ہے۔ چوں کہ گنا مذکر مستعمل ہے اس لیے نیشکر بھی مذکر بولا جانے لگا۔

(۲۳) جن الفاظ کے آخر میں بند، آب (سوائے مہتاب کے جس کے معنی ایک قسم کی آتش بازی کے ہیں)، بان، وان، ستان، سار، زار ہوتا ہے وہ اکثر مذکر ہوتے ہیں، جیسے سینہ بند، پاسبان، گلاب، پیچوان، گلستان، بوستان، (باستثنائے نام کتب معروفہ) کوہسار، لالہ زار وغیرہ۔

(۲۴) جن الفاظ کے آخر ''گاہ'' لگا ہوتا ہے وہ مؤنث ہوتے ہیں۔ جیسے تعلیم گاہ، بندرگاہ، قیام گاہ وغیرہ۔

(۲۵) بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جو بعض معنوں میں مذکر ہیں اور بعض معنوں میں مؤنث جیسے:

دوپہر جب دن کے خاص وقت کے لیے آتا ہے (جو بارہ بجے ہوتا ہے) تو مؤنث ہے، جیسے دوپہر ڈھل گئی۔

دوپہر بمعنی دو ساعت مذکر ہے، جیسے مجھے انتظار کرتے کرتے دوپہر ہوگئے۔

گزر (مذکر) گزرنے کا حاصل مصدر ہے۔ جیسے میرا گزر وہاں ہوا۔

گزر (مؤنث) بمعنے گزر اوقات، جیسے اس میں میری گزر نہیں ہوتی۔

تکرار بحث اور جھگڑے کے معنوں میں مؤنث۔ جیسے میری اس سے تکرار ہو گئی ہے۔

تکرار کسی لفظ کے مکرر لانے کے معنوں میں مذکر، جیسے اس لفظ کا تکرار فصیح نہیں۔

آب پانی کے معنوں میں مذکر۔

آب صفائی یا چمک کے معنوں میں مؤنث، جیسے موتی کی آب۔

مد مدِ جزر جیسے دریا کا مد۔

مد جب اُس خط کے معنوں میں ہو جو حساب میں یا عرضی پر کھینچا جاتا ہے تو مؤنث ہے، بعض نے مذکر بھی لکھا ہے۔

مد حساب کے صیغے کے معنوں میں مؤنث، جیسے روپیہ کون سی مد سے دیا جائے۔

مد الف ممدودہ کا نشان مذکر ہے۔

ترک (عربی) بمعنی دست برداری مذکر ہے۔

ترک (مؤنث) صفحہ کے آخر میں آئندہ صفحہ کی عبارت کا پہلا لفظ جو اس غرض سے لکھ دیا جاتا ہے کہ ورقوں کے ملانے میں آسانی ہو۔

"ترک اک اک جزو کی دو دو پہر ملتی نہیں" (اسیر)

عرض	طول کی ضد، مذکر۔ جیسے اس مکان کا عرض۔
عرض	بمعنی التماس، مؤنث۔ جیسے میری یہ عرض ہے۔
کف	جھاگ کے معنوں میں مذکر۔
کف	تلوے یا ہتھیلی کے معنوں میں مختلف فیہ۔
تاک	تاکنا سے اسم مؤنث ہے۔
تاک	انگور کی بیل کے معنوں میں مذکر۔
آہنگ	قصد کے معنوں میں مذکر۔
آہنگ	آواز کے معنوں میں مؤنث۔
تال	تالاب کے معنوں میں مذکر۔
تال	وزن موسیقی کے معنوں میں مؤنث۔
نال	بندوق کی نلی مؤنث۔
نال	ناف کے معنوں میں مختلف فیہ۔
نال	گھاس وغیرہ کی ڈنڈی مؤنث۔
نال	لکڑی یا پتھر کا گندا جو پہلوان اٹھاتے ہیں، مذکر۔
بیل	ایک خاص پھل کے معنوں میں مذکر۔
بیل	باقی سب معنوں میں مؤنث۔
مثل	بمعنی مانند، مذکر۔
مثل	کاغذات مقدمہ، مؤنث۔
لگن	بمعنی ظرف یعنی طاس شمع، مذکر۔
لگن	بمعنی لگاؤ، مؤنث۔
مغرب	بمعنی مقام غروب، مذکر۔
مغرب	بمعنی وقت شام، مؤنث۔

(۲۵) عربی الفاظ کی جمع جب عربی قواعد کے رو سے آتی ہے تو اس کی تذکیر و تانیث میں صرف یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جو حالت واحد کی ہے وہی جمع کی ہوگی۔ مثلاً شے، مجلس اور مسجد مؤنث ہیں تو ان کی جمع اشیا، مساجد اور مجالس بھی مؤنث ہوگی۔ چند الفاظ البتہ مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً اگرچہ معرفت، حقیقت، قوت، شفقت مؤنث ہیں مگر ان کی جمع معارف، حقائق، قویٰ اور اشفاق مذکر مستعمل ہیں۔ بعض متاخرین اہلِ لکھنؤ کا یہ قول ہے کہ ہر لفظ کی عربی جمع مذکر ہی آتی ہے۔ یہ قاعدہ تو بہت اچھا ہے مگر اس کا کیا علاج کہ اہل زبان یوں نہیں بولتے۔ اہلِ دہلی اور بعض اور مقامات کے لوگ بجز بعض مستثنیات کے ہمیشہ مؤنث کی جمع مؤنث اور مذکر کی مذکر ہی استعمال کرتے ہیں۔ جن حضرات کا یہ قول ہے کہ ہر عربی لفظ کی عربی جمع مذکر بولنی چاہیے اُنھیں یہ دھوکا اس وجہ سے ہوا ہے کہ بعض الفاظ جو مؤنث ہیں ان کی جمع بھی اسی وزن پر آئی ہے جو واحد میں مذکر ہیں، مثلاً حادثہ مذکر ہے، اس کی جمع حوادث ہے لہٰذا یہ بھی مذکر ہے اور مذکر بولا جاتا ہے۔ چوں کہ حقائق بھی اسی وزن پر ہے، دھوکے میں اُسے بھی مذکر بولنے لگے، لیکن یہ چند الفاظ مستثنیات میں سے ہیں؛ اس پر سے یہ قیاس قائم کر لینا کہ ہر عربی لفظ کی (خواہ مؤنث ہو یا مذکر) جمع مذکر ہی ہوگی، صحیح نہیں ہے۔ واحد میں جب ہم ایک لفظ کو جو مؤنث غیر حقیقی ہے، مؤنث تسلیم کرتے ہیں تو افعال اور صفات بھی اس کے لیے مثل مؤنث حقیقی کے استعمال کرتے ہیں اور کوئی فرق اس میں اور مؤنث حقیقی میں نہیں کرتے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ مؤنث حقیقی کی عربی جمع کو مؤنث بولیں اور مؤنث غیر حقیقی کی جمع کو مذکر۔ جب ایک بار بے جان شے مؤنث قرار پا چکی تو پھر اس میں اور حقیقی مؤنث میں کسی قسم کا فرق اور امتیاز باقی نہیں رہتا۔ ہمارے خیال میں حتی الامکان اس قسم کے الفاظ کی اردو جمع استعمال کرنا زیادہ فصیح ہے، اگرچہ بعض مواقع پر عربی جمعوں کا استعمال کرنا ناگزیر ہے۔ ایسی حالت میں بجز چند مستثنیٰ الفاظ کے یہی قاعدہ یاد رکھنا چاہیے کہ مؤنث کی جمع مؤنث ہوگی اور مذکر کی جمع مذکر۔

(۲۶) ایک مسئلہ یہ بھی قابل بحث ہے کہ جو نئے لفظ غیر زبانوں سے اردو میں داخل ہو گئے ہیں یا آئندہ داخل ہوں، ان کی تذکیر و تانیث کا کیا قاعدہ ہوگا۔ ہماری رائے اس کے متعلق یہ ہے کہ ایسے دخیل الفاظ کی تذکیر و تانیث کا فیصلہ اسی قسم کے دوسرے الفاظ کے مطابق جو پہلے سے موجود ہیں کیا جائے۔ یعنی جو نئے الفاظ کے ہم معنی یا قریب المعنی ہیں یا معنوں کے لحاظ سے ایک ہی ذیل میں آتے ہوں اُن پر قیاس کر کے ان کی تذکیر و تانیث قرار دی جائے۔ مثلاً ریل کا لفظ ہے۔ یہ گاڑی کی قسم ہے۔ گاڑی خود مؤنث ہے اور گاڑی کی اکثر قسمیں مؤنث ہیں، اس لیے لوگ خود بخود اسے بھی مؤنث کہنے لگے۔ اسی طریقے پر اسٹیشن، لال ٹین، بٹن، کوٹ، ٹیبل، لیمپ، وغیرہ الفاظ کی تذکیر و تانیث قرار پائی۔

لیکن یہ قاعدہ جدید الفاظ کے لیے بھی ایسا ہی عام ہے جیسا قدیم الفاظ کے لیے کہ جس لفظ کے آخر میں الف ہے یا آخری لفظ الف کی آواز دیتا ہے وہ مذکر ہوگا اور جس کے آخر میں 'ی' معروف ہوگی وہ مؤنث ہوگا۔ جیسے چابی اور یونی ورسٹی مؤنث ہیں اور سایا (لہنگا) اور کمرہ مذکر ہیں۔

یہ قاعدہ کوئی جدید نہیں ہے بلکہ اس پر ہمیشہ سے عمل رہا ہے۔ فارسی کے الفاظ کثرت سے اردو ہندی میں داخل ہوتے رہے۔ فارسی زبان میں بے جان چیزوں کی تذکیر و تانیث نہیں ہوتی۔ مگر جب یہ نئے لفظ زبان میں آئے تو ان کی تذکیر و تانیث ہندی ہم معنی الفاظ کے موافق قرار دی گئی۔

مثلاً شاخ کو مؤنث اس لیے کہا گیا کہ ٹہنی یا ڈالی مؤنث بولی جاتی ہے۔ سال مذکر ہے۔ اس لیے کہ برس مذکر ہے۔

(۲۷) چند الفاظ ایسے ہیں جنھیں اہلِ زبان مذکر و مؤنث دونوں طرح بولتے ہیں۔ یا بعض الفاظ ایسے ہیں کہ وہ ایک جگہ مؤنث بولے جاتے ہیں اور دوسری جگہ مذکر، جیسے:

سانس	قلم[1]	فکر[2]	غور	طرز	نقاب[3]
مرقد	شکرقند	کٹار	درد	فاتحہ	کلک
کیف	جھونک	سیل	سبحہ	ہن	گزند

نشاط، حروفِ تہجی میں میم اور جیم۔ زنار[4] متاع[5]

قامت گیند[6] مالا[7]

املا، عام طور سے مذکر ہے مگر اہلِ لکھنؤ میں مختلف فیہ ہے۔

مالا، دہلی اور اس کے نواح میں مؤنث ہے، مگر اہلِ لکھنؤ میں مختلف فیہ ہے۔

پینگ (بیائے معرف) دلی میں مؤنث ہے۔ لکھنؤ اور پورب کے دوسرے شہروں میں یہ لفظ زبر سے بولا جاتا ہے اور مذکر ہے۔

---

(۱) مختلف فیہ

(۲) اہلِ دہلی و لکھنؤ دونوں کے ہاں مختلف فیہ ہے یعنی مذکر و مؤنث دونوں طرح استعمال ہوا ہے۔

(۳) مختلف فیہ۔

(۴) مختلف فیہ۔

(۵) اہلِ لکھنؤ مذکر اور اہلِ دہلی مؤنث بولتے ہیں۔

(۶) اہلِ لکھنؤ مذکر بھی بولتے ہیں۔

(۷) اہلِ دہلی مؤنث اور اہلِ لکھنؤ مذکر بولتے ہیں۔

تعداد و حالت

اسمِ عام یا تو ایک ہوگا یا ایک سے زیادہ۔ اسی کو تعداد کہتے ہیں۔

ایک کو واحد اور ایک سے زیادہ کو جمع کہتے ہیں۔

اردو میں بھی دوسری ہندی آریائی زبانوں کی طرح تثنیہ نہیں ہوتا۔ سنسکرت اور عربی میں ہوتا ہے۔ تثنیہ اُسے کہتے ہیں جس میں دو کا ہونا پایا جائے۔ جیسے عربی میں والدین، قطبین، طرفین وغیرہ اور سنسکرت میں پتراؤ (والدین)۔

اردو میں سوائے ان الفاظ کے جن کے آخر میں الف (یا اس کا کوئی ہم آواز حرف 'ہ' یا 'ع') ہوتا ہے، مذکر کی صورت واحد اور جمع میں یکساں رہتی ہے۔ البتہ حروف ربط کے آ جانے سے جمع کی صورت میں تبدیلی ہو جاتی ہے، ورنہ ان صورتوں کے علاوہ خاص جمع کی غرض سے جو تبدیلیاں ہوتی ہیں وہ مؤنث ہی ہوتی ہیں۔ ذیل کے قاعدوں اور گردانوں میں ان سب تبدیلیوں کی تصریح کی جاتی ہے۔

اس کی ہم نے دو تقسیمیں کی ہیں۔ ایک صورت تو وہ ہے جب اسم بغیر کسی حرفِ ربط کے آئے۔ دوسری صورت وہ ہے جب اسم کے بعد کوئی حرفِ ربط ہو۔

پہلے ہم ان تبدیلیوں کو بیان کریں گے جبکہ اسم کے ساتھ کوئی حرف ربط نہیں ہوتا:

۱) جن واحد مذکر الفاظ کے آخر میں 'ا' یا 'ہ' ہے، جمع میں یہ 'ا' یا 'ہ' یائے مجہول سے بدل جاتی ہے۔ جیسے:

واحد	جمع	واحد	جمع
لڑکا	لڑکے	پردہ	پردے
لڑکا آیا	لڑکے آئے	پردہ اٹھا	پردے اٹھے

جن الفاظ کے آخر میں ایسی 'ہ' ہوتی ہے جو الف کی آواز دیتی ہے وہ فارسی یا عربی ہوتے ہیں۔ جیسے بندہ، دیوانہ، پنجہ، دانہ، درجہ، تماشا، جلسہ وغیرہ۔ ہندی لفظوں کو الف ہی سے لکھنا چاہیے لیکن رسم خط کی وجہ سے بعض نام 'ہ' ہی سے لکھے جانے لگے ہیں۔ جیسے، آگرہ، کلکتہ وغیرہ۔

۲) بعض واحد مذکر لفظ جن کے آخر میں الف ہوتا ہے جمع میں 'ے' سے نہیں بدلتے۔

(ا) اس میں کچھ لفظ تو ایسے ہیں جو خالص سنسکرت ہیں اور نہیں بدلتے، جیسے راجا، داتا وغیرہ۔

(ب) رشتے داروں کے نام، ابا، چچا، تایا، دادا، پھوپا، آکا، پتا۔

(ج) فارسی کے اسم فاعل، جیسے دانا، بینا، آشنا، شناسا۔

(د) غیر زبانوں کے بعض اسم جیسے دریا، ہما، صحرا وغیرہ۔

۳) جن واحد مذکر الفاظ کے آخر میں 'ا' یا 'ہ' نہیں ہوتی اُن کی واحد اور جمع میں ایک ہی صورت رہتی ہے جیسے:

واحد	جمع	واحد	جمع
بھائی آیا	بھائی آئے	بیل آیا	بیل آئے
گھر بن گیا	گھر بن گئے	لڈو کھایا	لڈو کھائے

۴) جن واحد مذکر لفظوں کے آخر میں 'اں' (الف اور نون غنہ) ہوتا ہے، ان کی جمع میں واحد کا الف ءے سے بدل جاتا ہے۔ جیسے دھواں سے دھوئیں، رواں سے روئیں۔

مؤنث الفاظ کی جمع مذکر سے مختلف طرح پر بنتی ہے۔ ذیل کے بیان سے اس کی کیفیت معلوم ہوگی:۔

(۱) جن مؤنث واحد الفاظ کے آخر میں 'ی' (یائے معروف) ہو ان کی جمع کے لیے 'ی' کے بعد 'اں' بڑھا دیتے ہیں، جیسے لڑکی سے لڑکیاں، گھوڑی سے گھوڑیاں۔ کرسی سے کرسیاں۔

(۲) جن مؤنث واحد الفاظ کے آخر میں الف ہوتا ہے، جمع میں اس کے بعد 'ئیں' (ء ی ں) بڑھا دیتے ہیں، جیسے گھٹائیں، مامائیں، سبھائیں، تمنائیں، ہوائیں۔

(۳) جن مؤنث واحد الفاظ کے آخر میں 'یا' ہو، ان کی جمع میں صرف 'ں' بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے گڑیا سے گڑیاں، بڑھیا سے بڑھیاں، چڑیا سے چڑیاں۔
اس قسم کے لفظ اکثر اسم تصغیر ہوتے ہیں۔ جیسے ڈبیا، چوہیا، پڑیا وغیرہ۔
غیر زبانوں کے الفاظ جو 'یا' پر ختم ہوتے ہیں، اس قاعدے کے تحت میں نہیں آتے بلکہ ان کی جمع قاعدے (۲) کے مطابق بنتی ہے، جیسے ریا، حیا وغیرہ کی جمع ریائیں اور حیائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو، ہندی لفظوں میں 'یا' اضافی ہے جو تصغیر یا صفت بنانے کے لیے لگایا جاتا ہے۔ غیر زبانوں کے الفاظ میں یؔ اصل لفظ کا جز ہے اور اس لیے یہ سمجھنا چاہیے کہ آخر میں 'یا' نہیں بلکہ الف ہے۔

(۴) جن مؤنث واحد الفاظ کے آخر میں ان میں سے کوئی حرف نہیں ہوتا، جن کا ذکر اوپر کے تین قاعدوں میں ہوا ہے؛ تو ان کی جمع کے لیے آخر میں 'یں' (ی ں) بڑھا دیا جاتا ہے، جیسے مالن سے مالنیں۔ کتاب سے کتابیں۔ گاجر سے گاجریں، بیگم سے بیگمیں، بات سے باتیں، جورو سے جورویں۔
بھوں کی جمع بھویں ہوتی ہے۔ ہندی میں بھوں کے آخر کا نون غنہ محض اعراب کا کام دیتا ہے کوئی حرف نہیں ہے اس لیے اس کی جمع اس طرح بنائی گئی ہے گویا لفظ کے آخر میں وؔ ہے، نؔ نہیں۔
محض جمع کے لیے جو تبدیلیاں ہوتی ہیں ان کا ذکر ہو چکا۔ اب اُن تبدیلیوں کو دیکھنا ہے جو حرفِ ربط کے آنے سے ہوتی ہیں۔

حرفِ ربط یہ ہیں۔ نے، کا، کے، کی، کو، پر (پہ) سے، تک، میں:

۱) جن واحد الفاظ کے آخر میں 'ا' یا 'ہ' ہوتی ہے وہ ان حروف کے آجانے سے یائے مجہول سے بدل جاتے ہیں، جیسے لڑکے نے کہا۔ پردے میں بیٹھے ہیں۔ قلعے کے اندر جمعے کے روز۔

لیکن ذیل کے لفظ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں:۔

(ا) وہ ہندی لفظ جو خالص سنسکرت ہیں یا جن میں اصل سے بہت کم تبدیلی ہوئی ہے، جیسے، راجا، گھٹا، سبھا، پوجا، بھاکا (بھاشا)، جٹا، چِتا، سیتلا، داتا، مالا، جاترا، پپّا، بیسوا، پردا، پچھوا وغیرہ۔ جیسے راجا نے کہا۔ سبھا میں بیٹھے ہیں۔ داتا کی خیر۔

(ب) وہ اسم جو عزیزوں اور رشتے داروں کے معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے چچا، ابا، دادا، نانا، خالہ، پھُپا، ماتا، پِتا، انا، دوا، آپا۔ جیسے، ابا نے پوچھا۔ خالہ نے پیار کیا۔

(ج) عربی سہ حرفی لفظ جیسے ریا، ربا، دعا، حیا، عبا، قبا، زنا، ہوا، بلا، دوا، صفا، غذا، ثنا، رجا، سزا، جزا، جفا، وفا، جلا، ادا، خلا، بقا وغیرہ۔ جیسے، دوا نے کچھ اثر نہ کیا۔ حیا سے سر نیچے کرلیا۔ ہوا میں خنکی ہے۔

(د) ایسے عربی لفظ جو سہ حرفی سے زیادہ ہیں اور جن کے آخر میں الف ہے۔ جیسے، تمنا، اخفا، التجا، انشا، افترا، اقتضا، ابتدا، انتہا وغیرہ۔ جیسے بڑی تمنا سے آیا تھا ابتدا میں بہت مشکل ہے۔

مدعا، منشا، ملجا، ماوا وغیرہ۔ جیسے، یہ بات میرے منشا کے خلاف ہے۔

مگر ایسے عربی لفظ جو اردو میں گھل مل گئے ہیں اس سے مستثنیٰ ہیں، اُن میں دوسرے لفظوں کی طرح تبدیلی ہوتی ہے۔ جیسے اس نے اپنے استعفے میں کوئی وجہ نہیں لکھی۔ میں اس کے تقاضے سے تنگ آ گیا ہوں۔

(ہ) اسمائے خاص نیز لقب اور عہدوں کے نام جیسے مُلا، خلیفہ، راجا، آقا، آغا، مرزا، رانا وغیرہ۔ جیسے مُلا کی دوڑ مسجد تک۔ راجا نے مرزا کو بلایا۔

(و) جغرافی ناموں میں جن کے آخر میں 'الف' یا 'ہ' ہوتی ہے تبدیلی ہو جاتی ہے۔
جیسے آگرہ، کلکتہ، سکندرہ، مکہ، مدینہ، کوفہ، دجلہ، گول کنڈہ، پٹنہ، گلبرگہ، اٹاوہ وغیرہ۔
جیسے، تاج محل آگرے میں ہے۔ کلکتے کی آبادی بارہ لاکھ ہے۔
البتہ خالص سنسکرت نام اس سے مستثنیٰ ہیں، جیسے جمنا، گنگا، متھرا، گیا، نربدا، ہمالیہ
وغیرہ۔ جیسے الٰہ آباد میں گنگا جمنا کا سنگم ہے۔
اسی طرح دوسری زبانوں کے شہروں، دریاؤں اور پہاڑوں کے نام بھی مستثنیٰ ہیں،
جیسے بخارا، برما، ایشیا، امریکہ، پروشیا، صنعا، سینا وغیرہ۔
جہاں لفظ کے آخر میں الف یا 'ہ' نہیں ہوتی وہاں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، جیسے شہر میں تھا۔
مالی نے کہا۔ لڑکی سے پوچھا۔ بچھو کو مارا وغیرہ۔

۳) دھواں، رواں، کنواں میں 'اں'، 'ء ی ں' سے بدل جاتا ہے، جیسے دھوئیں سے،
روئیں میں۔

۴) پانچواں سے پانچویں، ساتواں سے ساتویں، دسواں سے دسویں وغیرہ میں الف یائے
مجہول سے بدل جاتا ہے۔

۵) ایسے عربی الفاظ جن کے آخر میں 'ع' ہوتا ہے، جب ان کے بعد حرفِ ربط آتا ہے تو
'ع' کے بعد 'ے' بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے مصرعے میں۔ قلعے میں۔

۶) جمع کی حالت میں حرفِ ربط کے آنے سے یہ تبدیلیاں ہوتی ہیں:-
(ا) مذکر اسما میں جمع کے لیے آخر میں 'و ن' بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے شہروں میں۔
راجاؤں نے۔ مالیوں کو۔
ایسے الفاظ جن کے آخر میں الف یا ہ ہوتی ہے، جمع کی حالت میں حرفِ ربط آنے
سے جمع کی 'ے' گر جاتی ہے، جیسے لڑکوں نے۔ پردوں میں۔
(ب) جمع مؤنث کا 'الف ں' یا 'ی ں' بھی 'و ں' سے بدل جاتا ہے۔ جیسے،
لڑکیوں نے۔ دھوبنوں کو۔

(ج) جن الفاظ کے آخر میں واو ہوتی ہے، خواہ وہ مذکر ہوں یا مؤنث؛ حرفِ ربط کے آنے سے ان کی جمع دونوں صورتوں میں ایک ہی ہوتی ہے۔ یعنی آخر میں 'وں' بڑھا دیا جاتا ہے۔ جیسے جوروں، آرزووں، ہندووں وغیرہ۔

صَرف کے رو سے اسم کی یہ چند حالتیں ہیں جو جمع کی صورت میں یا حروفِ ربط کے آنے سے پیدا ہوتی ہیں، لیکن بلحاظ معنی بھی اسم کی چند حالتیں ہیں جن کا بیان نحو میں آنا چاہیے۔ مگر صَرف میں بھی بعض اوقات اور خاص کر فعل کے بیان میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لیے سرسری طور سے ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تفصیلی بیان نحو میں ہوگا۔

(۱) فاعلی حالت: یہ اسم کی وہ حالت ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی کام کا کرنے والا ہے یا وہ کسی خاص حالت میں ہے۔ جیسے، احمد گیا۔ رام نے کھانا کھایا۔ وہ بیمار ہوگیا۔

اس حالت میں اسم کے ساتھ کبھی نے آتا ہے اور کبھی بغیر نے کے استعمال ہوتا ہے۔

(۲) مفعولی: یہ وہ حالت ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسم پر کام کا اثر واقع ہوا ہے۔ جیسے، 'میں نے سانپ مارا' یہاں مارنے کا اثر سانپ پر واقع ہے، اس لیے سانپ مفعولی حالت میں ہے۔ 'اُس نے احمد کو کتاب دی۔' یہاں احمد اور کتاب دونوں مفعولی حالت میں ہیں۔ 'میں نے رام سے کہا' یہاں رام مفعولی حالت میں ہے۔ جو اسم مفعولی حالت میں ہوتا ہے اس کے ساتھ کبھی 'کو' اور کبھی 'سے' آتا ہے اور کبھی ان دونوں حروف میں سے کوئی بھی نہیں آتا۔

(۳) ندائی: جس سے کسی کا بُلانا ظاہر ہو۔ جیسے، احمد! یہاں آو۔ لڑکے! کیا کرتا ہے۔

ندائی حالت میں اگر واحد مذکر اسم کے آخر میں 'الف' یا 'ہ' ہو تو وہ یائے مجہول سے بدل جاتے ہیں۔ جیسے، لڑکے! شور نہ کر۔ اور جمع میں آخر کا نون گر جاتا ہے۔ جیسے، لڑکو! شور نہ کرو۔ لڑکیو! چپ بیٹھو۔ صاحبو! غور سے سُنو۔

لیکن ''بیٹا'' کا لفظ بعض اوقات ندائی حالت میں بھی بغیر تبدیلی کے بھی استعمال ہوتا ہے۔

یعنی دونوں طرح جائز ہے۔ جیسے، بیٹا! یہ بات اچھی نہیں ہے۔ بیٹے! ایسا نہیں کرتے۔

(۴) خبری: وہ اسم جو بطور خبر کے واقع ہوتا ہے، جیسے وہ بیمار ہے۔ حامد اس شہر کا حاکم ہے۔ ان جملوں میں بیمار اور حاکم دونوں خبری حالت میں ہیں۔

(۵) اضافی: جس میں کسی ایک اسم کو دوسرے سے نسبت دی جائے، یعنی ایک اسم کا علاقہ یا تعلق کسی دوسرے اسم سے ظاہر کیا جائے، جیسے احمد کا گھوڑا۔ یہاں گھوڑے کا تعلق احمد سے بتایا گیا ہے، اس لیے یہ مضاف ہے؛ اور جس سے نسبت یا علاقہ ظاہر کیا جائے، اسے مضاف الیہ کہتے ہیں۔ اس جملے میں احمد مضاف الیہ ہے۔

حروفِ اضافت واحد مذکر میں (کا) جمع میں (کے) اور واحد اور جمع مؤنث میں (کی) آتے ہیں۔

	واحد	جمع
مذکر	احمد کا گھوڑا	احمد کے گھوڑے
مؤنّث	احمد کی بلّی	احمد کی بلّیاں

(۶) طوری: جس سے طور، طریقہ، اسلوب، ذریعہ، سبب اور مقابلہ وغیرہ معلوم ہو۔ جیسے، شوق سے پڑھتا ہے۔ اُس نے تلوار سے مارا۔ وہ مجھ سے بڑا ہے۔ وہ دولت سے بڑھا۔

اسما کی تصغیر و تکبیر

تصغیر: کے معنی چھوٹا کرنے کے ہیں۔ بعض اوقات الفاظ میں کسی قدر تغیر کر کے یا بعض حروف کے اضافے سے اسما کی تصغیر بنا لیتے ہیں۔

۱) کبھی تصغیر محبت کے لیے بنائی جاتی ہے۔ مثلاً بھائی سے بھیّا، بہن سے بہنا۔

۲) کبھی حقارت کے لیے جیسے، مرد سے مردوا۔ جورو سے جُروا۔

۳) کبھی چُھٹائی کے لیے، جیسے شیشہ سے شیشی یا ششیا۔

اردو میں اسما کی تصغیر کئی طرح آتی ہے:

(۱) الفاظ کے آخر میں (ا) (وا) بڑھا دینے سے، جیسے جورو سے جُروا۔ مرد سے مردوا، بھائی سے بھیّا۔

(۲) بعض اوقات مذکر کو مؤنث بنانے سے، مثلاً شیشہ سے شیشی۔ ٹوکرا سے ٹوکری۔

(۳) بعض اوقات مختلف علامات ڑا، ڑی، لی، لا، یا وغیرہ بڑھا دینے سے اور الفاظ میں کسی قدر تبدیلی کرنے سے، جیسے آنکھ سے انکھڑی، گٹھا سے گٹھڑی، مکھ سے مکھڑا، پلنگ سے پلنگڑی، جی سے جیوڑا، کونڈا سے کونڈالی، ناند سے نندولا، کھاٹ سے کھٹولا، سانپ سے سنپولا یا سپولیا، کاگ (کوّا) سے کگیلا، چور سے چوٹٹا، آم (آنب) سے انبیا، لونڈا سے لونڈیا،[۱] باندی سے بندور۔

بعض اوقات محض حقارت کے لیے روپیہ کو روپلی بولتے ہیں۔ سوداؔ نے ایک جگہ شاعر کو حقارت سے شاعرلا لکھا ہے۔ بعض اوقات اسمِ خاص کی تصغیر، تحقیر کے لیے بنا لیتے ہیں۔ جیسے، لکھنوی سے لکھنؤا، کانپوری سے کانپوریا، پوربی سے پُربیا۔

فارسی میں چ ک وغیرہ علاماتِ تصغیر ہیں، مثلاً باغیچہ، مردک، مشکیزہ۔

تصغیر کی ضد تکبیر ہے جس کے معنی ہیں بڑا کرنا یا بڑھانا۔ بعض اسموں کو عظمت کے لیے کسی قدر تغیر سے بڑا یا بھاری بھرکم کر کے دکھاتے ہیں، جیسے مخدوم سے مخادیم۔ اگرچہ مخادیم جمع ہے لیکن بعض اوقات کسی شخص کو تحقیر سے (جو بڑا بنتا ہے) مخادیم کہتے ہیں، جیسے بڑا مخادیم بنا بیٹھا ہے۔ اسی طرح پگڑی سے پگڑ، گٹھری سے گٹھڑ، بات سے بتنگڑ۔

کبھی شہ (شاہ) کا لفظ شروع میں لگا کر بناتے ہیں، جیسے شہتیر، شہباز، شاہ بلوط، شاہراہ، شہپر، شاہکار۔ یہ اصل میں فارسی ترکیب ہے اور اُردو میں عام طور پر مروّج ہے۔

اسی طرح ہندی الفاظ کے شروع میں ''مہا'' (سنسکرت) لفظ بڑھا کر تکبیر بنا لیتے ہیں، جیسے مہا کاج، مہاراج وغیرہ۔

---

(۱) لونڈیا، کے معنی لڑکی ہیں۔ ''لونڈی'' اس عورت کو کہتے ہیں جس کی حیثیت غلام کی سی ہوتی ہے۔ انکسار سے عورتیں بجائے واحد متکلم ''میں'' کے بھی استعمال کرتی ہیں، جیسے ''بندی'' کا لفظ۔

۲۔ صفت

الفاظ صفت وہ ہیں جو کسی اسم کی حالت یا کیفیت یا کمیت ظاہر کریں۔

صفت ہمیشہ اسم کی حالت کو محدود کر دیتی ہے۔ مثلاً بے کار لوگ، جاہل آدمی، شریر لڑکا۔ اس کی کئی قسمیں ہیں:

۱) صفت ذاتی
۲) صفت نسبتی
۳) صفت عددی
۴) صفت مقداری
۵) صفت ضمیری

۱) صفت ذاتی

وہ ہے جس سے کسی چیز کی اندرونی حالت یا خصوصیت ظاہر ہو، جیسے ہلکا، ٹھوس، سبز، شریر، چالاک۔

۱) بعض اوقات یہ صفات دوسرے اسما یا افعال سے بھی بنائی جاتی ہیں۔ مثلاً لڑاک (لڑنے سے)، ڈھلواں (ڈھال سے)، کھلاڑی (کھیل سے)، بلی (بل سے)، جیوٹ، لاج ونت، ہنسوڑ، بھاگوان، (جی، لاج، ہنسی اور بھاگ سے)۔

۲) یہ صفت بعض اوقات، بلکہ اکثر دو الفاظ سے مرکب ہوتی ہے۔ مثلاً ہنس مکھ، من چلا، منہ پھٹ وغیرہ۔

۳) بعض فارسی علامتیں عربی، ہندی الفاظ کے ساتھ آ کر صفت کا کام دیتی ہیں۔ جیسے سعادت مند، ناشکرا، بے فکرا، بے چین، بے بس، بے ڈھب وغیرہ۔

۴) فارسی، عربی ذاتی صفات بھی اردو میں کثرت سے مستعمل ہیں۔ جیسے دانا، احمق، بینا، شریف، نفیس، خوب وغیرہ۔

۵) 'سے' کا حرف مقابلے کے لیے آتا ہے۔ جیسے شہد سے میٹھا، دودھ سے سفید؛ یعنی شہد سے زیادہ میٹھا، اور دودھ سے بڑھ کر سفید۔ وہ مجھ سے بڑا ہے۔ یہ کپڑا اُس سے اچھا ہے۔ جماعت میں یہ لڑکا سب سے ہوشیار ہے۔

کبھی 'میں' بھی اِن معنوں میں استعمال ہوتا ہے، جیسے سب میں بڑا یہی ہے۔

۶) بعض اوقات صفات میں زیادتی، زور یا مبالغہ پیدا کرنے کے لیے بعض الفاظ بڑھا دیے جاتے ہیں۔ وہ لفظ یہ ہیں:-

بہت: جیسے، بہت اچھا۔ تمھارا بھائی اس لڑکے سے بہت بڑا ہے۔

بڑا: بڑا گہرا تالاب۔ بڑا لمبا سانپ۔

زیادہ: یہ زیادہ اچھا ہے۔ زیادہ سستا ہے۔

نہایت: نہایت عمدہ۔ نہایت نفیس (عربی فارسی صفات کے ساتھ آتا ہے)۔

کہیں: یہ اس سے کہیں بہتر ہے۔

سے: بڑے سے بڑا۔ اچھے سے اچھا۔

بعض اوقات 'ایک' کا لفظ بھی مبالغہ کے لیے آتا ہے۔ جیسے، وہ ایک چھٹا ہوا ہے۔ ایک بدذات ہے۔

یہ جو چشم پُر آب ہیں دونوں
ایک خانہ خراب ہیں دونوں

لیکن اس کا استعمال ذم کے موقع پر ہوتا ہے۔

کبھی 'بہت' اور 'زیادہ' مل کر بھی آتے ہیں۔ جیسے وہ بہت زیادہ لالچی ہے۔

کبھی 'بدرجہا' بھی اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔ جیسے یہ اس سے بدرجہا بہتر ہے۔ یہ اس سے ہزار درجے اچھی ہے۔

اسی طرح اعلیٰ درجے کا، اوّل نمبر کا، اوّل درجے کا، پرلے درجے کا، پرلے سرے کا، کے الفاظ بھی یہی کام دیتے ہیں۔ جیسے اعلیٰ درجے کا ماہر۔ اوّل نمبر کا چور۔ پرلے درجے کا بیوقوف۔ پرلے سرے کا احمق۔

منفی صفات ذاتی

اردو میں چند حروف یا علامتیں ہندی کی ایسی ہیں جن کے لگانے سے صفات میں نفی کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے:

ا	جیسے	اٹل	امر (نہ مرنے والا)
اَن	جیسے	انجان	اَن مل
نر	جیسے	نرمل	نراس
بے	جیسے	بے دھڑک،	بے سرا، بے جوڑ
ک	جیسے	کُراہ	کڈھب
بن	جیسے	بن سرا	بن جُتی (زمین)
ن	جیسے	نڈر نکمّا	نگوڑا

مگر فارسی عربی الفاظ کے ساتھ فارسی عربی کی علامتیں استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً نالائق۔ نابینا (فارسی علامت)۔ غیر ممکن (عربی علامت) بے وقوف (فارسی علامت)

۲) صفات نسبتی

صفات نسبتی وہ ہیں جن میں کسی دوسری شے سے لگاؤ یا نسبت ظاہر ہو، مثلاً ہندی، عربی وغیرہ۔

۱) عموماً یہ لگاؤ اسما کے آخر میں یائے معروف کے بڑھانے سے ظاہر ہوتا ہے، جیسے فارسی، ترکی، ہندوستانی، آبی، پیازی وغیرہ۔

۲) جب کسی اسم کے آخر میں 'ی' یا 'ہ' یا 'ا' ہوتا ہے تو اسے واؤ سے بدل کر 'ی' بڑھا دیتے ہیں، جیسے دہلی سے دہلوی، سندیلہ سے سندیلوی، موسیٰ سے موسوی، عیسیٰ سے عیسوی۔

۳) بعض اوقات (ہ) کو حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے مکّہ سے مکّی، مدینہ سے مدنی۔

۴) بعض اوقات (انہ) بڑھانے سے نسبت ظاہر کرتے ہیں جیسے غلامانہ، جاہلانہ، مردانہ (یہ فارسی ترکیب ہے۔)

۵) ہندی میں بھی چند علامتیں ہیں جن کے اسم کے آخر میں آنے سے صفت نسبتی بن جاتی ہے۔

['را' یا 'لا'،] ہندی میں (ر) اور (ل) کا بدل عام طور پر ہوتا ہے، جیسے سنہرا، روپہلا، چچیرا، ممیرا۔

وان	جیسے	گیہواں
ار	جیسے	گنوار (گاؤں سے)
لا یا الا	جیسے	سانولا، رنگیلا، مٹیالا، اکیلا، منجھلا، پچھلا، اگلا
والا	جیسے	کلکتے والا
کا	جیسے	قیامت کا، غضب کا
سا	جیسے	چاند سا

۳) صفت عددی

جس سے تعداد کسی اسم کی معلوم ہو۔

۱) تعداد دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک جب ٹھیک عدد کسی شے کا معلوم ہو۔ جیسے پانچ آدمی، چھے گھوڑے۔ اسے تعدادِ معیّن کہتے ہیں۔

دوسرے جب ٹھیک تعداد کسی شے کی نہ معلوم ہو، جیسے چند لوگ، بعض شخص۔ اسے تعدادِ غیر معیّن کہتے ہیں۔

۲) تعدادِ غیر معیّن کے لیے اکثر یہ الفاظ مستعمل ہوتے ہیں۔

کئی، چند، بعض، سب، کل، بہت، بہت سے، تھوڑا، تھوڑے، کم، کچھ۔

۳) تعدادِ معیّن کی تین قسمیں ہیں:

ایک تعداد معمولی، جیسے دو، تین، چار وغیرہ کل اعداد۔

(ف) پراکرت سے ہندی الفاظ بنانے میں آخری حرف علت عموماً گر جاتا ہے۔ حروف ربط خارج کر کے درمیانی حرف علت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ یہاں سنسکرت اور پراکرت کے اصل ہندسوں کا لکھنا اور یہ بتانا کہ موجودہ ہندی ہندسے کیسے بنے ہیں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

	سنسکرت		پراکرت		ہندی	
۱	سنسکرت	ایک	پراکرت	ایکّا	ہندی	ایک
۲	//	دوا، دوی	//	دو	//	دو
۳	//	تری	//	تلّی، ترنی	//	تین
۴	//	چتُر	//	چتّاری	//	چار
۵	//	پنچن	//	پانچا	//	پانچ
۶	//	شش	//	چھا	//	چھ (۱)
۷	//	سپتن	//	ستّا	//	سات

(۱) ش چھ کا سے بدل گیا۔

۸	//	آشٹن	//	اٹھا	//	آٹھ
۹	//	نوا، نون	//	نا	//	نو
۱۰	//	دشن	//	دسا	//	دس

دس سے آگے کے ہندسے اکائیوں اور دہائیوں کے ملنے سے بنے ہیں اور ان میں جو تبدیلی ہوئی ہے وہ ظاہر کی جاتی ہے۔ اوّل پراکرت (دسا) بدل کر (دھا) ہوا اس کے بعد (دھا) سے (رہا) ہو گیا۔ یہ وہی رہا ہے جو گیارہ بارہ وغیرہ میں آتا ہے۔

۱۱۔ سنسکرت اکادشن (یعنی ایک اور دس) پراکرت ایارہا ہندی اگیارہ سے گیارہ۔ (ہندی میں سنسکرت کا ک، گ سے بدل گیا اور اوّل کا حرفِ علّت گر گیا۔)

۱۲	سنسکرت	دوادش	پراکرت	دارہا	ہندی	بارہ
۱۳	//	تریودشن	//	تیرہا	//	تیرہ
۱۴	//	چتردشن	//	چوڈّھا	//	چودہ
۱۵	//	پنچ دشن	//	پن رہا	//	پندرہ
۱۶	//	شوڈشن	//	سورہا	//	سولہ
۱۷	//	سپٹ دشن	//	سترّہا	//	سترہ
۱۸	//	اشٹ دشن	//	اٹھارہا	//	اٹھارہ
۱۹	//	اُنَ وِیں شتی	//	ایکونوی سئی	//	انیس
۲۰	//	وِیں شتی	//	وِی سئی	//	بیس

ان ہندسوں میں یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ خلافِ معمول نو کا ہندسہ ہر دہائی کے ساتھ اگلی دہائی سے ایک کم کر کے ظاہر کیا جاتا ہے، مثلاً اُنّیس اصل میں ایک اون ایس ہے۔ اون کے معنی کم اور ایس پراکرت وی سی کا بگڑا ہوا ہے۔ یعنی ایک کم بیس۔ اسی طرح انتیس ایک اون تیس، یعنی ایک کم تیس ہے۔ علیٰ ہذ القیاس اُنتالیس اُنچاس اُنسٹھ، اُنہتر، اُناسی ہیں مگر نواسی (نو اور اسّی) ننانوے (نو اور نوّے) باقاعدہ ہیں۔

۳۰	سنسکرت	ترین شت	پراکرت	تیسا	ہندی	تیس
۴۰	″	چت واریں شت	″	چتالیسا	″	چالیس
۵۰	″	پنچاشت	″	پان ناسا	″	پچاس
۶۰	″	شش ٹی	″	سٹھی	″	ساٹھ
۷۰	″	سب تی	″	ستری	″	ستر
۸۰	″	اشتی	″	اسی اِی	″	اسی
۹۰	″	نوتی	″	ناوے	″	نوے
۱۰۰	″	شت	″	ستا، سیا	″	سو، سے

(شت) پراکرت (ساؤ) سے (سو) یا (سے) بنا۔

تعدادِ معیّن کی دوسری قسم تعدادِ ترتیبی ہے، جس سے ترتیب کسی شے کی معلوم ہوتی ہے۔ جیسے ساتواں، پانچواں وغیرہ۔ اس کے بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ تعدادِ معیّن کے آگے (واں) لگاتے ہیں لیکن پہلے چار عدد اور چھے کا ہندسہ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہے۔ ان کی تعدادِ ترتیبی یہ ہے:-

پہلا، دوسرا، تیسرا، چوتھا، چھٹا۔

بعض اوقات اعداد کے آگے (وں) اظہارِ کلّیت کے لیے بڑھا دیا جاتا ہے۔ جیسے پانچوں، تینوں۔ چھوؤں جاتے رہے۔ چاروں موجود ہیں۔ دونوں آگئے۔ دونوں میں لفظ 'دوں' بجائے 'دو' کے استعمال ہوا ہے اور اس کے آگے 'وں' بڑھایا گیا ہے۔ بعض اوقات مزید تاکید کے لیے اُسے دہرا دیتے ہیں، جیسے دونوں کے دونوں چلے گئے۔ ساتوں کے ساتوں موجود ہیں۔

فارسی میں عدد کے آخر میں (میم) بڑھا دیتے ہیں جیسے یکم، دوم، سوم، چہارم وغیرہ۔

تیسری قسم تعدادِ معیّن کی تعداد اضعافی ہے، جس میں کسی عدد کا ایک یا ایک سے زائد بار دُہرانا پایا جائے۔ اُردو میں کئی طرح مستعمل ہے:

۱) عدد کے آگے 'گنا' بڑھانے سے، جیسے دُگنا، تگنا، چوگنا وغیرہ۔ گنا یا گونہ (فارسی) دراصل سنسکرت کے لفظ گوں سے ہے، جس کے معنی قسم کے ہیں۔

۲) 'چند' (فارسی) کے بڑھانے سے جیسے دوچند، سہ چند، دہ چند وغیرہ۔

۳) 'ہرا' بڑھانے سے جیسے دوہرا، تہرا، چوہرا۔

'ہرا' درحقیقت 'ہارا' کا مخفف ہے جو سنسکرت کے لفظ 'ارا' سے بنا ہے۔

بعض اوقات تعدادِ معیّن کے آگے ایک کا لفظ بڑھا دینے سے تعدادِ غیر معیّن ہو جاتی ہے جیسے پچاس ایک آدمی بیٹھے تھے، جس کے معنی ہوں گے تخمیناً یا کم وبیش پچاس۔ اسی طرح بیس ایک، دوایک، ایک آدھ وغیرہ۔

دس، بیس، پچاس، سیکڑہ، ہزار، لاکھ، کروڑ جمع کی حالت میں تعدادِ غیر معیّن کے معنوں میں آتے ہیں اور اس سے کثرت کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسے مجھے دسوں کام ہیں، اس مکان میں بیسوں (یا بیسیوں) کمرے ہیں۔ ہر روز سیکڑوں آدمیوں سے ملنا پڑتا ہے۔ ہزاروں آدمی جمع تھے۔ لاکھوں روپیہ صرف ہوگا۔

اسی طرح ان کی فارسی جمع صدہا، ہزارہا، لکھوکھا، کروڑھا بھی اسی طور سے استعمال ہوتی ہے۔

کسری اعداد: یہ بہت بے قاعدہ ہیں۔ زیادہ معروف ذیل میں دیے جاتے ہیں:

پاو	(۱/۴)	پونے	(-۱/۴)
چوتھائی	(۱/۴)	سوا	(۱-۱/۴)
تہائی	(۱/۳)	ڈیڑھ	(۱-۱/۲)
آدھا	(۱/۲)	ڈھائی (اڑھائی)	(۲-۱/۲)
پون	(۳/۴)	ساڑھے	(+۱/۲)

''پاؤ'' اکثر تنہا پاؤ سیر وغیرہ کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ وضاحت اور رفعِ اشتباہ کے موقع پر چوتھائی کے لفظ کو ترجیح دی جاتی ہے۔ ''پونے'' کے معنی ہیں کہ اس عدد یا مقدار میں سے ایک چوتھائی کم۔ یہ اعداد نیز مقدار اور پیمائش کے الفاظ کے ساتھ استعمال ہوتا

ہے۔ ''سوا'' کا بھی یہی استعمال ہے جب کسی اسم کے ساتھ آتا ہے تو یہ معنی ہیں کہ وہ عدد یا مقدار اور ایک چوتھائی جیسے سوا دو، سوا سو۔ ''ڈیڑھ'' بھی اسی طرح استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس عدد یا مقدار کا ایک اور آدھا گنا، جیسے ڈیڑھ سیر، ڈیڑھ گز، ڈیڑھ سو۔ ''اڑھائی'' کے معنی ہیں، دو اور آدھا لیکن جب کسی عدد یا اسم کے ساتھ آتا ہے تو اس عدد یا مقدار کا دو اور آدھا گنا ظاہر کرتا ہے۔ جیسے اڑھائی سیر، اڑھائی سو۔ ''ساڑھے'' کبھی تنہا استعمال نہیں ہوتا جب یہ کسی عدد یا اسم کے ساتھ آتا ہے تو وہ عدد یا مقدار اور ایک نصف زیادہ بتاتا ہے جیسے ساڑھے چار سیر یعنی چار سیر اور آدھا سیر۔ یہ ایک اور دو کے عدد کے ساتھ نہیں آتا، ایسے موقعے پر ڈیڑھ اور اڑھائی کے لفظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ ''پونے'' کے معنی ہیں ایک چوتھائی کم۔ جیسے پونے چار یعنی ایک چوتھائی کم چار۔ پون جب تنہا بغیر دوسرے عدد کے آتا ہے تو وہ پونے کی جگہ سمجھا جاتا ہے، جیسے پون روٹی، پون گز، پون سو۔

۴) صفت مقداری

اعداد جس طرح گنتی کے لیے بطور صفت کے استعمال ہوتے ہیں، اسی طرح وہ مقدار یعنی وزن یا ناپ کے لیے بھی استعمال کیے جاتے ہیں، جیسے چار سیر گھی، چار گز کپڑا۔

بعض اور الفاظ بھی شمار اور مقدار کے لیے استعمال ہوتے ہیں لیکن اعداد کی طرح وہ کسی معیّن تعداد یا مقدار کو نہیں بتاتے۔ جیسے، کتنے آدمی بیٹھے ہیں (تعداد)۔ پانی کتنا چڑھ آیا (مقدار)۔ جتنا کھانا کھا سکو کھاؤ (مقدار)۔ اتنا پانی مت پیو (مقدار)۔ اتنے آدمی یہاں نہیں سما سکتے (تعداد)۔

علاوہ اتنا، جتنا، کتنا کے، یہ اور وہ بھی کبھی کبھی مقداری صفت کے معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے یہ ڈھیر کتابوں کا پڑا ہے۔ برسات کا وہ زور ہے کہ خدا کی پناہ۔

۵) صفت ضمیری

وہ ضمیریں جو صفت کا کام دیتی ہیں وہ یہ ہیں:

وہ، یہ، کون، جو، کیا۔

مثالیں: وہ عورت آئی تھی۔ یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ کون شخص ایسا کہتا ہے۔ جو کام تم سے نہیں ہو سکتا اسے ہاتھ کیوں لگاتے ہو؟ کیا چیز گر پڑی؟

یہ الفاظ جب تنہا آتے ہیں تو ضمیر ہیں اور جب کسی اسم کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں تو صفات ہیں۔

صفت کی تذکیر و تانیث اور جمع

اردو میں صرف اُنھیں صفات میں تذکیر و تانیث یا واحد و جمع کا امتیاز ہوتا ہے، جن کے واحد کے آخر میں 'الف' یا 'ہ' (جو الف کی آواز دیتی ہے) ہوتے ہے۔

اسما کی طرح اردو صفات کے آخر کا الف مذکر کی علامت ہے اور یائے معروف تانیث کی۔ جمع کی حالت میں واحد کا آخر الف، یائے مجہول سے بدل جاتا ہے۔ مؤنث میں واحد اور جمع کی صورت یکساں رہتی ہے۔

	واحد	جمع
مذکر	اچھا مرد	اچھے مرد
مؤنث	اچھی عورت	اچھی عورتیں

وہ فارسی اور عربی لفظ جو کثرتِ استعمال سے اردو میں گھل مل گئے ہیں، اس قاعدے کے تحت میں آجاتے ہیں، جیسے سادہ سے سادی، تازہ سے تازی، دیوانہ سے دیوانی، جدا سے جدی لیکن عمدہ سے عمدی فصیح نہیں سمجھا جاتا۔

جن صفات کے آخر میں 'الف'، یا 'ہ' یا ے معروف نہیں ہوتی اُن کی صورت واحد اور جمع، تذکیر و تانیث میں ایک ہی رہتی ہے اور کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

	واحد	جمع
مذکر	گرم کھانا	گرم کھانے
مؤنّث	گرم روٹی	گرم روٹیاں

صفات عددی (باترتیب) میں مذکر کا (اں) مؤنّث میں 'ی' (معروف) اور ں سے بدل جاتا ہے لیکن جب مذکر کے بعد حرفِ ربط آتا ہے تو الف، یائے مجہول سے بدل جاتا ہے لیکن مؤنّث میں حرفِ ربط کے بعد بھی وہی حالت رہتی ہے۔

مثالیں:

مؤنّث	پانچویں	(یائے معروف) عورت
	پانچویں	(یائے معروف) عورت نے
مذکر	پانچواں مرد	
	پانچویں	(یائے مجہول) مرد نے

اردو میں اکثر صفاتی لفظ ایسے ہیں جو تنہا بطور اسمِ عام کے استعمال ہوتے ہیں اور ان کی جمع بھی اسما کی طرح آتی ہے۔ اچھا آدمی (صفت)۔ چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے (اسم)۔ یہ بنگالی لڑکا بہت ذہین ہے (صفت)۔ بنگالی بہت ذہین ہوتے ہیں (اسم)۔

صفات کی تصغیر:

بعض اوقات صفات کی تصغیر بھی آتی ہے۔ جیسے لمبے سے لمبو، موٹے سے مٹلا، چھوٹے سے چُھٹّکا۔

۳۔ ضمیر

وہ الفاظ جو بجائے اسم کے استعمال کیے جاتے ہیں، ضمیر کہلاتے ہیں۔ جیسے، وہ نہیں آیا۔ میں آج نہیں جاؤں گا۔ اس میں (وہ) اور (میں) ضمیریں ہیں۔ ضمیر سے فائدہ یہ ہے کہ بار بار انھیں اسما کو جو گزر چکے ہیں دہرانا نہیں پڑتا اور زبان میں الفاظ کے دہرانے سے جو بدنمائی پیدا ہو جاتی ہے وہ نہیں ہونے پاتی۔

ضمیر کی قسمیں:

(۱) شخصی (۲) موصولہ (۳) استفہامیہ (۴) اشارہ (۵) تنکیر

۱) ضمیر شخصی

(۱) ضمیر شخصی وہ ہے جو اشخاص کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں:

ایک وہ جو بات کرتا ہے اسے متکلم کہتے ہیں۔

دوسرا وہ جس سے بات کی جاتی ہے اسے مخاطب کہتے ہیں۔

تیسرا وہ جس کی نسبت ذکر کیا جاتا ہے اسے غائب کہتے ہیں۔

ضمائر کی حالتیں وہی ہوتی ہیں جو اسم کی ہیں (سوائے حالت خبری کے)۔ ہر ایک کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے:

ضمائرِ متکلم:

	واحد	جمع
فاعلی حالت	مَیں	ہم
مفعولی حالت	مجھے یا مجھ کو	ہمیں یا ہم کو
اضافی حالت	میرا	ہمارا

ضمائرِ مخاطب:

	واحد	جمع
فاعلی حالت	تو	تم
مفعولی حالت	تجھے یا تجھ کو	تمھیں یا تم کو
اضافی حالت	تیرا	تمھارا

ضمائرِ غائب:

	واحد	جمع
فاعلی حالت	وہ	وہ
مفعولی حالت	اُسے یا اُس کو	اُن کو یا اُنھیں
اضافی حالت	اُس کا	اُن کا

اردو ضمائر میں تذکیر و تانیث کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔

ضمائرِ غائب میں واحد اور جمع دونوں کے لیے 'وہ' آتا ہے اور اس میں اشخاص اور اشیا کا امتیاز نہیں ہوتا۔ پرانی اردو میں واحد کے لیے 'وو' اور جمع کے لیے 'وے' استعمال ہوتا تھا۔

'تُو' بے تکلفی اور محبت کے لیے آتا ہے، جیسے ماں بچے سے، گرو چیلے سے باتیں کرتا ہے یا مخاطب کی کم حیثیتی کو ظاہر کرتا ہے، جیسے آقا نوکر سے باتیں کرتے وقت استعمال کرتا ہے۔ بعض اوقات بہت بے تکلف دوست بھی تُو کہہ کر باتیں کرتے ہیں۔

نظم میں اکثر مخاطب کے لیے (تُو) لکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے لوگوں اور

بادشاہوں کو بھی اسی طرح خطاب کیا جاتا ہے۔

بعد شاہانِ سلف کے تجھے یوں ہے تفضیل
جیسے قرآں پس توریت و زبور و انجیل

(ذوقؔ)

دعا پر کروں ختم اب یہ قصیدہ
کہاں تک کہوں تو چنیں ہے چناں ہے

(میرؔ)

دعا مانگتے وقت خدا سے بھی 'تُو' سے خطاب کیا جاتا ہے۔ دوسرے مواقع پر واحد مخاطب کے لیے (تم) ہی استعمال کرتے ہیں، لیکن اصل بات یہ ہے کہ سوائے بے تکلفی کے موقع کے 'تم' بھی اکثر نوکروں اور چھوٹے لوگوں سے خطاب کرتے وقت بولا جاتا ہے؛ ورنہ اکثر اور عموماً واحد مخاطب اور جمع مخاطب دونوں کے لیے 'آپ' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

'آپ' تعظیماً واحد غائب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے 'اگرچہ لوگ طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے تھے مگر آپ کو کبھی ملال نہ ہوتا'۔ یا جب کوئی شخص کسی کو دوسرے سے ملاتا ہے تو تعظیماً کہتا ہے کہ 'آپ فلاں شہر کے رئیس ہیں۔ آپ شاعر بھی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

'ہم' ضمیر متکلم جمع میں استعمال ہوتا ہے، لیکن بڑے لوگ بجائے واحد متکلم کے بھی استعمال کرتے ہیں۔ جیسے 'ہم نے جو حکم دیا تھا اس کی تعمیل کیوں نہیں کی گئی'۔ نظم میں یہ تخصیص نہیں۔ وہاں اکثر واحد متکلم کے لیے بھی آتا ہے:

ہم بھی تسلیم کی خُو ڈالیں گے
بے نیازی تیری عادت ہی سہی

ایک ہم ہیں کہ دیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنھیں تصویر بنا آتی ہے

کبھی متکلم عمومیت کے خیال سے 'ہم' استعمال کرتا ہے جیسے، 'ایک روز ہمیں یہ سب

کچھ چھوڑنا پڑے گا'۔'ترقی کیسی! ہماری حالت ہی اس قابل نہیں۔

کبھی متکلم اپنے لیے 'ہم' کا استعمال کرتا ہے، جیسے 'یہ چند روزہ صحبت غنیمت ہے، ورنہ پھر ہم کہاں تم کہاں'۔ 'ہماری قسمت ہی بری ہے؛ جو کام کیا بگڑ گیا'۔ 'وہ بڑے ضدی ہیں کسی کو کیوں ماننے لگے؛ آخر ہمیں کو دینا پڑا'۔

بعض اوقات اس کا استعمال مبہم ہوتا ہے اور یہ صحیح طور سے نہیں معلوم ہوتا کہ متکلم کے ساتھ اور کون شریک ہیں۔ مثلاً کوئی کہے "میرا ساتھ کون دے گا" اس کے جواب میں دوسرا شخص کہے "ہم سب تمھارا ساتھ دیں گے"۔ اگرچہ کہنے والا واحد ہے مگر دوسروں کو بھی شریک کرلیتا ہے۔

بعض اوقات اس کے ساتھ دوسرے الفاظ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جیسے رعایائے سرکار۔ ہم شرکائے مجلس۔

کبھی کبھی محض انکسار کی غرض سے جبکہ اپنی شخصیت کا اظہار سننے والوں کے سامنے مناسب خیال نہیں کیا جاتا۔ گویا متکلم اپنی رائے یا فعل کو دوسروں کی آڑ میں چھپا لیتا ہے۔ جیسے 'ہماری رائے میں تعلیم کی اصلاح میں نہایت سرگرمی سے کوشش کرنی چاہیے'۔

اس کا استعمال زیادہ تر اخباروں کے اڈیٹر کرتے ہیں جو گویا اہلِ ملک کے نائب ہیں۔

بعض اوقات یار اور یاروں کا لفظ واحد متکلم کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے 'یار تو گوشۂ تنہائی میں رہتے ہیں کہیں آئیں نہ جائیں'۔ 'یاروں سے بچ کر کہاں جائے گا'۔ یاروں کا لفظ واحد متکلم اور جمع متکلم دونوں کے لیے آتا ہے۔ مگر عموماً بے تکلفی کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ یہ استعمال کسی قدر عامیانہ سمجھا جاتا ہے:

کیا مدِنظر تم کو ہے یاروں سے تو کہیے
گر منہ سے نہیں کہتے اشاروں سے تو کہیے

(ذوقؔ)

جب کسی جملے میں کوئی اسم یا ضمیر فاعلی حالت میں ہو اور وہی مفعول بھی واقع ہو تو

بجائے ضمیر مفعولی کے 'آپ کو'، 'اپنے تئیں' یا 'اپنے آپ' کو استعمال کرتے ہیں، جیسے 'احمد آپ کو دُور کھینچتا ہے' یا 'اپنے تئیں بڑا آدمی سمجھتا ہے' یا 'اپنے کو فاضل خیال کرتا ہے'۔

اسی طرح جب کوئی اسم یا ضمیر کسی فقرے میں فاعل ہے اور اس کی اضافی حالت لانی منظور ہو تو بجائے اصل ضمیر اضافی کے اپنا، اپنی، یا اپنے، حسبِ موقع استعمال ہوں گے، جیسے احمد اپنی حرکت سے باز نہیں آتا۔ تم اپنا کام کرو مجھے اپنے کام سے فرصت نہیں۔ وہ خود تو چلے گئے مگر اپنا کام مجھ پر چھوڑ گئے۔ یہ اُسی حالت میں ہے جبکہ فاعل ایک ہو۔ اگر فاعل الگ الگ ہیں تو (اپنے) کی ضمیر نہیں آئے گی بلکہ جس ضمیر کا موقع ہوگا اُسی کی اضافی حالت لکھی جائے گی۔ جیسے 'وہ تو چلے گئے مگر اُن کا کام مجھ پر آپڑا'۔ یہاں 'چلے گئے' کا فاعل وہ ہے اور آپڑا کا فاعل ان کا کام ہے۔ جیسے 'تم تو چلے گئے مگر تمھارا کام انھوں نے مجھے سونپ دیا'۔ یہاں چلے گئے کا فاعل تم ہے اور سونپ دیا کا فاعل انھوں نے۔

اپنا، اپنی اور اپنے مضاف کے لحاظ سے حسبِ ترتیب واحد مذکر، واحد و جمع مؤنث اور جمع مذکر کے لیے آتے ہیں۔ اگر حروفِ ربط میں سے کوئی مضاف کے بعد آجاتا ہے تو (اپنا) بدل کر (اپنے) ہوجاتا ہے۔ جیسے 'وہ اپنے کام سے غافل ہے'۔ 'وہ اپنے ہوش میں نہیں'۔

دراصل ایسے فقروں میں اصل ضمیریں اپنا، اپنے، اپنی سے بدل گئی ہیں۔ مثلاً 'مجھے اپنے کاموں سے فرصت نہیں'۔ اصل میں تھا مجھے میرے کاموں سے فرصت نہیں۔

'آپ' اور 'اپنا' دوسرے ضمائر کے ساتھ تاکید کے لیے بھی آتے ہیں۔ مثلاً حالت فاعلی میں: میں آپ گیا تھا۔ وہ آپ آئے تھے۔ ہم آپ آئے تھے۔ تم آپ گئے تھے۔ حالت اضافی میں: جیسے میرا اپنا کام تھا۔ یہ ان کا اپنا باغ ہے:

میرا اپنا جدا معاملہ ہے
اور کے لین دین سے کیا کام

(غالبؔ)

فارسی کا لفظ خود بھی (جس کے معنی آپ یا اپنے کے ہیں) اِنھیں معنوں میں آتا ہے جیسے اُنھوں نے خود فرمایا۔ 'خود' بعض حالتوں میں زیادہ فصیح ہے، اور خصوصاً حالتِ مفعولی میں۔ جیسے 'میں نے خود اسے دیا'، یہاں خود کے استعمال سے ابہام پایا جاتا ہے کہ خود کا تعلق 'میں' سے ہے یا 'اُسے' سے۔ لہٰذا اس کے رفع کے لیے ایسے موقعوں پر استعمال کی یہ صورت ہونی چاہیے کہ جس لفظ سے اس کا تعلق ہو اس کے اوّل استعمال کیا جائے۔ مثلاً اگر یہاں 'خود' کا تعلق 'میں' سے ظاہر کرنا مقصود ہو تو یوں کہا جائے ''خود میں نے اُسے دیا'' مگر حالت اضافی میں خود کا استعمال فصیح نہیں ہے۔ ایسے موقع پر 'اپنا' زیادہ فصیح ہے۔ مثلاً ''خود کا کام خود کرنا چاہیے'' کی بجائے ''اپنا کام آپ کرنا چاہیے'' زیادہ فصیح ہوگا۔

۲۔ ضمیر موصولہ:

وہ ہے جو کسی اسم کے بجائے آتی ہے مگر اس کے ساتھ ہمیشہ ایک جملہ ہوتا ہے جس میں اس کے اسم کا بیان ہوتا ہے۔ جیسے 'وہ کتاب جو کل چوری ہوگئی تھی مل گئی'۔ 'آپ کے دوست جو چیچک رو ہیں مجھے ملے تھے'۔ پہلے جملے میں 'جو' کتاب کے لیے اور دوسرے میں 'جو' دوست کے لیے ہے اور ساتھ کے جملوں میں دونوں اسموں کا بیان ہے۔

ضمیر موصولہ صرف 'جو' ہے۔ جس کی مختلف حالتیں یہ ہیں:

		واحد	جمع
فاعلی حالت		جس نے	جنھوں نے
مفعولی حالت		جس کو یا جسے	جن کو یا جنھیں
اضافی حالت	(مذکر)	جس کا	جن کا
	(مؤنث)	جس کی	جن کی

جن کو، جنھیں، جنھوں نے، جن کا، اگرچہ جمع ہیں مگر تعظیماً، واحد کے لیے آتے ہیں۔

جس اسم کے لیے یہ ضمیر آتی ہے، اسے مرجع کہتے ہیں۔

ضمیر موصولہ ہمیشہ ایک جملے کے ساتھ آتی ہے اور دوسرا جملہ اس کے جواب میں ہوتا ہے مثلاً 'وہ کتاب جو کل خریدی تھی، جاتی رہی'۔ اس میں دو جملے ہیں ایک ''جو کل خریدی تھی'' دوسرا ''وہ کتاب جاتی رہی۔'' اس میں ''جو'' ضمیر موصولہ ہے۔

(جو) حالت فاعلی میں واحد اور جمع دونوں میں یکساں استعمال ہوتا ہے مگر جب فاعل کے ساتھ 'نے' ہو تو واحد میں 'جو' بدل کر 'جس' اور جمع میں 'جنھوں' ہو جاتا ہے۔ مثلاً جس نے ایسا کیا برا کیا۔ وہ لوگ جنھوں نے قصور کیا تھا معاف کر دیے گئے۔

کبھی (جو) کے جواب میں فقرہ ثانی میں 'سو' آتا ہے، جیسے جو ہو سو ہو؛ جو چڑھے گا سو گرے گا۔

'جون' بھی ہندی ضمیر موصولہ ہے مگر اردو میں 'سا' کے ساتھ مل کر آتا ہے۔ جیسے، ان میں سے جون سا چاہو لے لو۔ جمع میں 'جون سے' اور واحد و جمع مؤنث میں 'جون سی' استعمال ہوتا ہے۔

کبھی 'کہ' بطور ضمیر موصولہ کے استعمال ہوتا ہے، جیسے:

میں کہ آشوب جہاں سے تھا ستم دیدہ بہت
امن کو سمجھا غنیمت دل غم دیدہ بہت

(آزاد)

جو، جس اور جن بہ تکرار بھی آتے ہیں، اور واحد یا جمع کی حالت میں ان کا اطلاق فرداً فرداً ہوتا ہے۔ مثلاً 'جو جو پسند ہو لے لو'۔ 'جن جن کے پاس گیا، انھوں نے یہی جواب دیا'۔

۳۔ ضمائر استفہامیہ:

جو سوال پوچھنے کے لیے آتی ہیں، دو ہیں۔ کون اور کیا۔ ''کون'' جان دار کے لیے آتا ہے، ''کیا'' بے جان کے لیے۔ جیسے: کون کہتا ہے، کیا چاہیے۔

''کون'' کی مختلف حالتیں یہ ہیں:

	واحد	جمع
فاعلی حالت	کون اور (نے کے ساتھ)	کون (نے کے ساتھ)
مفعولی حالت	کسے یا کس کو، کس سے	کن کو یا کنھیں، کن سے
اضافی حالت	کس کا	کن کا

جیسے، کون کہتا ہے۔ کس نے کہا۔ کس کے پاس ہے۔ کس کو دیا؟ کن، اب صورت فاعلی میں ضمیر کے بجائے نہیں آتا ہے بلکہ اسم کے ساتھ آتا ہے، جیسے کن لوگوں نے کہا؟ کس کس، کن کن اور کیا کیا بھی استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے کس کس کو رووٗں، کن کن سے کہوں، کیا کیا کروں؟

کون کون بھی بولتے ہیں۔ جیسے، وہاں کون کون تھے۔

ان فقروں میں فعل کئی اشخاص یا اشیا پر فرداً فرداً واقع ہوتا ہے اور جمع کا ہونا بتاتا ہے۔

کون سا (کون سی، کون سے) بھی بجائے ضمیر مستعمل ہے۔ کون اور کون سا میں فرق اتنا ہے کہ 'کون سے' میں ذرا خصوصیت پائی جاتی ہے اور یہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جبکہ کئی چیزوں میں سے کسی ایک کا انتخاب مقصود ہو۔ مثلاً ان میں سے کون سی چاہیے؟ یہاں 'کون' نہیں کہیں گے۔ 'سا' کے ساتھ 'کون' اشخاص اور اشیا دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

۴۔ ضمیرِ اشارہ:

جو بطور اشارہ کے استعمال ہوتی ہے۔ 'وہ' بعید کے لیے اور 'یہ' قریب کے لیے۔ ضمائر اشارہ اور ضمائر غائب شخصی ایک ہی ہیں لیکن جب بطور اشارہ استعمال ہوتی ہیں تو انھیں ضمائر اشارہ کہتے ہیں ۔ جیسے، وہ لوگے یا یہ۔ حروفِ ربط کے آنے سے وہ، اُس سے اور یہ، اِس سے بدل جاتا ہے اور جمع میں اُن اور اِن ہو جاتا ہے۔

دین اور فقر تھے کبھی کچھ چیز
اب دھرا کیا ہے اُس میں اور اِس میں

۵۔ ضمائرِ تنکیر:

وہ ہیں جو غیر معیّن اشخاص یا اشیا کے لیے آئیں۔ ضمائرِ تنکیر دو ہیں، 'کوئی' اور 'کچھ'۔

'کوئی' اشخاص کے لیے اور 'کچھ' اشیا کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کوئی ہے؟ کوئی نہیں بولتا۔ کچھ ہے یا نہیں؟ کچھ نہ کہو۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے؟

حروفِ ربط کے آنے سے 'کوئی' کی صورت 'کسی' ہوجاتی ہے۔ جیسے کسی کے پاس نہیں۔ کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری۔

جب یہ ضمائر تکرار کے ساتھ کوئی کوئی اور کچھ کچھ استعمال ہوتی ہیں تو اس میں خاص زور پایا جاتا ہے مگر معنی قلت کے آتے ہیں، جیسے اب بھی کوئی کوئی نظر پڑ جاتا ہے۔ اگرچہ نایاب ہے مگر کسی کسی کے پاس اب بھی مل جاتی ہے۔ ابھی کچھ کچھ درد باقی ہے۔ نفی کے ساتھ بھی یہ تکرار آتا ہے۔ جیسے: ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا۔ کوئی نہ کوئی مل ہی رہے گا۔

عربی کے الفاظ 'بعض' اور 'بعضے' بھی ضمیر تنکیر کا کام دیتے ہیں۔ بعض کا یہ خیال ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں۔ 'بعض' تکرار کے ساتھ بھی آتا ہے، جیسے بعض بعض ایسے بھی ہیں۔ اسی طرح 'فلاں'، 'کُل' اور 'چند' بھی بطور ضمیرِ تنکیر کے استعمال ہوتے ہیں۔

ضمائرِ تنکیری دوسرے ضمائر کے ساتھ مل کر مرکب بھی آتی ہیں، جیسے جو کوئی، جو کچھ، جس کسی، ہر کوئی۔ جیسے: جس کسی سے کہتا ہوں وہ اُلٹا مجھی کو قائل کرتا ہے۔ جو کچھ کہو بجا ہے۔ ہر کوئی یہی کہتا ہے۔ جو کچھ ہے غنیمت ہے۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔

صفاتِ ضمیری:

یہ وہ صفات ہیں جن میں کم وبیش ضمیر کی خاصیت بھی پائی جاتی ہے۔ یہ الفاظ جو اس میں داخل ہیں یا صفات ہوتے ہیں یا ضمیر۔ اسم کے ساتھ آنے سے صفات ہوجاتے ہیں اور بغیر اسم کے ضمیر۔ ان میں سے ایک تو وہ ہیں جو ضمیری مادوں کے آگے 'تا'، 'تنا' اور 'سا' بڑھ کر بنائے گئے ہیں اور باقی دوسرے الفاظ ہیں۔ ضمیری مادے ہندی میں پانچ ہیں۔

(۱)یا य ای इ (۲)وا व او उ (۳)جا ज جی जी

(۴)سا स تی ती (۵)کا क کی की

ان صفات کی دو قسمیں ہیں ایک صفات ذاتی، دوسری صفات مقداری۔

صفات ذاتی	صفات مقداری
ایسا	اِتنا(اِتا)
ویسا	اُتنا(اُتا)
جیسا	جتنا(جِتّا)
کیسا	کتنا(کِتّا)

ان کے علاوہ دوسرے الفاظ یہ ہیں:

ایک، دوسرا، دونوں، اور، بہت، بعض، بعضے، غیر، سب، ہر، فلاں (فلانا)، کئی، کے، چند، کُل۔

'ایک' دراصل صفتِ عددی ہے۔ جب ضمیر ہوتا ہے تو اس کے جواب میں دوسرا آتا ہے۔ جیسے ایک یہ کہتا ہے، دوسرا یہ کہتا ہے۔ کبھی جواب میں دوسرے کے بجائے 'ایک' ہی استعمال ہوتا ہے، جیسے ایک آتا ہے ایک جاتا ہے۔ کبھی ایک اور دوسرا مل کر آتے ہیں اور تعلق باہمی ظاہر کرتے ہیں، جیسے ایک دوسرے سے محبت کرو۔

'ہر' کبھی اکیلا اور بطور اسم کے استعمال نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ 'ایک' یا 'کوئی' کے ساتھ مل کر آتا ہے۔ ہرایک، ہرکوئی۔ ایسی حالت میں اسے ضمیر کہہ سکتے ہیں۔

'اور'۔ جیسے، مجھے اور سے کیا مطلب۔ اس کی جمع بھی آتی ہے۔ جیسے، مجھے اوروں سے کیا غرض۔

'بہت' کی ایک اور صورت ''بہتیرا'' ہے جس سے کثرت ظاہر ہوتی ہے اور اکثر تمیز فعل واقع ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سا بھی مستعمل ہے۔ بہت سے، بہتیرے، بطور ضمیر کے استعمال ہوتے ہیں، جیسے بہتیرے یہ رائے رکھتے ہیں۔ بہت سے یہ کہتے ہیں۔

'کئی' اور 'کے' بطور ضمیر کے بھی آتے ہیں۔ 'کئی' کے ساتھ 'ایک' بھی مل کر آتا ہے۔ جیسے کئی ایک اور اسی طرح کتنے ایک بھی مستعمل ہے۔ مثلاً کے چاہییں؟ کئی ایسے ہیں جو اسے نہیں مانتے۔ کئی ایک کی یہ رائے ہے۔ بعض کی یہ رائے ہے۔ سب چلے گئے وغیرہ۔

ضمائر کے ماخذ:

اردو، کی تمام ضمیریں ہندی میں جو سنسکرت اور پراکرت سے ماخوذ ہیں۔ ان کی اصل کا پتا لگانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، لہٰذا مختصر طور پر یہاں بحث کی جاتی ہے۔

'میں'۔ سنسکرت میں ضمیر واحد متکلم ''میا'' پراکرت میں ''مے'' اردو افعال متعدی میں، جو 'میں' کے ساتھ 'نے' استعمال ہوتا ہے وہ زائد ہے۔ چناں چہ مارواڑی، قدیم بیسواڑی اور دیگر پرانی ہندی اور دکنی میں بغیر 'نے' کے استعمال ہوتا ہے۔ پنجابی میں بھی 'میں' ہے، مرہٹی میں 'می' آتا ہے۔

'تو'۔ سنسکرت کی واحد صورت فاعلی 'توم' سے ہے۔ ہندی کی بعض زبانوں (مثلاً مارواڑی اور قدیم بیسواڑی نیز پرانی اردو) میں توں اور تیں استعمال ہوتا ہے۔

'مجھ اور تجھ'۔ پراکرت کی اضافی حالت مُجھا اور تُجھا سے پیدا ہوئے ہیں جو بجائے مہہ اور توہ کے ہیں۔ مہا اور توہا عوام کی پراکرت میں استعمال ہوتا تھا۔ پراکرت سورت مجھا اور تجھا کے آگے 'ہی' کے اضافہ کرنے کے مجھا ہی تجھا ہی ہوا، اور اس سے مجھے تجھے بنے۔

'میرا تیرا'۔ اسی طرح بنے کہ قدیم اضافی صورت مہا کے آگے حرف اضافت کیرا یا کیرو کو (سنسکرت کرتا) بڑھا دیا گیا۔ بعض قواعد نویسوں نے عوام کی پراکرت کی صورت اضافی مہا کیرو بتائی ہے جن سے میرا بنا ہے۔ چناں چہ مارواڑی اور بسواڑی میں مہانرو، مہانلو مستعمل ہے۔ پراکرت کا کاف اڑ گیا، اس کے بعد میرو یا میرا اور تیرا بن گیا۔

'ہم'۔ پراکرت کی جمع متکلم حالت فاعلی مہے (امہے) سے بنا ہے، یہ صورت مارواڑی زبان میں اب تک قائم ہے۔ بنگالی ''آمی'' گجراتی ''امے'' مرہٹی ''امہی''۔ مفعولی حالت 'ہمیں' بھی اسی سے بنی ہے کیوں کہ اس کی پراکرت صورت 'امہائیں' ہے اور اسی طرح تمھیں 'تمھائیں' سے بن گیا۔ ہمارا، تمھارا، کی اصل یہ ہے کہ امہا اور تمھا کے آگے پراکرت علامت

'کراکاہ' بڑھادی گئی ہے۔ اس سے امہا کراکو اور تما کراکو بنا۔ اس سے برج کا ہمارو اور تمھارو ہوا اوراس سے ہندی ہمارا، تمھارا۔

'یہ'۔ سنسکرت کے لفظ اِشہ سے نکلا ہے۔ ہندی کی مختلف شاخوں میں یہ لفظ ذرا ذرا سے فرق سے موجود ہے۔ مثلاً یاہ، یہو، اِیہ، ایہ، ہے لیکن یہ سب صورتیں اشہ سے نکلی ہیں اور ان سب میں 'ہ' موجود ہے لیکن ایک دوسری صورت یوَ اور یاَ ہے جو پورب میں مستعمل ہے۔ یہ غالباً پراکرات ''امو'' سے نکلی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جس طرح اشارۂ قریب کی صورتیں اشہ اور اماہ سے نکلی ہیں، اسی طرح اشارۂ بعید 'وہ' اُشہ اوراُماہ سے نکلا ہوگا۔ پرانی دکنی اردو میں یہ کے لیے ''اے'' بھی استعمال ہوا ہے۔

'جو، سو اور کون'۔ سنسکرت کے ضمائر یہہ، سَہہ اور کہہ سے نکلے ہیں۔ 'کون' کے متعلق بعض کا یہ خیال ہے کہ سنسکرت کی مفعولی حالت کم سے بنا ہے۔ اسی طرح 'جون' پر قیاس کرنا چاہیے۔ سنسکرت کی واحد اضافی حالت یسیا تھی، پراکرت جسا (جیم کا زبر) یاجِسا (جیم کا زیر) ہوئی۔ آخری حرفِ علت گر گیا اور ''جس'' کی صورت قائم ہوگئی۔

سنسکرت ''کا کوپی'' پراکرت میں 'کوبی' ہوا اور اسی سے ہندی 'کوئی' نکلا۔ 'کا'یا' کی' تمام ضمائر تنکیر اور ضمائر استفہامیہ کا اصل مادہ ہے۔ ''کسی'' بھی اسی مادے سے نکلا ہے۔ سنسکرت میں اضافی حالت کسیاپی تھی، اس سے 'کسی' بنا۔

'کیا'۔ ہندی 'کاہ' یا' کہا'۔ اس کی اصل بھی 'کی' معلوم ہوتی ہے۔

سنسکرت کے کشچت سے کچھک اوراس سے کچھ بنا۔

'آپ' (بمعنی خود) کی اصل سنسکرت کا لفظ آتمن ہے۔

'آپ نے اور اپنا'۔ پراکرت کی صورت آتمنکا سے ماخوذ ہے۔

'آپس'۔ کی نسبت یہ خیال ہے کہ وہ پراکرت کی صورت اضافی آپسا سے بنا ہے۔

آپ (تعظیمی) بھی آتمن سے ماخوذ ہے جو بعض ہندی بولیوں میں آپن اور آپو ہوا اور وہاں سے آپ بنا۔

۴۔ فعل

فعل وہ ہے کہ جس سے کسی شے کا ہونا یا کرنا ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے، تماشا شروع ہوا۔ اُس نے خط لکھا۔ ریل چلی۔

فعل کی بلحاظ معنوں کے تین قسمیں ہیں:

۱۔ لازم
۲۔ متعدی
۳۔ ناقص

فعلِ لازم وہ ہے جس میں کسی کام کا کرنا پایا جائے، مگر اُس کا اثر صرف کام کرنے والے یعنی فاعل تک رہے اور بس۔ جیسے احمد آیا۔ پپیہا بولا۔

فعلِ متعدی وہ ہے جس کا اثر فاعل سے گزر کر مفعول تک پہنچے (مفعول یعنی جس پر فعل کا اثر ہو)، جیسے، احمد نے خط لکھا۔ یہاں 'لکھا' فعل ہے، 'احمد' اُس کا فاعل اور 'خط' (جس پر لکھنے کا فعل واقع ہوا ہے) مفعول ہے۔

فعلِ ناقص وہ ہے جو کسی پر اثر نہ ڈالے بلکہ کسی اثر کو ثابت کرے جیسے احمد بیمار ہے۔ اس جملے میں فعل کا کرنا نہیں بلکہ ہونا پایا جاتا ہے۔ احمد جو یہاں فاعل ہے کام کرنے والا نہیں بلکہ فعل کا سہنے والا ہے اور ''بیمار'' اس کی حالت کی خبر دیتا ہے۔

افعالِ ناقص اکثر یہ آتے ہیں۔ ہونا، بننا، نکلنا، رہنا، پڑنا، لگنا، نظر آنا، دکھائی دینا۔

ان میں 'ہونا' تو ہمیشہ فعل ناقص کے طور پر استعمال ہوتا ہے لیکن باقی افعال کبھی لازم ہوتے ہیں اور کبھی ناقص۔ علاوہ ان کے ہوجانا، بن جانا، معلوم ہونا، بھی افعال ناقص کا کام دیتے ہیں جیسے وہ مکّار معلوم ہوتا ہے۔ وہ پاگل ہوگیا۔

مثالیں:

وہ چالاک ہے	احمد بے خبر تھا		(ہونا فعل ناقص)
وہ جاہل ہی رہا	(ناقص)	وہ شہر میں رہتا ہے	(لازم)
وہ بڑا بیوقوف نکلا	ایضاً	وہ دروازے سے نکلا	ایضاً
وہ امیر بن گیا	ایضاً	میں ڈاکٹر بنوں گا	ایضاً
وہ بیمار نظر آتا ہے	ایضاً	تم کو کچھ نظر نہیں آتا	ایضاً
وہ ہوشیار دکھائی دیتا ہے	ایضاً	وہ مجمع میں کہیں دکھائی تو دیا تھا	ایضاً
وہ بھلا لگتا ہے	ایضاً	اس کے اینٹ لگی	ایضاً
وہ بیمار پڑا ہے	ایضاً	میں وہاں پڑا رہا	ایضاً

ان کے علاوہ چند افعال ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو بصورت تو لازم ہیں لیکن معناً ان کا میلان مجہول کی طرف ہوتا ہے۔ فعل کی یہ سب سے سادہ اور ابتدائی قسم ہے جیسے۔ پٹنا، کھلنا، بجنا، بکنا، گھٹنا، کٹنا وغیرہ وغیرہ۔ مثلاً دروازہ کھلا، مال بکا، احمد پٹا۔ اس میں کسی قدر مجہول کی شان پائی جاتی ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ یہ افعال درحقیقت نہ تو متعدی ہیں اور نہ لازم، کیوں کہ فاعل کا فعل ثابت نہیں۔

لوازمِ فعل:

افعال میں علاوہ جنس و تعداد کے، تین چیزیں اور بھی پائی جاتی ہیں:

(۱) طور (۲) صورت (۳) زمانہ

(۱) طورفعل :- وہ حالت ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کام خود فاعل سے صادر ہوایا کام کا اثر کسی پر واقع ہوا۔ فعل کے طور دو ہیں۔

جب فاعل کے کام کا اثر کسی دوسری شے یا شخص پر واقع ہو تو اسے معروف کہتے ہیں، جیسے احمد نے نوکر کو مارا۔ یہاں فاعل کے کام کا اثر نوکر پر واقع ہوتا ہے۔ مگر جب صرف وہ شے یا شخص معلوم ہو جس پر اثر واقع ہوا ہے اور فاعل معلوم نہ ہو تو اسے مجہول کہتے ہیں، جیسے اسے خط سنایا گیا۔ یہاں سنانے والا یعنی فاعل نامعلوم ہے اس لیے اسے مجہول کہتے ہیں۔ مجہول کے معنی نامعلوم کے ہیں۔

(۲) صورت :- ہر فعل کی کوئی نہ کوئی صورت ہوتی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فعل (کام) کس ڈھنگ سے ہوا۔ فعل کی پانچ صورتیں ہوتی ہیں:

۱) خبری ۲) شرطی ۳) احتمالی ۴) امری ۵) مصدری

۱) خبری صورت وہ ہے جو کسی واقعے کی خبر دے یا کسی امر کے متعلق استفسار کرے، جیسے، حامد گر پڑا۔ آپ پانی پئیں گے؟

۲) شرطی صورت، فعل کی وہ صورت ہے جس میں شرط یا تمنا پائی جائے، خواہ حرفِ شرط ہو یا نہ ہو، جیسے وہ آتے تو میں بھی چلتا۔ اس میں بعض اوقات توقع اور خواہش کا بھی اظہار ہوتا ہے، جیسے وہ آتا تو خوب ہوتا۔ یہ مکان مجھے مل جاتا تو اچھا ہوتا۔

۳) احتمالی صورت، جس میں احتمال یا شک پایا جائے۔ جیسے، اسی نے لکھا ہوگا۔ ممکن ہے کہ وہ نہ گیا ہو۔ شاید وہ آجائے۔

۴) امری صورت، جس میں حکم یا التجا پائی جائے۔ جیسے، پانی لاؤ۔ تشریف لائیے۔

۵) مصدری صورت، جس میں کام کا ہونا بلا تعیّنِ وقت کے ہو۔ اس کے آخر میں ہمیشہ 'نا' ہوتا ہے۔ جیسے ہونا، کرنا، کھانا۔ حقیقت میں یہ ایک قسم کا فعلی اسم ہے جو تجریدی طور پر فعل کے کام یا حالت کو بتاتا ہے اور زمانہ اور تعداد سے بَری ہوتا ہے۔

(۳) زمانہ :- فعل کے لیے زمانے کا ہونا ضروری ہے۔ زمانے تین ہیں۔ گزشتہ،

جسے ماضی کہتے ہیں۔ موجودہ، جسے حال کہتے ہیں اور آئندہ، جس کا نام مستقبل ہے۔ ہر فعل یا کام کا تعلق بلحاظ زمانے کے ان تینوں میں سے کسی کے ساتھ ضرور ہوگا۔ مادہ، مصدر کی علامت 'نا' گرا دینے سے فعل کا مادہ رہ جاتا ہے اور اس سے اکثر با قاعدہ افعال بنتے ہیں۔ مثلاً 'ملنا' کا مادہ مل ہے' اور 'چلنا' کا چل۔ ہندی فعل کا مادہ صورت میں امر مخاطب کے مشابہ ہوتا ہے۔

حالیہ ناتمام وتمام۔ فعل کے مادے سے حالیہ ناتمام وتمام بنتے ہیں۔

۱) حالیہ تمام، مادے کے آخر میں 'تا' بڑھانے سے بنتا ہے۔

۲) حالیہ تمام، مادے کے آخر میں 'ا' بڑھانے سے بنتا ہے۔

ذیل کی مثالوں سے پوری کیفیت معلوم ہوگی:۔

مصدر	مادہ	حالیہ ناتمام	حالیہ تمام
ٹلنا	ٹل	ٹلتا	ٹلا
ڈرنا	ڈر	ڈرتا	ڈرا
کھلنا	کھل	کھلتا	کھلا

لیکن جہاں مادے کے آخر میں 'ی' یا 'و' ہوگا وہاں (یا) بڑھانا پڑے گا۔ جیسے کھا سے کھایا، پی سے پیا، کھو سے کھویا۔

یہ بھی خیال رہے کہ جب آخر میں (ی) معروف ہے تو حالیہ تمام کے اوّل اس کی صورت صرف زبر کی رہ جاتی ہے جیسے پی سے پیا۔

مؤنث اور جمع کی صورت میں تبدیلی عام قاعدے کے مطابق ہوتی ہے۔ جیسے:

مذکر واحد	مذکر جمع	مؤنث واحد	مؤنث جمع
لاتا	لاتے	لاتی	لاتیں
لایا	لائے	لائی	لائیں

سہ حرفی مادوں میں دوسرے حرف کی حرکت ساکن ہو جاتی ہے۔ جیسے نکل سے نکلا، پھسل سے پھسلا وغیرہ۔

البتہ چھ مفصلۂ ذیل مصادر میں حالیہ، خلاف مادۂ افعال آتا ہے:-

ہونا، سے ہوا۔ مرنا، سے موا۔ کرنا، سے کیا۔ دینا، سے دیا۔ لینا، سے لیا۔ جانا سے گیا۔

تیسری صورت حالیہ معطوفہ کی ہے جو مادے کے آخر "کے" یا "کر" لگانے سے بنتا ہے۔ جیسے کھا کر، جا کر، مل کے، سُن کے۔

جب حالیہ کے ساتھ 'ہُوا' آتا ہے تو صفت کے معنی دیتا ہے۔ جیسے کھویا ہوا، روتا ہوا وغیرہ۔

بعض اوقات ہوا کے بغیر بھی صفت کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسے کھلا مکان۔ پھٹا جوتا، روتی صورت۔

افعال کے مختلف صیغوں کے بنانے کا طریقہ

افعال کے مختلف صیغے تین طرح سے بنتے ہیں۔ اوّل مادہ سے، دوم، حالیہ تمام اور امدادی افعال کے ذریعے سے، سوم حالیہ ناتمام اور امدادی افعال کی مدد سے۔

ہر کام کی تین حیثیتیں ہوتی ہیں (۱) کام جو ختم ہو چکا ہے۔ (۲) جو شروع ہو چکا ہے اور ختم نہیں ہوا۔ (۳) جو ابھی شروع نہیں ہوا۔

افعال کے تمام صیغے ان تین شقوں میں آجاتے ہیں۔ اب ہم زمانے کے لحاظ سے مختلف افعال کے بنانے کا ذکر کرتے ہیں لیکن اس سے قبل فعل 'ہونا' کی گردان لکھ دینی مناسب معلوم ہوتی ہے کیوں کہ ماضی اور حال کے اکثر صیغے اسی فعل کی مدد سے بنتے ہیں۔

ماضی

واحد	جمع
وہ تھا	وہ تھے
تو تھا	تم تھے
میں تھا	ہم تھے

حال

واحد	جمع
وہ ہے	وہ ہیں
تو ہے	تم ہو
میں ہوں	ہم ہیں

امر

واحد	جمع
تو ہو	تم ہو

ہوجیے۔ ہوجیے گا، ہوں۔

مستقبل

واحد	جمع
وہ ہوگا	وہ ہوں گے
تو ہوگا	تم ہوگے
میں ہوں گا	ہم ہوں گے

(دراصل ہونا کا تعلق ان صیغوں سے کچھ نہیں، کیوں کہ ہونا سنسکرت کے فعل 'بھو' سے نکلا ہے۔ حالاں کہ حال کے صیغے سنسکرت کے مادے ''اس'' سے اور ماضی کے صیغے ''ستھا'' سے نکلے ہیں، لیکن اب ہندی اور اردو میں یہ تمام صیغے ہونا ہی کے تحت میں لکھے جاتے ہیں)

فعل ماضی:

افعال ماضی کے اقسام یہ ہیں۔ ماضی مطلق، ناتمام، تمام، شرطیہ، تمنائی، احتمالی۔

ماضی مطلق وہ ہے جس سے محض ایک فعل کے گزشتہ زمانے میں واقع ہونے کی خبر ملے اور بس۔ جیسے احمد گیا، موہن بھاگا۔

ماضی مطلق اس طرح بنتی ہے کہ مادہ فعل کے آخر 'ا' بڑھایا جاتا ہے، جیسے 'بھاگ' سے بھاگا۔ لیکن اگر مادۂ فعل کے آخر میں 'الف' یا 'واو' ہو تو بجائے 'الف' کے 'یا' بڑھا دیتے ہیں۔ مثلاً رو سے رویا، کھا سے کھایا۔ لے اور دے میں ''الف'' کے اضافے سے ''ل'' اور ''د'' کا تلفظ زیر سے کیا جاتا ہے، جیسے لِیا، دِیا۔

'جا' سے گیا، 'کر' سے کیا اور 'مر' سے موا بے قاعدہ ہیں، لیکن موا اب نہیں بولتے۔ اس کے بجائے مرا آتا ہے۔ موا صرف مرکبات میں صفت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، ادھ موا، موئی مٹی۔

ماضی ناتمام یہ ظاہر کرتی ہے کہ گزشتہ زمانے میں کام جاری تھا، جیسے 'وہ کھا رہا تھا' یا 'کھاتا تھا'۔ آخری حالت سے بعض اوقات عادت ظاہر ہوتی ہے، جیسے 'جب کبھی وہ آتا تھا تو ان سے ملنے ضرور جاتا تھا'۔ اس کے ظاہر کرنے کی دو اور صورتیں بھی ہیں جیسے کھایا کرتا تھا، کھاتا رہتا تھا۔ اس کے علاوہ ماضی ناتمام ایک اور طرح بھی ظاہر کی جاتی ہے، مثلاً کہتا رہا، کھاتا رہا، نکلتا رہا۔ اکثر صورت فعل کے متواتر جاری رہنے کو ظاہر کرتی ہے یا کسی ایسی حالت کو بتاتی ہے جبکہ دو کام برابر ہو رہے ہوں، مثلاً 'میں ہر چند منع کرتا رہا مگر وہ بکتا رہا'۔ 'بارش ہوتی رہی اور وہ نہاتا رہا'۔ سوائے ان صورتوں کے، ماضی ناتمام کے ظاہر کرنے کی ایک اور صورت بھی ہے، جیسے پکارا کیا، بکا کیا، سنا کیا۔ معناً اس کی حالت بھی گزشتہ صورت کی سی ہے۔

بعض اوقات آخری علامتِ حذف ہو جاتی ہے جیسے، 'اِس میں لڑائی کی کیا بات تھی، وہ اپنا کام کرتا تم اپنا کام کرتے' (یعنی کرتے رہتے) 'میری عادت تھی کہ پہلے کھانا کھاتا پھر پڑھنے جاتا' (یعنی کھاتا تھا اور جاتا تھا)۔ 'جب کبھی وہ آتے ہزاروں باتیں سنا جاتے' (آتے تھے اور سنا جاتے تھے)

ماضی تمام (بعید) جس سے فعل کا زمانہ گزشتہ میں ختم ہو جانا پایا جاتا ہے۔ حالیہ تمام کے بعد ''تھا'' بڑھانے سے بنتی ہے۔ جیسے 'میں دِلی گیا تھا'۔ اس کی دوسری صورت ''چکا تھا''

بڑھانے سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ اس میں زیادہ زور ہوتا ہے اور اکثر اس وقت استعمال ہوتی ہے جبکہ اس سے پیشتر ایک اور کام ہو چکا ہو۔ جیسے 'وہ میرے پاس آنے سے پہلے نکل چکا تھا'۔ 'میں جا کر کیا کرتا، اس کا کام پہلے ہی ہو چکا تھا'۔

ماضی احتمالی (یا شکیہ) جس میں احتمال یا شک پایا جائے۔ حالیہ تمام کے بعد ''یا ہوگا'' بڑھانے سے بنتی ہے، جیسے آیا ہو، لایا ہو۔ آیا ہوگا، لایا ہوگا۔ 'آیا ہو' میں احتمال کا پہلو زیادہ ہے اور 'آیا ہوگا' میں کم۔ جیسے وہ ضرور آیا ہوگا۔ ممکن ہے وہ آیا ہو۔

ماضی شرطیہ (یا تمنائی) جس میں شرط یا تمنا پائی جائے۔ مادۂ فعل کے بعد ''تا'' بڑھانے سے بنتی ہے، جیسے آتا، جاتا، کرتا۔ 'اگر وہ آجاتا تو اچھا ہی ہوتا'۔ بعض اوقات ماضی شرطیہ سے بھی احتمال کے معنی پیدا ہوتے ہیں جیسے، 'کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ بن بلائے آجاتا۔ میرا خیال ہے کہ وہ آجاتا'۔

دوسری صورت اس کی حالیہ تمام کے بعد ''ہوتا'' بڑھانے سے بنتی ہے۔ جیسے گرا ہوتا، کھایا ہوتا۔ پہلی صورت میں فعل کے وقوع سے تعلق نہیں بلکہ ایک فرضی صورت ہے۔ دوسری صورت میں شرط، فعل کے وقوع کے ساتھ ہے۔

کبھی یہ زمانہ گزشتہ میں محض وقوعِ فعل کو ظاہر کرتی ہے، شرط یا تمنا کا کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ جیسے، 'تمھیں کیا وہ اپنا کام کرتا یا نہ کرتا'۔ 'اوّل میں تمھارے پاس آتا پھر وہاں جاتا، یہ کیوں کر ممکن تھا'۔

فعل حال:

فعل حال سے زمانہ موجودہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کی چھ قسمیں ہیں:

۱) سب سے اوّل وہ سادہ اور قدیم حال مطلق ہے، جس کی صورت سے اب تک اس کی اصل ظاہر ہے، مگر موجودہ حالت میں صاف صاف زمانہ حال کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ زمانہ حال کے ساتھ اُس میں کئی قسم کے معانی کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اردو قواعد

نویسوں نے مضارع کے نام سے اسے ایک الگ فعل قرار دیا ہے اور ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں سے باہر کر دیا ہے۔ حالاں کہ ہر فعل کے لیے ضرور ہے کہ وہ تینوں میں سے کسی ایک زمانے کے اندر ہو۔ بعض انگریز قواعد نویسوں نے اسے مستقبل کے تحت لکھا ہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ درحقیقت یہ ''حال'' ہے اور اب بھی اس میں حال کے معنی پائے جاتے ہیں، اس لیے ہم نے اسے حال ہی کے تحت میں رکھا ہے؛ اگرچہ نام اس کا مضارع ہی مناسب ہوگا۔

مادۂ فعل کے آخر یائے مجہول بڑھانے سے مضارع بنتا ہے جیسے ''لا'' سے ''لائے''۔ جمع غائب میں ''لائیں''، مخاطب میں ''لاؤ'' اور ''لائیں''، متکلم میں ''لاؤں'' اور ''لائیں''۔

مضارع کی جو موجودہ صورت ہے یہی قدیم حال مطلق تھا، مثلاً ''جائے ہے'' کچھ عرصہ پہلے بطور حال مطلق کے استعمال ہوتا تھا، اور اب بھی کہیں کہیں بول چال میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی سے موجودہ حال مطلق ''جاتا ہے'' بنا ہے۔ یعنی اس کے تغیرات کی صورت یہ ہوئی: جاوے، جاوے ہے، جایئے ہے، اور جات ہے، اور جاتا ہے۔ 'جاتا ہے' موجودہ فصیح حال مطلق ہے۔ باقی صورتیں ملک کے مختلف حصّوں میں مستعمل ہیں مگر فصیح نہیں سمجھی جاتیں۔ لیکن موجودہ حال مطلق اِنھیں سے ترش ترشا کر بن گیا ہے۔ زبان میں افعال اور دیگر اجزائے کلام کے متعلق وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں لیکن پھر بھی بعض قدیم صورتیں باقی رہ جاتیں ہیں اور وہ خاص خاص حالتوں میں استعمال ہونے لگتی ہیں۔ یہی حالت مضارع کی ہے۔ اصل ماہیت پر غور نہ کرنے سے دھوکا ہو جاتا ہے۔

۲) امر:- یہ دوسری سادہ صورت، حال کی ہے۔ امر کے معنی حکم کے ہیں۔ یہ عموماً حکم اور التجا کے لیے آتا ہے جیسے جاؤ، چلو، دور ہو، تشریف رکھیے۔ اس کا فاعل اکثر محذوف ہوتا ہے، اس لیے کہ مخاطب سامنے موجود ہے۔ علامتِ مصدر گرا دینے کے بعد باقی

امر رہ جاتا ہے، جیسے کھانے سے کھا، آنے سے آ۔ لیکن بہ نظرِ ادب واخلاق واحد کے لیے جمع بولتے ہیں، جیسے دوسرے افعال میں بھی ہوتا ہے۔ جمع مخاطب امر میں واحد کے بعد واؤ یا یے بڑھا دیتے ہیں ۔ کرو، بیٹھو، بیٹھیے۔ واحد، سوائے بے تکلفی، بچوں یا نوکروں کو خطاب کرنے یا نظم میں خدا کو خطاب کرنے کے، دوسرے مواقع پر استعمال نہیں ہوتا۔ آخری صورت صرف آپ کے ساتھ استعمال ہوتی ہے، جیسے 'آپ بیٹھیے'۔ 'آپ ابھی نہ جایئے'۔

مخاطب کے لیے امر غائب جمع کا صیغہ تعظیماً استعمال کرتے ہیں، جیسے 'آپ تشریف رکھیں'، 'آپ وہاں نہ جائیں'۔ کبھی اور زیادہ تعظیم کے لیے امر کے بعد ''ی'' اور ہمزہ بڑھا دیتے ہیں، جیسے آیئے، کھایئے وغیرہ ۔ یہ دونوں صورتیں آپ کے ساتھ استعمال ہوتی ہیں۔ جس سادہ امر کے آخر میں یٓ ہوتی ہے تو وہاں امر تعظیمی کے لیے قبل یٓ اور ہمزہ کے، جٓ بڑھا دیتے ہیں۔ کیونکہ تین ''یا'' اور ہمزہ کے ایک جگہ جمع ہونے سے تلفظ میں بہت دقت ہوتی ہے، مثلاً کیجیے، لیجیے، دیجیے، پیجیے۔ چوں کہ 'یا' اور 'جا' کا اکثر بدل ہوتا ہے اس لیے سہولت کے خیال سے 'ج' کا استعمال ہوا ہے۔ اس صورت میں امر کے آخر کی یائے مجہول بھی معروف ہو جاتی ہے جیسے دینا اور لینا کی ''ے'' دیجیے، اور لیجیے میں۔ کیجیے 'کر' سے نہیں بنا، بلکہ 'کیا' سے بنایا گیا ہے۔

کبھی اس تعظیمی صورت کے آخر میں مزید تعظیم کے لیے گا بھی بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے آیئے گا، فرمایئے گا، کیجیے گا، (یہ درحقیقت مستقبل کی صورت ہے)۔

کبھی امر مخاطب جمع کی علامت آخر 'واؤ' کے پہلے ایک ''ی'' بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے رہو سے رہیو، بچو سے بچیو۔ یہ صورت 'تو' اور 'تم' کے ساتھ استعمال ہوتی ہے، 'آپ' کے ساتھ نہیں آتی۔ جیسے 'یہاں آئیو'۔ عموماً یہ صورت دعا کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ 'خدا تم کو زندہ وسلامت رکھیو'۔ صد و بست کی عمر ہو جیو'۔ 'مشرکوں پر لعنت ہو جیو'۔

اب یہ صورت بہت کم استعمال ہوتی ہے۔

کبھی لیجے اور دیجے (بغیر یا) بھی مخاطب کے لیے استعمال ہوتے ہیں جیسے:

آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجے

جاتا ہو تو اس کا غم نہ کیجے

لیکن اب اس کا استعمال نہیں ہوتا۔

۳) حال مطلق جس سے زمانہ حال عام طور پر بلا کسی تخصیص کے ظاہر ہوتا ہے۔
جیسے: آتا ہے، کھاتا ہے۔ یہ حالیہ ناتمام کے آگے واحد غائب میں اور واحد مخاطب میں 'ہے' جمع مخاطب میں 'ہو' اور واحد متکلم میں 'ہوں' بڑھانے سے بنتا ہے۔ جمع غائب اور جمع متکلم کی ایک صورت ہے۔ وہ آتے ہیں، ہم آتے ہیں۔ آئے ہے جائے ہے، اب متروک سمجھا جاتا ہے، اگرچہ بول چال میں اب بھی کہیں کہیں مستعمل ہے۔

۴) حال ناتمام جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کام جاری ہے اور ابھی ختم نہیں ہوا، جیسے:
وہ آرہا ہے، وہ کھا رہا ہے، میں پڑھ رہا ہوں۔

مادۂ فعل کے آگے رہا ہے، رہے ہیں، رہا ہوں بڑھانے سے بنتا ہے۔

حال ناتمام ایک دوسری طرح سے بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔ جیسے: مٹائے جاتا ہے، ایک کو ایک کھائے جاتا ہے۔ اس میں کسی قدر زیادہ زور اور فعل کا پے در پے یا متواتر ہونا پایا جاتا ہے۔

۵) حال تمام جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کام ابھی ابھی ختم ہوا ہے۔ جیسے وہ آیا ہے، پیغام لایا ہے۔ حالیہ تمام کے بعد ہے، ہیں، ہوں، بڑھانے سے بنتا ہے۔

کبھی مادۂ فعل کے بعد چکا ہے، چکا ہوں، چکے ہیں بڑھانے سے حال تمام ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے وہ کھا چکا ہے، میں کھا چکا ہوں۔ اس صورت میں مزید تاکید اختتام فعل کی پائی جاتی ہے۔

۶) حال احتمالی جس سے زمانہ حال کے کسی فعل میں احتمال پایا جائے۔ جیسے: وہ آتا ہو، یا وہ آرہا ہو۔ 'آتا ہو' سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کام قریب زمانے میں واقع ہوگا، اگرچہ احتمال ہے؛ اور 'آرہا ہو' سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنے کا فعل جاری ہے، یعنی ظن غالب ہے کہ وہ چل دیا ہے۔ حالت رفتار میں ہے اور آنے کی امید ہے۔ یہی معنی 'آتا ہوگا' اور 'آرہا ہوگا' سے بھی پیدا ہوتے ہیں اور دونوں صورتیں جائز ہیں۔

(بعض اوقات ''گا'' کے اضافے سے بھی ماضی احتمالی کے معنی بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے: آتا ہوگا، لایا ہوگا۔ 'کرتا ہوگا' سے عادت پائی جاتی ہے، مثلاً ہم کسی سے سوال کریں کہ تم نے کبھی اسے ایسا کرتے دیکھا؟ وہ جواب میں کہے ''میں نہیں جانتا، کرتا ہوگا'')۔

فعل مستقبل:

(۱) مستقبل مطلق جس سے محض زمانہ آئندہ پایا جائے۔

مضارع کے بعد 'گا' (یا 'گے' یا 'گی') بڑھا دینے سے بنتا ہے۔ جیسے: کھائے گا، آئے گا۔ مگر مصدر 'ہونا' سے 'ہوگا' مستثنیٰ ہے۔ پرانی اردو میں 'ہوئے گا' استعمال ہوتا تھا، مگر اب متروک ہے۔ 'ہوگا' اب بھی بول چال میں مستعمل ہے اور حال یعنی (ہے) کے معنوں میں آتا ہے، مگر غیر فصیح ہے۔ اسی طرح 'ہوگا' بعض اوقات حال کے معنی دیتا ہے۔ جیسے 'تجھ سے بڑھ کر بھی کوئی بے وقوف ہوگا' (یعنی ہے)۔

(۲) مستقبل مدامی جس میں آئندہ زمانے میں کام کا جاری رہنا پایا جائے۔ جیسے: کرتا رہے گا۔ چلتا رہے گا:

جو اس شور سے میرؔ روتا رہے گا
تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

حالیہ ناتمام کے بعد ''رہے گا'' بڑھانے سے بن جاتا ہے۔

مگر ''جاتا رہے گا''، مستقبل مطلق ہے، جیسے 'اس کا کام جاتا رہے گا'، یعنی ہاتھ سے نکل

جائے گا یا بگڑ جائے گا۔ اس کا مصدر ''جاتا رہنا'' (ضائع ہونا) مصدر مرکب ہے۔

''رہے گا'' سے ایک قسم کا استغنا بھی ظاہر ہوتا ہے، جیسے 'آپ جایئے وہ آتا رہے گا'۔ 'آپ چپ رہیے وہ خود بہ خود پڑھتا رہے گا'۔

کبھی ماضی بھی مستقبل کے معنی دیتی ہے۔ جیسے: اگر وہ آگیا تو ضرور جاؤں گا۔ وہ آیا اور میں چلا (یہاں دونوں ماضیاں مستقبل کے معنی دیتی ہیں)۔

کبھی حال بھی مستقبل کے معنی دیتا ہے، جیسے 'میں کل صبح جاتا ہوں' (اگرچہ زیادہ فصیح نہیں ہے)۔ مصدر کے بعد ''والا'' کا لفظ بھی استقبال کے معنی دیتا ہے اور مصدر ہونا کے حال کے ساتھ اکثر استعمال ہوتا ہے۔ جیسے: میں کتاب لکھنے والا ہوں، وہ اب جانے والا ہے۔ اس سے قریب کا آئندہ زمانہ ظاہر ہوتا ہے۔

بعض اوقات علامت مستقبل گر جاتی ہے، جیسے: ایسا کبھی ہوا اور نہ ہو (یعنی نہ ہوگا)۔

''گا'' علامت مستقبل جدید تراش ہے، پراکرت اور قدیم ہندی میں اس کا کہیں پتا نہیں۔ قدیم ہندی میں زمانۂ مستقبل کو مضارع کے ذریعے سے ظاہر کرتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ یہ طریقہ ناکافی سمجھا گیا اور زیادہ تر امتیاز کے لیے مستقبل کے لیے ایک الگ علامت قائم کی گئی۔

''گا'' دراصل سنسکرت کے مصدر گم (بمعنی جانا) کے حالیہ تمام مجہول 'گتھ' اور پراکرت 'گئو' سے ماخوذ ہے۔ ہندی میں بھی مصدر 'جانا' کا ماضی 'گیا' ہے۔ زمانۂ وسطیٰ کے شعرا نے 'گیا' کا اختصار ''گا'' کر دیا جو مذکر میں استعمال ہوا، اور ''گائی'' اس کی تانیث ہوئی جو بعد میں ''گی'' رہ گئی۔

مصدر کے بعد کا، کے، کی لانے سے بھی مستقبل مطلق کے معنی پیدا ہوتے ہیں، لیکن یہ ہمیشہ نفی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور تاکیدی معنی دیتا ہے۔ جیسے: وہ نہیں آنے کا، میں نہیں جانے کا۔

فعل کی گردان

فعل کی گردان میں تین باتوں کا لحاظ ہوتا ہے۔ جنس، تعداد اور حالت۔

جنس و تعداد:

جنس کے معنی تذکیر و تانیث، تعداد کے معنی واحد و جمع کے ہیں۔

اردو، میں فعل مذکر و مؤنث کی صورت میں فرق ہوتا ہے۔ واحد مذکر غائب میں الف اور مؤنث میں یائے معروف۔ جیسے: آیا اور آئی، تھا اور تھی، آتا اور آتی، ہوگا اور ہوگی۔ جمع مذکر غائب میں یائے مجہول، مؤنث میں اس کے آگے صرف نؔ بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے آ، آئے اور آئیں۔ جن افعال میں اصل فعل کے بعد کوئی دوسرا فعل یا علامت لگائی جاتی ہے، ان کی گردان میں ذرا اختلاف ہے۔ مثلاً ماضی بعید (تمام) و فعل حال مطلق و تمام میں بحالتِ مذکر اصل فعل اور علامت دونوں کو بدلنا پڑے گا۔ جیسے آئے تھے، آیا ہے، آئے ہیں، آتا ہے، آتے ہیں، تو آتا ہے، تم آتے ہو۔ مگر بحالتِ مؤنث صرف امدادی فعل کو بدلنا پڑے گا۔ جیسے آئی تھی، آئی تھیں، آئی ہے، آئی ہیں، آتی ہیں، تو آتی ہے، تم آتی ہو۔

مگر فعل مستقبل میں بحالتِ مذکر تو یہی صورت قائم رہے گی، یعنی اصل فعل اور علامت دونوں بدل جائیں گے، لیکن مؤنث کی صورت میں اصل فعل تو حسبِ معمول بدل جائے گا لیکن علامت مؤنث ایک ہی رہے گی۔ جیسے آئے گی، آئیں گی، آئے گی، آؤ گی، وغیرہ۔

حال امریہ میں مؤنث اور مذکر کی کوئی تمیز نہیں۔ جیسے چل اور چلو، مذکر و مؤنث دونوں کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے۔ تمام افعال کے جمع متکلم میں تذکیر و تانیث کے صیغے یکساں آتے ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ بالمشافہ باتیں کرنے میں تذکیر و تانیث کا امتیاز فضول ہے لیکن جہاں عورتوں وغیرہ کا لفظ یا کوئی اور قرینہ موجود ہو تو فرق کر دیا جاتا ہے، جیسے: ہم سب عورتیں جائیں گی، ہم سب سہیلیاں یا بہنیں جائیں گی۔

حالت:

فعل کی تین حالتیں ہیں۔ غائب، واحد اور متکلم؛ اور ان میں سے ہر ایک کی بہ لحاظ تعداد دو دو حالتیں ہیں، اس لیے کل چھے ہوئیں؛ اور پھر بہ لحاظ جنس کے ان چھے کی دو دو حالتیں ہیں، اس لیے ہر فعل کی بارہ حالتیں ہوئیں؛ ان میں سے ہر ایک کو صیغہ کہتے ہیں۔

گردان افعال:

فعل ماضی

۱۔ ماضی مطلق

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لایا	وہ لائے	تو لایا	تم لائے	میں لایا	ہم لائے
مؤنث	وہ لائی	وہ لائیں	تو لائی	تم لائیں	میں لائی	ہم لائے

۲۔ ماضی تمام (بعید)

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لایا تھا	وہ لائے تھے	تو لایا تھا	تم لائے تھے	میں لایا تھا	ہم لائے تھے
مؤنث	وہ لائی تھی	وہ لائی تھیں	تو لائی تھی	تم لائی تھیں	میں لائی تھی	ہم لائے تھے

۳۔ ماضی ناتمام

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لاتا تھا یا	وہ لاتے تھے یا	تو لاتا تھا یا	تم لاتے تھے یا	میں لاتا تھا یا	ہم لاتے تھے یا
	لایا کرتا تھا	لایا کرتے تھے	لایا کرتا تھا	لایا کرتے تھے	لایا کرتا تھا	لایا کرتے تھے
مؤنث	وہ لاتی تھی یا	وہ لاتی تھیں یا	تو لاتی تھی یا	تم لاتی تھیں یا	میں لاتی تھی یا	ایضاً
	لایا کرتی تھی	لایا کرتی تھیں	لایا کرتی تھی	لایا کرتی تھیں	لایا کرتی تھی	

۴۔ ماضی احتمالی

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لایا ہو	وہ لائے ہوں	تو لایا ہو	تم لائے ہو	میں لایا ہوں	ہم لائے ہوں
	لایا ہوگا	لائے ہوں گے	لایا ہوگا	لائے ہوں گے	لایا ہوں گا	لائے ہوں گے
مؤنث	وہ لائی ہو	وہ لائی ہوں	تو لائی ہو	تم لائی ہو	میں لائی ہوں	ایضاً
	لائی ہوگی	لائیں ہوں گی	لائی ہوگی	لائیں ہوگی	لائی ہوں گی	

۵۔ ماضی شرطیہ

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ گرتا	وہ گرتے	تو گرتا	تم گرتے	میں گرتا	ہم گرتے
	گرا ہوتا	گرے ہوتے	گرا ہوتا	گرے ہوتے	گرا ہوتا	گرے ہوتے
مؤنث	وہ گرتی	وہ گرتیں	تو گرتی	تم گرتیں	میں گرتی	ایضاً
	وہ گری ہوتی	وہ گری ہوتیں	تو گری ہوتی	تم گری ہوتیں	میں گری ہوتی	

فعل حال

۱۔ حال قدیم یا مضارع

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لائے [1]	وہ لائیں	تو لائے	تم لاؤ	میں لاؤں	ہم لائیں
مؤنث	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً

---

(۱) ماضی مطلق جمع غائب اور مضارع واحد غائب کی صورت یکساں ہے، ان میں تمیز کرنا ضروری ہے خصوصاً جبکہ ضمیر غائب واحد اور جمع میں ایک ہی ہے۔

۲۔حال مطلق

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لاتا ہے	وہ لاتے ہیں	تو لاتا ہے	تم لاتے ہو	میں لاتا ہوں	ہم لاتے ہیں
مؤنث	وہ لاتی ہے	وہ لاتی ہیں	تو لاتی ہے	تم لاتی ہو	میں لاتی ہوں	ایضاً

۳۔حال ناتمام

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لارہا ہے	وہ لارہے ہیں	تو لارہا ہے	تم لارہے ہو	میں لارہا ہوں	ہم لارہے ہیں
مؤنث	وہ لارہی ہے	وہ لارہی ہیں	تو لارہی ہے	تم لارہی ہو	میں لارہی ہوں	ایضاً

۴۔حال تمام

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لایا ہے	وہ لائے ہیں	تو لایا ہے	تم لائے ہو	میں لایا ہوں	ہم لائے ہیں
مؤنث	وہ لائی ہے	وہ لائی ہیں	تو لائی ہے	تم لائی ہو	میں لائی ہوں	ایضاً

۵۔حال احتمالی

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ آتا ہو	وہ آتے ہوں	تو آتا ہو	تم آتے ہو	میں آتا ہوں	ہم آتے ہوں
	آتا ہوگا	آتے ہوں	آتا ہوگایا	تم آتے	آتا ہوں گایا	آتے ہوں
	یا آرہا ہوگا	گے یا آرہے	آرہا ہوگا	ہوگے یا	آرہا ہوں گا	گے یا آرہے
		ہوں گے		آرہے ہوگے		ہوں گے
مؤنث	وہ آتی ہو	وہ آتی ہوں	تو آتی ہو	تم آتی ہو	میں آتی ہوں	
	آتی ہوگی یا	آتی ہوں گی یا	آتی ہوگی یا	آتی ہوگی یا	آتی ہوں گی یا	ایضاً
	آرہی ہوگی	آرہی ہوں گی	آرہی ہوگی	آرہی ہوگی	آرہی ہوں گی	

۶۔ امر

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لائے	وہ لائیں	تُو لا	تم لاؤ	میں لاؤں	ہم لائیں
مؤنث	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً

فعل مستقبل

۱۔ مستقبل مطلق

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لائے گا	وہ لائیں گے	تو لائے گا	تم لاؤ گے	میں لاؤں گا	ہم لائیں گے
مؤنث	وہ لائے گی	وہ لائیں گی	تو لائے گی	تم لاؤ گی	میں لاؤں گی	ایضاً

امر دوامی و مستقبل دوامی

رہنا اور اس کے مشتقات بعض دوسرے الفاظ کے ساتھ بطور امدادی فعل کے آتے ہیں۔ اس سے فعل میں دوام کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے جیتا رہ، 'امر دوامی' ہے۔ 'کھاتا رہے گا' مستقبل دوامی ہے 'آ رہا تھا'، 'جا رہا ہے'، ان سب میں یہی معنی پائے جاتے ہیں۔

طور مجہول

اسے مجہول اس لیے کہتے ہیں کہ فعل کا فاعل معلوم نہیں ہوتا۔ طور مجہول عموماً اور اکثر افعال متعدی کا ہوتا ہے۔

جس فعلِ متعدّی کا مجہول بنانا ہو، اس فعل کی ماضی مطلق کے آگے مصدر 'جانا' سے جو زمانہ بنانا منظور ہو، وہی زمانہ بنا کر لگا دیا جائے، مثلاً کھانا سے حال مطلق مجہول بنانا منظور ہے، تو کھانا کے ماضی مطلق کے آگے 'جانا' کا حال مطلق لگا دیا جائے تو وہ ہوگا "کھایا جاتا ہے" اسی

''طرح کھایا جائے گا''، (مستقبل) ''کھایا گیا'' (ماضی مطلق) ''کھایا جاتا تھا'' (ماضی ناتمام) ''کھلایا جائے'' (امر غائب یا مضارع)۔

وہ افعال جو طبعی طور پر مجہول واقع ہوئے ہیں مثلاً پٹنا، لُٹنا، پلنا، کُھلنا، بٹنا (تقسیم ہونا)، چھدنا، سجنا، کٹنا، سِلنا، کِھلنا۔ جیسے وہ پٹا، اب یہاں بظاہر وہ فاعل معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ نہیں ہے۔ پیٹنے والا کوئی اور ہی ہے۔ ''وہ'' صرف قائم مقامِ فاعل ہے۔ اصل میں یوں تھا ''وہ پٹیا گیا۔''

نہ لُٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا

رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

اس شعر میں 'نہ لٹتا' کے معنی ہیں نہ لوٹا جاتا۔ اسی طرح 'آٹا تلا'۔ ظاہر ہے کہ آٹا خود بخود تلتا نہیں تو لنے والا کوئی اور ہے۔ اس لیے 'آٹا' فاعل کیسے ہوسکتا ہے۔ دراصل تھا 'آٹا تولا گیا'۔ اسی طرح 'کپڑے سلے'، 'روپے بٹے'، 'گھوڑا لدا'، 'کان چھدا'، 'دروازہ کھلا'، 'لکڑی کٹی' وغیرہ وغیرہ۔

بعض اوقات فعلِ لازم کے ساتھ بھی طور مجہول استعمال ہوتا ہے جیسے: مجھ سے وہاں جاکر آیا نہ گیا، مجھ سے اتنی دور نہیں چلا جاتا، ''مجھ سے آیا نہیں جاتا۔ لیکن یہ صورت ہمیشہ نفی کے ساتھ آتی ہے اور اس کے معنی بھی خاص ہیں یعنی یہ ہمیشہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کہ فاعل یا قائل کو کسی فعل کا کرنا منظور نہیں، یا وہ اس کے کرنے سے معذور ہے۔ اِنھیں معنوں میں یہ طور مجہول افعال متعدی کے ساتھ بھی آتا ہے، جیسے مجھ سے کھانا کھایا نہ گیا:

گُل میں اس کی سی جو بو آئی تو آیا نہ گیا

ہم کو بن دوشِ ہوا باغ میں لایا نہ گیا (میرؔ)

یہاں 'گیا' کے معنی ''سکے'' کے ہیں، اگرچہ صورت مجہول کی ہے۔ لیکن بعض اوقات 'جانا' بطور فعل امدادی کے دوسرے افعال کے ساتھ آتا ہے، مثلاً کھاجانا، ڈر جانا، اُٹھ جانا۔ لہٰذا ان افعال میں اور طور مجہول میں فرق کرنا چاہیے۔ اس کا امتیاز بہ آسانی اسی طرح ہوسکتا ہے کہ اگر

چاہیے۔ اس وقت آخر کا فعل امدادی (یعنی ہے یا نہیں) نہیں گرتا۔ جیسے: 'نہ خود آتا ہے نہ دوسروں کو آنے دیتا ہے'۔ درحقیقت یہاں فعل حال کی نفی نہیں، بلکہ جملے کی صورت ہی منفی واقع ہوئی ہے۔ حال تمام کے ساتھ بھی ''نہیں'' استعمال ہوتا ہے اور آخر سے فعل امدادی 'ہے' یا 'ہیں' گر جاتا ہے۔ جیسے: وہ اب تک نہیں آیا (آیا ہے۔)[1]

۷۔ ایسے افعال کو جو کسی اسم یا صفت اور فعل سے مرکب ہوں اُن کی نفی دو طرح ہوتی ہے، یا تو حرفِ نفی اسم یا صفت کے اول ہوتا ہے یا فعل کے اول۔ جیسے 'میں یہ کتاب نہیں پسند کرتا' اور 'میں یہ کتاب پسند نہیں کرتا'، 'میں ان باتوں سے نہیں خوش ہوتا' اور 'میں ان باتوں سے خوش نہیں ہوتا'۔ ہماری رائے میں فعل کے ساتھ حرفِ نفی لانا بہتر ہے۔

۸۔ بعض افعال کے آخر میں حرفِ نفی کبھی زائد بھی آتا ہے، مگر اس میں ایک قسم کی تاکید اثباتی پائی جاتی ہے۔ جیسے: آؤ نہ وہاں چلیں۔ آخر مکر گیا نہ:

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب

آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

''نہ'' کے ساتھ ''ہی'' کا استعمال غیر فصیح ہے۔ جیسے: وہ آیا نہ ہی تم آئے۔

افعال کا تعدیہ

سوائے ایک آدھ کے باقی تمام افعالِ لازم متعدی بن سکتے ہیں اور متعدی سے متعدی المتعدی۔ جیسے، ہنسنا سے ہنسانا، چلنا سے چلانا۔ یہ لازم سے متعدی ہوئے۔ دینا سے دلانا، کھانا سے کھلانا، متعدی سے متعدی المتعدی۔

اس کے علاوہ ایک قسم متعدی بہ دو واسطہ کی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ فعل کے وقوع کے لیے دو واسطوں کی ضرورت ہے۔ جیسے کھانا متعدی، کھلانا یہ متعدی بہ یک واسطہ ہے، اور

---

(۱) اس فعل امدادی (ہے) کے گر جانے کی وجہ یہ ہے کہ نہیں میں خود یہ فعل (ہے) موجود ہے کیوں کہ نہیں مرکب ہے نہ اور اہین [अहीं] قدیم حال ہے۔ اور اس لیے (ہے) کی ضرورت نہیں۔

متعدی المتعدی کھلوانا متعدی بہ دو واسطہ۔ یعنی یہ متعدی بہ دو مفعول ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ ''کھلایا'' میں ایک فاعل اور دو مفعول ہیں۔ جیسے میں نے اُسے کھانا کھلایا اور میں نے اُسے کھانا کھلوایا'' میں فاعل میں ہے۔ لیکن کھلانے والا کوئی دوسرا ہے۔ اس لیے دو واسطے ہوگئے۔

ا۔اوّل افعال لازم سے متعدی اور متعدی سے متعدی المتعدی بنانے کے لیے قاعدے لکھے جاتے ہیں:

(ا۔ عام قاعدہ فعل لازم کو متعدی اور متعدی سے متعدی المتعدی بنانے کا یہ ہے کہ فعل کے مادے کے آگے ''ا'' بڑھا دیا جائے، جیسے چلنا سے چلانا، ملنا سے ملانا، اُٹھنا سے اُٹھانا۔

لیکن اگر ایسے افعال کا دوسرا حرف متحرک ہو تو متعدی بنانے کی حالت میں ساکن ہو جائے گا۔ جیسے پگھلنا سے پگھلانا۔ پکڑنا سے پکڑانا۔ سمجھنا سے سمجھانا۔

ب۔ کبھی مادۂ فعل کے آخر حرف سے قبل ''ا'' بڑھا دیا جاتا ہے۔ جیسے نکلنا سے نکالنا، اُترنا سے اُتارنا، اُبھرنا سے اُبھارنا، بگڑنا سے بگاڑنا۔

ج۔ کبھی پہلے حرف کی حرکت کو اس کے موافق حرفِ علت سے بدلنے سے، یعنی زبر کو الف سے۔ جیسے مرنا سے مارنا، تپنا سے تاپنا، ٹلنا سے ٹالنا، تھمنا سے تھامنا، کٹنا سے کاٹنا۔ زیر کو ''ی'' سے جیسے، چرنا سے چیرنا، پھرنا سے پھیرنا، گھرنا سے گھیرنا، پسنا سے پیسنا۔ گھسٹنا سے گھسیٹنا؛ کھنچنا سے کھینچنا؛ نبڑنا سے نیبڑنا۔ پیش کو واؤ سے، جیسے مُڑنا سے موڑنا، جُڑنا سے جوڑنا، گھلنا سے کھولنا، لُٹنا سے لُوٹنا، گھلنا سے گھولنا۔ ان مصادر میں بعض اوقات ٹ، ڑ سے بدل جاتی ہے۔ جیسے ٹوٹنا سے توڑنا، پھوٹنا سے پھوڑنا، پھٹنا سے پھاڑنا، چھوٹنا سے چھوڑنا۔

د۔ کبھی مصادر چار حرفی میں جب کہ حرفِ دوم حرفِ علت ہو تو اُس حرفِ علت کو ساقط کر کے اول کو اس کے موافق حرکت دیتے ہیں اور اُس کے آگے ''ا'' یا بجائے ''ا'' کے ''لا'' بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے رونا سے رُلانا، پینا سے پلانا، سونا سے سلانا، دھونے سے دھلانا، جینا سے جِلانا، جیتنا سے جتانا، کھانا سے کھلانا (اس میں خلاف قاعدہ پہلے حرف کو زیر دیا گیا ہے)،

جاگنا سے جگانا، بیٹھنا سے بٹھانا (بٹھلانا جو فصیح نہیں)۔ ڈوبنا سے پہلے ڈوبانا آتا تھا۔ لیکن اب وہ غیر فصیح سمجھا جاتا ہے، آج کل ڈبونا کہتے ہیں۔ اسی طرح بھیگنا سے بھگونا آتا ہے۔

اگر مصدر پانچ حرفی ہے اور دوسرا حرف، حرفِ علّت ہے تو حرفِ علّت حذف کر کے پہلے حرف کو اس کے موافق حرکت دے کر اس کے آگے الف بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے، توڑنا سے تڑانا، تیرنا سے ترانا، جاگنا سے جگانا، بھاگنا سے بھگانا۔

۲۔ متعدی المتعدی کے بنانے کے یہ قاعدے ہیں:

ا۔ کبھی علامت مصدر کے اول الف بڑھا دینے سے۔ جیسے کرنا سے کرانا۔

ب۔ کبھی 'وا' بڑھانے سے دوسرا حرف حرفِ علّت ہو تو گر جاتا ہے اور اس کے بجائے اس کے موافق حرکت آجاتی ہے، جیسے تولنا سے تلوانا، اُٹھانا سے اُٹھوانا، دبنا سے دبوانا، جھاڑنا سے جھڑوانا۔ تیسرا اور چوتھا حرفِ علّت بھی گر جاتا ہے۔ جیسے نچوڑنا سے نچڑوانا، بیچنا سے بکوانا آتا ہے، کیوں کہ مصدر لازم اس کا بکنا تھا، اس سے متعدی بیچنا ہوا اور متعدی المتعدی بکوانا۔ متعدی المتعدی اکثر صورتِ اول کی طرف عود کرتا ہے۔

۳۔ بیٹھنا سے بٹھانا اور بٹھلانا، دیکھنا سے دکھانا اور دکھلانا، سیکھنا سے سکھانا اور سکھلانا، سوکھنا سے سکھوانا اور سکھلانا دو دو آتے ہیں، لیکن بٹھلانا، سِکھلانا، دِکھلانا، سکھلانا، فصیح نہیں سمجھے جاتے۔ یہی حال بتلانا کا ہے۔

۴۔ بعض مصادر کے متعدی دو طرح آتے ہیں۔ جیسے دبنا کا متعدی دابنا بھی ہے اور دبانا بھی۔

'ٹوٹنا' لازم ہے، توڑنا اور تڑانا دونوں اس کے متعدی ہیں۔ توڑنا عام طور پر ہر ایک چیز کے توڑنے کو کہیں گے، لیکن 'تڑانا' صرف اُسی وقت استعمال کریں گے جب کوئی جانور رسّی توڑ کر بھاگ جائے۔ جیسے بیل رسّی تڑا کر بھاگ گیا۔

اسی طرح گُھلنا کے دو متعدی ہیں، ایک گھولنا، دوسرا 'گھلانا'۔ گھولنا جیسے دوا یا نمک اور اسی قسم کی اشیا کے متعلق کہیں گے جو پانی وغیرہ میں گھل سکیں۔ لیکن گھلانا اکثر مجازاً استعمال ہوتا ہے جیسے غم نے اُسے گھلا دیا۔ طور لازم گھلنے میں بھی یہ معنی پائے جاتے ہیں، لیکن گھولنا جو

متعدی ہے اس میں یہ معنی نہیں ہیں، البتہ دوسرے متعدی 'گھلانے' میں یہ معنی ہیں۔

اسی طرح بھولنا اور بھلانا دونوں متعدی بیک مفعول ہیں، مگر معنوں میں فرق ہے۔ جیسے 'وہ بھی بھول گیا'، یعنی درازی مدت یا کسی اور وجہ سے۔ 'اُس نے مجھے بھلادیا'، یعنی جان بوجھ کر۔ 'وہ لکھا پڑھا سب بھول گیا'۔ 'اُس نے لکھا پڑھا سب بھلادیا'۔ پہلے فقرے میں ایسی وجوہ ہیں جو اختیاری نہیں ہیں، دوسرے میں ارادہ یا ایسی وجوہ پائی جاتی ہیں جو ایک حد تک اختیاری تھیں۔

۵۔ کبھی امدادی افعال کے لانے سے متعدی بنتا ہے۔ جیسے وہ اسے لے ڈوبا۔ وہ اسے لے بھاگا۔ وہ مجھ پر آ پڑا۔ ڈوبنا، بھاگنا اور پڑنا افعالِ لازم ہیں، مگر افعالِ امدادی کے آنے سے متعدی ہوگئے۔

۶۔ سنسکرت میں علامت تعدیہ (ایا) تھی، پراکرت میں (اے) ہوئی۔ یہ ''اے'' بعض اوقات مادۂ فعل کے آگے بڑھا دی جاتی تھی۔ لیکن سنسکرت میں زیادہ تر ''پ'' بعض ایسے مادوں کے ساتھ آتی تھی جن کے آخر میں حروف علت ہوتے تھے۔ پراکرت میں اس ''پ'' کے قبل 'آ' کا اضافہ کیا گیا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد ''پ'' کا بدل (ب) اور (و) سے ہوگیا، یعنی اپے سے ابے، ابے سے اوے ہوا، اور یہ ہندی میں ''وا'' اور ''آ'' رہ گیا۔ مثلاً سنسکرت میں کری سے کاریا، پراکرت میں کارے اور بعدازاں کراوے (بجائے ''کراپے'') بوج میں کراوا، ہندی میں کرا۔ بعض ہندی مصادر مثلاً بھگونا اور ڈبونا اور گڑونا میں جو واؤ آ گیا ہے وہ درحقیقت (اوا) کا بگاڑ ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ بعض افعال کے تعدیہ میں ''ل'' کہاں سے آیا۔ مثلاً پینا سے پلانا۔ بعض کا خیال ہے کہ صرف کانوں کو اچھا معلوم ہونے کی وجہ سے 'ل' بڑھا دیا گیا، مگر یہ ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔

ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ سنسکرت میں ''پا'' کے معنی محفوظ رکھنے کے ہیں۔ متعدی بنانے کے لیے حسنِ صورت کے خیال سے بجائے ''پ'' کے ''ل'' کا اضافہ کیا یا جس سے ''پالیا'' (ہندی پالنا) بنا۔ غالباً پراکرت کی یہ صورت بہ کثرت استعمال ہونے لگی اور یہی ''ل'' کی اصل بتائی جاتی ہے۔

مرکب افعال

مرکب افعال دوطرح سے بنتے ہیں:

۱۔دوسرے افعال کی مدد سے جنھیں افعالِ امدادی کہتے ہیں۔

۲۔افعال کو اسما یا صفات کے ساتھ ترکیب دینے سے۔

۱) امدادی افعال

ہندی، اردو افعال موجودہ حالت میں اُن ترکیبی پیچیدگیوں سے آزاد ہوگئے ہیں جو سنسکرت میں پائی جاتی ہیں، بلکہ اب ہندی فعل نے ترکیبی طرز چھوڑ کر تفصیلی طریقہ اختیار کیا ہے، یعنی بجائے خود فعل کے اندرونی تغیر سے نئے معنی پیدا کرنے کے، دوسرے افعال کی مدد سے وہ معنی پیدا کیے جاتے ہیں۔ اصل فعل کے ساتھ بعض دوسرے فعل یا اُن کے اجزا کے آجانے سے اصل فعل کے معنوں میں تھوڑا بہت تغیر ہوجاتا ہے، یا تو اصلی معنوں میں زیادہ قوت پیدا ہوجاتی ہے یا کلام میں کوئی حُسن اور خوبی آجاتی ہے۔ یہ طریقہ زیادہ آسان اور ترقی یافتہ ہے اور اس سے اسے کچھ نقصان نہیں پہنچتا، بلکہ امدادی افعال کی مدد سے بے شمار لطیف اور نازک معنی پیدا ہوجاتے ہیں، اور اردو زبان میں امدادی افعال نے بڑی وسعت اور نزاکت پیدا کردی ہے۔ اکثر اوقات امدادی افعال سے معانی میں جو فرق پیدا ہوجاتا ہے وہ بہت نازک اور پُرلطف ہوتا ہے۔ یہ ذکر زیادہ ترنحو سے متعلق ہے، لیکن چوں کہ فعل کا بیان یہاں مفصّل آچکا ہے لہٰذا موقع کے لحاظ سے یہ بھی یہیں لکھا جاتا ہے۔

۱۔سب سے زیادہ کارآمد اور کثیرالاستعمال امدادی فعل ہو (سنسکرت بھو) ہے۔ اس سے اکثر افعال بنتے ہیں۔ مثلاً ماضی ناتمام، تمام، احتمالی، فعل حال کے مختلف اقسام اور مستقبل اسی کی امداد سے بنتے ہیں۔

ہونا کی مدد سے جو فعل بنتے ہیں اگرچہ اُن کا ذکر فعل کے بیان میں ہو چکا ہے لیکن بعض خاص صورتوں کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(ا) مثلاً آیا ہوتا یا سنایا ہوتا وغیرہ۔ 'اگر وہ آیا ہوتا تو مجھے ضرور اطلاع ہوتی'۔ یہ شرطیہ صورت کے ساتھ زمانہ ماضی کے لیے آتا ہے۔

ماضی شرطیہ یہ ہے، 'اگر وہ آتا تو مجھے ضرور اطلاع ہوتی'۔ اِس میں اور اُس میں کچھ یوں ہی سا فرق ہے۔ البتہ پہلی صورت میں زیادہ زور پایا جاتا ہے۔

(ب) کیا ہو، سنا ہو وغیرہ۔ جیسے 'کہیں تم نے کبھی اس کا نام سنا ہے'۔ دوسرا شخص اس کے جواب میں کہے 'ممکن ہے سنا ہو' (مگر اس وقت یاد نہیں) یا کہیں 'سنا ہوگا'۔

پہلی صورت میں احتمال خفیف ہے، دوسری میں قوی۔ یا مثلاً ممکن ہے اس نے ایسا کیا ہو اور غالباً اس نے ایسا کیا ہوگا۔

(ج) آتا ہوتا، کرتا ہوتا وغیرہ۔ جیسے: اگر وہ ایسا کرتا ہوتا تو اب تک نہ بچتا (یعنی وہ ایسا نہیں کرتا تھا)، اگر پڑھتا ہوتا تو آج بڑے عہدے پر ہوتا۔ یہ صورت بھی شرطیہ ہے اور عادت کو ظاہر کرتی ہے۔

۲۔ بعض امدادی افعال تکمیل فعل میں تقید اور زور ظاہر کرتے ہیں، مثلاً دینا، لینا، جانا، ڈالنا، پڑنا، رہنا۔

(ا) دینا، سوائے چل دینا کے اکثر طور متعدی کے ساتھ آتا ہے جیسے سمجھا دینا، بتا دینا، نکال دینا، ہٹا دینا۔ بعض صورتوں میں اس میں جبر کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ جیسے: میں نے اُسے گھر سے نکال دیا۔ اٹھا کے پھینک دیا، پٹک دیا وغیرہ۔

(ب) لینا۔ اس میں تکمیلِ فعل کے ساتھ فاعل کی قربت، فائدہ یا جانب داری ظاہر ہوتی ہے، جیسے بُلا لینا (یعنی اپنے پاس بلانا)۔ رکھ لینا (اپنے پاس رکھ لینا)۔ اسی طرح سن لینا، لے لینا، بچا لینا، دکھا لینا (دوسرے کو اپنے فائدے کے لیے) وغیرہ وغیرہ۔ یہ طور لازم و متعدی دونوں کے ساتھ آتا ہے۔ امدادی افعال دینا اور لینا میں فرق یہ ہے کہ لینا میں اپنا

فائدہ یا قربت ظاہر ہوتا ہے اور دینا میں بخلاف اس کے دوسرے کا فائدہ یا قربت نکلتی ہے، گویا ایک دوسرے کے برعکس ہیں۔ معانی کا یہ فرق مثالِ ذیل سے بخوبی عیاں ہے:

ا۔ میں نے اسے سمجھا لیا ہے۔

۲۔ میں نے اُسے سمجھا دیا ہے۔

پہلے جملے سے ظاہر ہے کہ میں نے معاملہ اُسے اس طرح سمجھایا ہے جس میں میرا فائدہ ہے۔ دوسرے جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسے جو کچھ سمجھایا گیا ہے وہ اُسی کے فائدے کے لیے ہے، یا عام الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ 'لینا' میں فاعل کو اپنی غرض ملحوظ ہوتی ہے مگر 'دینا' میں ذاتی غرض سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ جیسے 'میں نے کتاب میز پر رکھ دی' اور 'میں نے کتاب جیب میں رکھ لی'۔ اسی طرح بٹھا دینا اور بٹھا لینا (یعنی اپنے پاس)۔ مگر اسے افعال جیسے پی لینا، کھا لینا میں صرف فعل کی تکمیل ظاہر ہوتی ہے۔

(ج) جانا بکثرت افعال کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور زیادہ تر طور لازم کے ساتھ۔ جیسے ٹوٹ جانا، بکھر جانا، بگڑ جانا، چلے جانا وغیرہ وغیرہ۔ اس سے صرف تکمیلِ فعل ظاہر ہوتی ہے اور بعض وقت یہ بھی نہیں، بلکہ سادہ فعل کی بجائے عموماً 'جانا' مرکب کر کے بولتے اور لکھتے ہیں جیسے مل جانا، ہو جانا، ٹوٹ جانا۔ 'جانا' سے بعض بہت ہی لطیف محاورے بن گئے ہیں۔ مثلاً پانا سادہ فعل ہے لیکن 'پا جانے' کے معنی ہی دوسرے ہیں یعنی تاڑنا۔ اسی طرح کھونا سے کھوئے جانا وغیرہ وغیرہ۔

(د) آنا اور جانا میں وہی نسبت ہے جو لینا اور دینا میں ہے۔ آنا بطور امدادی فعل کے بہت کم استعمال ہوتا ہے اور وہ بھی زیادہ افعال ابتدائی لازم کے ساتھ، جیسے بن آنا اور بنا آنا۔ اکثر یہ افعال کے ساتھ آ کر تکمیل فعل کے معنی دیتا ہے اور ساتھ ہی ظاہر کرتا ہے کہ فاعل کسی کام کو انجام دے کر واپس آ گیا جیسے: میں اُسے دیکھ آیا ہوں، ہو آیا ہوں۔ ان معنوں میں وہ لازم اور متعدی دونوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ مگر بعض اوقات تکمیل فعل کے ساتھ زور کا اظہار کرتا ہے جیسے اُبھر آنا، اُگ آنا وغیرہ۔

(ہ) 'ڈالنا'۔ اس میں تکمیل فعل کسی قدر زیادہ زور کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے، نیز اس میں جبر کی شان بھی پائی جاتی ہے جیسے مار ڈالنا، مسل ڈالا، کاٹ ڈالنا، گاڑ ڈالنا، چیر ڈالنا، اُدھیڑ ڈالنا وغیرہ۔

(و) 'رہنا'۔ جیسے بیٹھ رہنا، سو رہنا، اٹک رہنا۔ جیسے وہاں جا کے بیٹھ رہا۔ اس سے فعل کا ایک حالت پر قائم رہنا پایا جاتا ہے۔ مگر 'جاتے رہنا' کے معنی تلف ہو جانے اور ضائع ہونے کے ہیں۔

(ز) 'پڑنا'۔ جیسے دکھائی پڑنا، اس میں محض تکمیلِ فعل ہے۔ بعض افعال کے ساتھ جیسے ٹوٹا پڑنا، لڑ پڑنا وغیرہ میں ایک قسم کی حالت کو بتاتا ہے۔ دوسرے معنی اس کے دوسری جگہ بیان کیے جائیں گے۔

(ح) 'بیٹھنا'۔ اس میں بھی جبر اور زور پایا جاتا ہے جیسے سینے پر چڑھ بیٹھا، لڑ بیٹھا، دبا بیٹھا۔

اس کے علاوہ بعض وقت تسلیم و رضا کے معنی دیتا ہے۔ جیسے ہم تو اپنی قسمت کو رو بیٹھے، وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔

۳۔ 'چکنا'۔ اختتامِ فعل کو کامل طور پر ظاہر کرتا ہے جیسے کام ہو چکا۔ کام کر چکا۔ میں خط لکھ چکا۔ وہ کھا چکا۔ ان تمام جملوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کام ختم ہو گیا ہے۔

۴۔ بعض افعال سے امکانی حالت اور قابلیت یا اجازت ظاہر ہوتی ہے۔

(الف) 'سکنا'۔ جیسے میں کر سکتا ہوں۔ وہ نہیں دیکھ سکتا۔ (اس سے قابلیت فعل کی ظاہر ہوتی ہے۔)

وہ نہیں بول سکتا۔ وہ نہیں جا سکتا، میں نہیں جا سکوں گا (امکانی صورت ہے)۔ اجازت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے وہ نہیں آ سکتا، کیا میں آ سکتا ہوں؟ سکنا کبھی تنہا استعمال نہیں ہوتا، ہمیشہ کسی دوسرے فعل کے ساتھ بطور فعل امدادی کے آتا ہے۔

(ب) 'دینا' سے بعض اوقات اجازت کے معنی نکلتے ہیں، جیسے: اُسے آنے دو، اسے کس نے جانے دیا۔

(ج) کبھی کبھی 'پانا' بھی سکنے اور اجازت کے معنوں میں آتا ہے مگر ہمیشہ مصدر کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے: وہاں کوئی نہیں جانے پاتا (یعنی کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔)، کیا مجال کہ آدمی ٹھیرنے پائے (ٹھیر سکے)۔

اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
آج اُس سے کوئی ملنے نہ پایا (نہ مل سکا)
کسی کو اُس شہ خوباں تلک جانا نہیں ملتا
مگر خلوت میں اُس کے ایک میں ہی جانے پاتا ہوں

یہاں 'ملنے' کے معنی بھی سکنے کے آئے ہیں۔ یہ بھی ہمیشہ مصدر کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔

(د) 'جانا' بھی کبھی سکنے کے معنی دیتا ہے، جیسے: مجھ سے چلا نہیں جاتا، اُس سے کھانا کھایا نہیں جاتا۔

۵۔ بعض امدادی افعال سے جاری ہونے یا فاعل کی عادت کا اظہار ہوتا ہے جیسے:

(الف) 'کرنا'۔ وہ آیا کرتا تھا، کہا کرتا تھا، آیا کرو۔ اسی طرح رویا کیا، سنوارا کیا۔

(ب) 'رہنا'۔ جیسے وہ بولتا رہا، کہتا رہا، سوتا رہا، وہ کھیلتا رہتا ہے، سوتا رہتا ہے، وہ کیا کھا رہا ہے، کھاتا رہ، کھاتا رہے گا۔

(ج) 'جانا' بھی کبھی ان معنوں میں آتا ہے، جیسے: ہزار منع کرو مگر وہ اپنی سی کہے جاتا ہے، بکے جاتا ہے، ایک کو ایک کھائے جاتا ہے۔

امیدی مٹائے جاتی ہے
شوق نقشہ جمائے جاتا ہے

خاص یہ صورت عموماً فعل حال ہی کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔ ماضی میں استعمال دوسری طرح ہوتا ہے، جیسے: وہ پڑھتا جاتا تھا اور میں لکھتا جاتا تھا۔ یہی صورت، حال میں بھی ہے جیسے پانی بہتا جاتا ہے۔ اس سے فعل کا آہستہ آہستہ جاری ہونا پایا جاتا ہے۔

۶۔ بعض امدادی افعال کسی کام کے دفعتاً ہوجانے یا کرنے کے معنوں کا اظہار کرتے ہیں:

(ا) 'بیٹھنا'۔ جیسے کہہ بیٹھا، کر بیٹھا، پوچھ بیٹھا۔ 'وہ ایسے کام اکثر بے سوچے سمجھے کر بیٹھتا ہے'۔ اس میں فعل کے یکایک ہوجانے یا بے سوچے سمجھے کرنے کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔

(ب) 'اُٹھنا' بھی اِنھیں معنوں میں آتا ہے جیسے بول اُٹھا، بلبلا اُٹھا، پھڑک اُٹھا، جھلا اُٹھا۔

(ج) 'پڑنا'۔ جیسے لڑ پڑنا، بن پڑنا، اُلجھ پڑنا، برس پڑنا۔

(د) 'نکلنا'۔ جیسے بہہ نکلا، چل نکلا، پھوٹ نکلا، یعنی حالت سکون سے دفعتاً حرکت میں آجانے کے معنی دیتا ہے۔ ان معنوں میں نکلنا بہت کم استعمال ہوتا ہے اور شاید زیادہ تر انھیں تین مصدروں کے ساتھ آتا ہے۔

(ہ) فعل کے شروع میں 'آ' یا 'جا' بھی اِنھیں معنوں میں آتے ہیں، جیسے آپڑنا، آنکلنا، آملنا، جاپڑنا۔

۷۔ 'لگنا' کام کے آغاز کو بتاتا ہے، جیسے: کہنے لگا، کھانے لگا۔ منہ سے پھول جھڑنے لگے۔ وہ کھانے لگا ہے۔ جب وہ بیان کرنے لگتا ہے تو دو دو گھنٹے دم نہیں لیتا۔

۸۔ 'پڑا' (ماضی مطلق) کسی دوسرے فعل کے شروع میں آنے سے فعل میں زور اور کثرت کے معنی پیدا کرتا ہے اور عموماً ایسے افعال کے ساتھ آتا ہے جن میں کام کا جاری رہنا پایا جائے۔ جیسے منہ سے پڑے پھول جھڑ رہے ہیں۔ پڑا مارا پھرتا ہے۔ پڑا روتا پھرتا ہے۔ باغوں کے نیچے نہریں پڑی بہہ رہی ہیں۔

۹۔ 'چاہتا' ایک تو فاعل کی خواہش ظاہر کرتا ہے، دوسرے یہ بتاتا ہے کہ کام قریب زمانہ آئندہ میں ہونے والا ہے، مگر اصل فعل ہمیشہ ماضی کی صورت میں رہتا ہے۔ جیسے: وہ بولا چاہتا ہے، دیکھیے کیا ہوا چاہتا ہے۔ یہ حالت صرف فعل حال میں استعمال ہوتی ہے:

دل اس بت پہ شیدا ہوا چاہتا ہے
یہ کعبہ کلیسا ہوا چاہتا ہے

خواہش ظاہر کرنے کے لیے اصل فعل صورت مصدریہ کے ساتھ ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے اس نے بولنا چاہا، وہ بولنا چاہتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

یہی معنی مصدر کے الف کو یاے مجہول سے بدلنے اور اس کے بعد 'کو' اور 'ہونا' کے افعال ماضی وحال بڑھانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے کہنے کو ہے، کہنے کو تھا، جانے کو ہے، جانے کو تھا، وغیرہ۔ یعنی ابھی جانا چاہتا ہے یا جانے والا ہے، جانا چاہتا تھا یا جانے والا تھا۔

۱۰۔ 'چاہنا' سے چاہیے بطور امدادی فعل کے مستعمل ہے۔ یہ اخلاقی امر یا فرض منصبی کے جتانے کے لیے آتا ہے اور ہمیشہ مصدر کے بعد استعمال ہوتا ہے۔ جیسے: انھیں وہاں جانا چاہیے، تم کو وقت پر حاضر ہونا چاہیے، انسان کو سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے۔

۱۱۔ ''لے'' فعل کے شروع میں آنے سے اپنے ساتھ کسی دوسرے شخص یا شے کو لے جانے یا مبتلا کرنے کے معنوں میں آتا ہے جیسے لے بھاگنا، لے اُڑنا، لے ڈوبنا، لے مرنا وغیرہ۔

۱۲۔ اسی طرح ''دے'' بھی فعل کے شروع میں بطور امدادی فعل کے آتا ہے۔ جیسے دے مارنا، دے پٹکنا۔ یہ محض کلام میں زور پیدا کرے کے لیے آتا ہے۔

۱۳۔ 'رہا' اور 'چھوڑا' جب حالیہ کے بعد آتے ہیں تو اس کے معنی ہوتے ہیں کہ باوجود مشکلات کے پوری سعی کے ساتھ کام کو انجام دیا جو منشا تھا اُسے کسی نہ کسی طرح پورا کردیا۔ جیسے: کرکے رہا، مکان بنا کے چھوڑا۔

۱۴۔ 'رکھنا' بطور امدادی فعل کے کئی طرح استعمال ہوتا ہے:

(۱) کسی کی مرضی کے خلاف دوستی، محبت یا جبر یا کسی دوسرے اثر سے کام لینا جیسے: اس نے مجھے صبح سے بٹھا رکھا ہے اور جانے نہیں دیتا، اس نے میرا مال دبا رکھا ہے۔

(۲) سکھا پڑھا کر پہلے سے تیار کرلینا، جیسے: اس نے اسے خوب سمجھا رکھا ہے۔ میں نے اسے پہلے سے کہہ رکھا ہے، یا بتا رکھا ہے۔

(۳) محض تاکید کے لیے۔ جیسے سن رکھو، دیکھ رکھو۔

(۴) محاورے میں۔ جیسے، میں نے یہ کام اگلے سال کے لیے اٹھا رکھا ہے۔

۱۵۔ کبھی فعل میں تکرار ہوتی ہے، یعنی دوسرا فعل اسی کا مترادف 'ی' اس کا اہم آواز ساتھ آتا ہے اور معنوں میں زور پیدا کر دیتا ہے۔ جیسے: دیکھ بھال کر، سوچ ساچ کر، میں شام کو ہارا تھکا گھر پہنچا، وہ مُردوں کے گاڑنے دابنے میں مصروف رہے، پیس پاس کے مسالا تیار کر دیا۔ دُھل دُھلا کر خاصا سفید ہو گیا، گرتے پڑتے گھر پہنچ گیا۔ اسی طرح چلنا، پھرنا، سینا پرونا، کھانا پینا، رونا دھونا وغیرہ۔

۲) اسماوصفات کی ترکیب سے

ا۔ ہندی اسم یا صفت کے ساتھ سادہ مصادر کا آنا جیسے پوجا کرنا، نام دھرنا، برا کہنا، اچھا کہنا، دم لینا، دم دینا، دم مارنا، دم توڑنا، رکھوالی کرنا، ادھار دینا، ڈینگ مارنا، چھلانگ مارنا، مار کھانا، دھوکا کھانا، جاڑا لگنا، تاک لگانا، پتا لگانا، ہل چلانا، رستہ دیکھنا وغیرہ وغیرہ؛ بکثرت اور بے شمار مستعمل ہیں۔ اس قسم کے مرکب افعال میں زیادہ تر یہ امدادی افعال آتے ہیں۔ ہونا، کرنا، کھانا، دینا، لینا، پڑنا، مارنا، آنا، ڈالنا، دھرنا، پکڑنا، بھرنا، لگنا، لگانا، رکھنا۔ ان کے علاوہ اور بہت سے فعل بطور امداد کے آتے ہیں جن کی تفصیل لغت سے تعلق رکھتی ہے۔

۲۔ فارسی اسم کے ساتھ ہندی مصدر کا آنا جیسے دل دینا، باز آنا، باز رکھنا، دلاسا دینا، پیش آنا، بر آنا، برلانا وغیرہ۔

۳۔ عربی اسم کے ساتھ جیسے شروع کرنا، یقین کرنا، یقین لانا، علاج کرنا، جمع ہونا وغیرہ۔

۴۔ فارسی یا عربی صفت کے ساتھ جیسے قوی کرنا، روشن کرنا، مشہور کرنا، ضعیف ہونا وغیرہ۔

۵۔ بعض اوقات ہندی اسما یا صفات میں کسی قدر تغیر کر کے ناؔ علامت لگا دیتے ہیں اور مصدر بنا لیتے ہیں۔ جیسے پانی سے پنیانا، جوتی سے جتیانا، ساٹھ سے سٹھیانا، مُکّی سے مُکیانا، پتھر سے پتھرانا، ٹھوکر سے ٹھکرانا، چکّر سے چکرانا، لالچ سے للچانا، کچے سے کچیانا، لنگڑے سے لنگڑانا، بِھن بِھن سے (جو مکھیوں کی آواز ہے) بھنبھنانا، ٹھن ٹھن سے ٹھنٹھنانا، بڑبڑ سے بڑبڑانا، مِن مِن سے منمنانا وغیرہ۔

۶۔ بعض مصدر اردو میں ایسے ہیں کہ عربی یا فارسی افعال یا اسما کے آگے ہندی مصدر کی علامت نا لگا کر اردو بنا لیا گیا ہے۔

مثلاً فارسی کے افعال سے فرمانا، بخشنا، آزمانا، نوازنا۔ فارسی اسم گرم سے گرمانا، نرم سے نرمانا، داغ سے داغنا، خرید سے خریدنا۔

اسی طرح عربی کے لفظ 'بدل' سے بدلنا، بحث سے بحثنا، قبول سے قبولنا، دفن سے دفنانا، کفن سے کفنانا۔

اس طور سے مصدر بنانے کا رواج کم ہوتا جا رہا ہے حالاں کہ اس سے زبان میں بڑی وسعت ہو سکتی ہے۔

۷۔ بعض اوقات علامت مصدر حذف ہو جاتی ہے، مگر یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ دوسرا مصدر ساتھ ہو۔ جیسے بنا جانا، بنا آنا وغیرہ۔

ایک ہم ہیں کہ دیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنھیں تصویر بنا آتی ہے

۸۔ بعض اوقات حالیہ معطوفہ بھی اسی صورت سے آتا ہے، اس میں اور مرکب فعل میں فرق کرنا چاہیے۔ مثلاً میں وہاں ہو آیا ہوں۔ میں اسے دیکھ آیا ہوں۔

۵۔ تمیز یا متعلق فعل

تمیز، فعل یا صفت کی کیفیت بیان کرتی ہے اور اس کے آنے سے فعل یا صفت کے معنوں میں تھوڑی بہت کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے۔ چند تمیزی الفاظ ایسے ہیں جو ہندی ضمائر سے بنتے ہیں اور چوں کہ وہ سب سے سادہ ہیں، لہٰذا اُن کا ذکر اول کیا جائے گا اور اُن کے ساتھ اسی قسم کے دوسرے الفاظ بیان کیے جائیں گے جو اسما سے بنے ہیں۔

۱۔ زمان یا وقت کے لیے، اب۔ جب۔ تب۔ کب۔

یہ سب الفاظ سنسکرت سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً 'جب' اور 'تب' سنسکرت کے الفاظ یاوت اور تاوت سے بنے ہیں، جو پراکرت میں جاوا اور تاوا ہوئے اور اُن سے ہندی کے جب اور تب بنے۔ یہی حال 'اب' اور 'کب' کا ہے۔

ان کے علاوہ دوسرے ہندی الفاظ جو تمیز زماں کا کام دیتے ہیں، یہ ہیں: آگے، پیچھے، پہلے، آج، کل، پرسوں، ترسوں، تڑکے، ترت، نت، سدا، سویرے، پھر۔

فارسی الفاظ ان معنوں میں یہ مستعمل ہیں:

ہمیشہ، جلد، جلدی، یکا یک، اچانک، ناگاہ، ناگہاں، بعدازاں، شب و روز۔

۲۔ مکان یا جگہ کے لیے۔ 'یہاں'، 'وہاں'، 'جہاں'، 'تہاں'۔ 'کہاں' یہ الفاظ بھی سنسکرت سے ماخوذ ہیں۔ ہاں یا آں جو سنسکرت کے لفظ ستھان کا مخفف ہیں اور جس کے معنی جگہ کے ہیں، ضمیری مادے کے میل سے 'یہاں' اور 'وہاں' بن گئے۔ ''کہاں'' کا کاف سنسکرت کے لفظ

'کت' سے ہے، جس کا بگاڑ 'کدھے' جواب بھی قصبات و دیہات میں مستعمل ہے اور اسی سے مرہٹی میں اکادے بنا ہے۔

اس کے علاوہ ہندی میں تمیز مکان کے لیے یہ الفاظ آتے ہیں:

آگے، پیچھے، پرے، ورے، پاس، اوپر، نیچے، بھیتر، باہر، اندر۔

۳۔ سمت۔ اِدھر، اُدھر جدھر، تدھر، (ہندی) کدھر۔

۴۔ طور وطریقہ۔ یوں، جوں، کیوں، کیوں کر، کیسے (بمعنی کیوں)۔

یہ الفاظ سنسکرت کے لفظ اِیوم پراکرت اِیووم سے نکلے ہیں جن کی صورت بعد میں امی اور اِمی ہوئی اور ہندی میں "یو"۔

علاوہ ان کے دوسرے الفاظ یہ ہیں۔ ٹھیک، اچانک، دھیرے، ہولے، لگاتار، برابر، تابڑتوڑ، سچ مچ، جھوٹ موٹ، تھوڑا، بہت، جھٹ، جھٹ پٹ۔

فارسی عربی کے الفاظ۔ ذرا، تخمیناً، تقریباً، خصوصاً، زیادہ، بالکل، مطلق، بعینہ، بجنسہ، ہرچند، سوا، حسبہ (یعنی من وعن)، باہم، فوراً، دفعتاً، ناگہاں، ناگاہ، یکا یک، فی الفور، القصہ، الغرض، فی الجملہ وغیرہ۔

۵۔ تعداد کے لیے۔ ایک بار، دوبار، وغیرہ، اکثر، ایک ایک، دو دو وغیرہ، اتنا، جتنا، کتنا۔

۶۔ ایجاب وانکار۔ ہاں جی، جی ہاں، نہیں، تو، شاید، غالباً، یقیناً، بیشک، بلاشبہ، ہرگز، زنہار، بارے، البتہ، فی الحقیقت، درحقیقت۔

۷۔ سبب وعلت۔ اس لیے، اس طرح، چناں چہ، کیوں کہ، لہٰذا۔

۸۔ مرکب تمیز۔ کبھی تمیز مرکب ہوتی ہے، یعنی دو مل کر ایک تمیز کا کام دیتی ہیں۔ جیسے کب تک، جب کبھی، جہاں کہیں، جہاں جہاں، کہیں نہ کہیں، کبھی نہ کبھی، اِدھر اُدھر، اندر باہر۔ بعض اوقات تکرار کے ساتھ آتی ہیں۔ جیسے جب جب، کہیں کہیں۔

۹۔ بعض اوقات ایک ایک دو دو لفظ مل کر بطور جزو جملہ کے تمیز کا کام دیتے ہیں، جیسے

رفتہ رفتہ، خوشی خوشی، ایک ایک کر کے، روز روز، آئے دن، گھڑی گھڑی، ہونہ ہو، دھوم دھام، دونوں وقت ملتے، آس پاس، اطراف وجوانب، جم جم، نت نت، کیوں نہیں، الگ الگ، صبح و شام، چوری چھپے، آہستہ آہستہ، جوں توں، جوں کا توں۔

عربی کے جز جملے۔ کماحقہٗ، حتی الامکان، کماینبغی، من وعن، حتی المقدور، حاصل کلام، طوعاً کرہاً، آخرالامر وغیرہ۔

۱۰۔ کبھی تمیز یا اسم کے بعد 'سے'، 'تک'، 'میں' وغیرہ آنے سے تمیز بن جاتی ہے۔ جیسے کب تک، بھولے سے، پھُرتی سے، اتنے میں۔

فارسی کی 'ب' فارسی الفاظ کے ساتھ آنے سے یہ کام دیتی ہے۔ جیسے بخوشی، بخوبی، بدِل وجان۔

۱۱۔ بعض اسم ''وار'' کے ساتھ مل کر یہ معنی دیتے ہیں۔ جیسے تفصیل وار، ہفتہ وار، ماہوار، نمبروار وغیرہ۔

۱۲۔ بعض الفاظ صفات بھی تمیز کا کام دیتے ہیں۔ مثلاً خوب، ٹھیک، بجا، درست۔ جیسے: خوب کہا۔ بجا فرمایا۔ ٹھیک کہتے ہو۔ درست فرماتے ہیں۔

ہزار اور لاکھ، کثرت کے معنوں میں تمیز کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے: میں نے لاکھ سمجھایا کچھ اثر نہ ہوا۔ ہزار سر مارا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ لاکھ طوطے کو پڑھایا، پر وہ حیواں ہی رہا۔

۱۳۔ کبھی اسمائے عام بھی تمیز کے معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے: اُنگلوں بڑھتا ہے، بانسوں اُچھلتا ہے، گھٹنیوں چلتا ہے، بھوکوں مرتا ہے، جھوٹوں بھی نہ پوچھا۔ (یہ سب الفاظ جمع میں استعمال ہوتے ہیں)۔

۱۴۔ بعض اوقات حالیہ معطوفہ بھی تمیز کا کام دیتے ہیں جیسے: کھِل کھلا کر ہنسنا، بلبلا کر رونا۔

حروف

حروف غیر مستقل الفاظ ہیں جو تنہا (بولنے یا لکھنے میں کوئی خاص معنی پیدا نہیں کرتے جب تک کسی جملے میں یا دوسرے الفاظ کے ساتھ استعمال نہ ہوں جیسے: کو، تک، جب وغیرہ۔

اردو میں ان کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ربط

۲۔عطف

۳۔تخصیص

۴۔فجائیہ

۱) حروف ربط

حروف ربط وہ ہیں جو ایک لفظ کا علاقہ کسی دوسرے لفظ سے ظاہر کرتے ہیں۔

(۱) کا، کے، کی۔

(۲) نے۔

(۳) کو، تئیں، سے، میں، تک، پر۔

یہ حروف ربط سادہ قسم کے ہیں جو عموماً اسم یا ضمیر یا تمیز کے ساتھ آتے ہیں اور ان کی حالت کا پتا دیتے ہیں مثلاً نمبر(۱) حالت اضافی کے لیے۔ نمبر(۲) حالت فاعلی کے لیے۔ نمبر(۳) حالت مفعولی، ظرفی یا طوری کے لیے آتے ہیں۔

اگر چہ بظاہر یہ حروف بہت سادہ معلوم ہوتے ہیں لیکن جب ان کی اصل پر نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنسکرت میں مستقل الفاظ تھے۔ لیکن زمانے کے تغیرات سے رفتہ رفتہ ایسے ہوگئے کہ وہ اب محض ایک سادہ علامت کا کام دیتے ہیں۔ مثلاً 'کنے' جو پرانی اردو میں 'پاس' کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا، اصل میں کرن یا کرے سے ہے جس کے معنی کان کے ہیں۔ چوں کہ کان قریب کا عضو ہے اس لیے یہ معنی ہوگئے۔ یہی حال دوسرے حرف کا ہے۔ (کا) مذکر واحد، (کے) جمع مذکر، (کی) واحد وجمع، مؤنث اسما وضمائر، دونوں کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔

یہ لفظ 'کرتا' کی خرابی ہیں جو سنسکرت کے فعل 'کری' کا مفعول ہے۔ پراکرت میں 'کرتا' کے ساتھ مفعولی علامت کا اضافہ کیا گیا۔ بعدازاں 'ت' نکل گئی اور ری کا 'ی'، 'ر' سے بدل ہوگیا اور لفظ کی صورت 'کیرا کا' ہوگئی۔ پراکرت میں یہ لفظ اضافی حالت کے ساتھ استعمال ہوتا تھا، رفتہ رفتہ اضافت تو مٹ گئی اور یہ اُس کی جگہ قائم ہوگیا۔ اسی لفظ سے بعد میں کیرو، کیرا، کرا، کر، کے نکلے جو قدیم ہندی میں حالت اضافی کے لیے استعمال ہوتے تھے اور انھیں کی مختلف صورتیں برج اور ہندی کے 'کوں'، 'کو' اور 'کا' ہیں اور جب ان کے شروع سے 'ک' نکل گیا، تو باقی 'را' اور اس کی دوسری صورتیں 'ری'، 'رے' پیدا ہوگئیں جو ضمیر ذاتی میں صرف متکلّم کے ساتھ استعمال ہوتی ہیں۔

'نے' صرف فاعل کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور وہ بھی افعال متعدی میں۔ سنسکرت کا مفعول 'لگیا'، پراکرت میں 'لگ' ہوا، وہاں سے ہندی لگے، لے، نے، بنے۔ گجراتی اور پنجابی میں 'نے' مفعول اور فاعل دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن چوں کہ ہندی میں مفعول کی علامت 'کو' موجود ہے لہٰذا 'نے' صرف فاعل کے لیے مخصوص ہوگیا۔

گو بعض کا خیال ہے کہ یہ بھی کرتا سے اسی طرح نکلا ہے جیسے 'کا'، لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ سنسکرت کے ظرف 'کاکشے' سے بنا ہے۔ کاکشے، کاکشا سے نکلا ہے جس کے معنی بغل کے ہیں، اسی سے پنجابی 'کچھ' بمعنی بغل ہے اور بنگالی کا 'کچھے' بھی اسی سے بنا ہے، جس کے

معنی اس زبان میں نزدیک کے ہیں۔ کیوں کہ بغل سب سے قریب ہے، اس لیے اُس کے یہ معنی ہو گئے۔ قدیم ہندی میں کا کھ اور کا کھم ہوا، کا کھم سے معمولی تغیر وتبدّل کے بعد کاہاں، کہاں، کہاؤں، کاوں اور کو بنا۔

سے سنسکرت کے لفظ مدھیا سے بنا ہے۔ مدھیا کی مختلف صورتیں رفتہ رفتہ مدھیا، مدھی، مہی، ماہی اور ماہ ہوئیں ان میں دھا، ہا اور یا سے بدلا اور یا بعد میں ای ہوئی اور پھر ای بھی غائب ہوگئی۔

مانجھ (جس کے معنی درمیان کے ہیں) بھی اسی سے ہے، اس کے بعد کی صورتیں ماہیں، مہاں، میں، موں ہیں۔ 'غرض' میں آخر میں ماہیں سے بنا ہے۔

پر، سنسکرت کے اُپری سے ہے۔

'تک'۔ سنسکرت میں ایک لفظ 'ترتیا' ہے جس کی اصل تری ہے اور جو سنسکرت میں انھیں معنوں میں آتا ہے جیسے اردو میں تک۔ تری کے ساتھ "کو" اضافہ کیا گیا تو تریکو ہوا "و" اُڑ گئی، 'تک' رہ گیا۔

'تلک' کی بھی یہی اصل ہے۔ تریکو میں و، ل سے بدل گئی (را ور ل کا بدل عام طور پر ہوتا ہے) تو تلیکو بنا اور تلیکو سے تلک بن گیا۔ ہندی اور پرانی اردو اور آج کل کے دیہات میں بھی لگ بمعنی تک کے آتا ہے۔ چوں کہ لگ کے معنی قریب پہنچنے کے ہیں اور تک اور تلک حد کو بتاتا ہے کہ اُسے چھو سکتے ہیں، اسی لیے لگ ان معنوں میں استعمال ہونے لگا۔

تیئں بھی غالباً سنسکرت کے لفظ ترتیا سے بنا ہے۔

ان کے علاوہ اور بہت سے الفاظ ہیں جو حروف ربط کا کام دیتے ہیں: مثلاً پاس، تلے، پیچھے، آگے، بیچ، سمیت، اوپر، نیچے، باہر، لیے، سانھ، سنگ، سامنے، مارے، لیکن یہ تمام الفاظ بجز "سمیت" کے اضافی حالت کے ساتھ آتے ہیں۔ جیسے: اس کے پاس۔ صندوق کے نیچے۔ دھوپ کے مارے سر دکھنے لگا۔ گھر بچوں سمیت۔

اسی طرح بہت سے فارسی وعربی کے الفاظ بھی حروف ربط کا کام دیتے ہیں۔ جیسے:

بغیر، اندر، نزدیک، باعث، واسطے، سبب، سوا، طرح، نسبت، بجا، بجز، موجب، پیش، پس، قبل، گرد، درمیان۔ یہ الفاظ بھی اضافی حالت کے ساتھ آتے ہیں۔

ہندی کے بعض حروف ربط دو دو مل کر آتے ہیں اور ایک حرف کا کام دیتے ہیں جیسے وہ چھت پر سے گر پڑا۔ نالی میں سے نکل گیا۔ یہ تو اُس میں کا ہے۔ دیوار پر سے کود گیا۔

۲) حروفِ عطف

حروفِ عطف وہ ہیں جو دو یا دو سے زیادہ لفظوں یا دو جملوں کو ملانے کا کام دیتے ہیں۔ جیسے: 'جوان اور بوڑھے سب تھے'۔ 'ہرکارہ آیا اور خط دے کر چلا گیا'۔ 'میں تو آ گیا مگر وہ نہیں آیا'۔ 'اگر ہم جاتے تو وہ نہ جاتا'۔ 'اخبار، رسالے اور کتابیں نکال کر الگ رکھ دو'۔

ان کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) وصل (۲) تردید (۳) استدراک (۴) استثنا (۵) شرط (۶) علّت (۷) بیانیہ

(۱) وصل کے لیے: اور، و، کیا...... کیا، کہ، یا۔ اس میں 'و' اور 'کہ' فارسی ہیں۔ مثالیں:-

'جوان اور بوڑھے سب تھے'۔ 'ہرکارہ آیا اور خط دے کر چلا گیا'۔ 'بادشاہ و وزیر کھڑے ہیں'۔ 'کیا وہ اور کیا تم دونوں ایک ہو'۔ 'اُس نے کہا کہ ابھی مت جاؤ'۔ ''اور'' اور ''و'' کے استعمال میں فرق ہے جس کا ذکر نحو میں کیا جائے گا۔ ''یا'' جیسے، کوئی ہے یا نہیں۔ ''کہ'' بھی انھیں معنوں میں آتا ہے جیسے، کوئی ہے کہ نہیں۔

(۲) تردید: نہ نہ، خواہ، چاہے، یا...... یا۔ مثالیں، 'نہ وہ آیا نہ تم آئے'۔ 'خواہ تم آؤ خواہ اُسے بھیج دو'۔ 'چاہے رہو چاہے چلے جاؤ'۔ 'یا یہ لو یا وہ'۔

(۳) استدراک: پر، لیکن، بلکہ۔

جہاں یہ لفظ آتے ہیں تو جملوں کے مضمون میں جو مغائرت ہوتی ہے ان الفاظ کے آنے سے شک وشبہ رفع ہو جاتا ہے۔ 'یہ سب سچ ہے پر وہ نہیں مانتا'۔ 'اُس نے بہت سی شرطیں پیش کیں لیکن میں نے ایک نہ مانی'۔ 'ایک نہیں بلکہ دو ہیں'۔

(۴) استثنا: مگر، الاّ۔

'سب آئے مگر وہ نہ آیا'۔ 'سب آئے۔' الاّ وہ نہیں آیا'۔

(۵) شرط: جو، اگر۔

'اور جو تم نے کچھ کہا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا'۔ ''جو دوئی کی بُو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا۔'' (غالبؔ)

'اگر وہ نہ آیا تو مجھے جانا پڑے گا'

'ورنہ' اور 'نہیں تو' اور 'تو' شرط کے جواب میں آتے ہیں۔ 'وہ آیا تو آیا ورنہ مجھے خود جانا پڑے گا'۔

'کچھ کہتے ہو تو کہو نہیں تو میں جاتا ہوں'۔

پہلے جملے میں حرف شرط آتا ہے اور دوسرے جملے میں جواب کے لیے اکثر 'تو' آتا ہے جسے جزا کہتے ہیں۔

(٦) علّت: سو، پس، اس لیے، لہٰذا، بنابریں، کیوں کہ۔ مثالیں، 'آپ نے اُسے جانے کا حکم دیا تھا، سو وہ گیا'۔ 'اُس نے ہمیں حاضر ہونے کہا تھا، پس ہم حاضر ہو گئے'۔

بعض حروفِ علّت جوڑا جوڑا آتے ہیں، یعنی ایک علّت کے ساتھ؛ دوسرا معلول کے ساتھ۔ جیسے، 'چوں کہ آپ نہ تھے اس لیے میں نہ آیا'۔

'تا' اور 'تا کہ' اور 'مبادا' کو بھی اسی ضمن میں سمجھنا چاہیے۔ مثلاً: 'کتابیں بھیج دیجیے تاکہ جلد بندھوا دوں'۔ 'آپ کہلا بھیجیے مبادا وہ نہ آئے'۔

۳) حروفِ تخصیص

حروفِ تخصیص جب کسی اسم فعل کے ساتھ آتے ہیں تو خصوصیت یا حصر کے معنی پیدا کرتے ہیں۔

حروفِ تخصیص یہ ہیں: ہی۔ تو۔ بھی۔ ہر۔

جیسے 'میں نے اختر ہی سے سنا تھا'۔

'بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی'

ہیں جہاں سو ہزار ہم بھی ہیں۔

فعل کے ساتھ بھی یہ حرف استعمال ہوتے ہیں۔ 'کسی نے اُن کو سمجھایا تو ہوتا'۔ 'صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں'

'ہر شخص اپنی اپنی فکر میں مبتلا ہے۔ ہر چیز میں کوئی نہ کوئی خوبی ضرور ہے۔

'ہر' ایک کے ساتھ بھی مل کر آتا ہے جیسے: 'ہر ایک آدمی پر لازم ہے کہ اپنا فرض ایمان داری سے ادا کرے'۔ 'ہر ایک کا یہ مقدور نہیں'۔

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمھیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

(غالبؔ)

'کوئی' اور 'کسی' کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے 'ہر کسی کے کہنے کا یقین کیوں کر ہوسکتا ہے'۔ 'اب تو ہر کوئی تمھاری سی کہنے لگا'۔

'ہی' بعض اسما، ضمائر اور حروف کے ساتھ مل کر مرکب لفظ کا جز بن جاتا ہے۔ مثلاً:

کب	'ہی' کے ساتھ مل کر	کبھی	ہوا
جب	"	جبھی	"
اب	"	ابھی	"
تب	"	تبھی	"
سب	"	سبھی	"
کہاں	"	کہیں	"
وہاں	"	وہیں	"

یہاں 〃 یہیں 〃

وہ 〃 وہی 〃

یہ 〃 یہی 〃

اُس 〃 اسی 〃

تم 〃 تمھیں 〃

ہم 〃 ہمیں 〃

تجھ 〃 تجھی 〃

مجھ 〃 مجھی 〃

جوں 〃 جونہیں۔جونہی 〃

یوں 〃 یونہیں۔یونہی۔ینہیں 〃

۴) حروفِ فجائیہ

وہ الفاظ جو جوش یا جذبے میں بے تحاشا زبان سے نکل جاتے ہیں۔ جیسے: ہیں ہیں! اوہو، ہائے وغیرہ۔

مختلف جذبات اور تاثیرات کے لیے الگ الگ حروف مستعمل ہیں۔ بعض اوقات جز جملہ بھی ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے، جیسے: ماشاءاللہ! سبحان اللہ! استغفراللہ وغیرہ۔

ا۔ حرفِ ندا: اے، یا۔ جیسے اے صاحبو۔ یااللہ۔

''ہوت'' دور سے بلانے کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن شایستہ زبان میں اس کا استعمال نہیں ہے۔

ارے، ابے، اجی، ارے او، ابے او؛ عموماً یا تو انتہائی بے تکلفی میں یا تنبیہ یا خفگی کی حالت میں چھوٹے درجے کے لوگوں کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

فارسی میں کبھی 'الف' اسم کے آگے بڑھا دیا جاتا ہے۔ جیسے شاہا، شاہنشاہا، بادشاہا، واعظا

وغیرہ، مگر اردو میں یہ صرف شعر میں آتا ہے۔

جسے بلاتے ہیں اُسے منادیٰ کہتے ہیں۔ جب منادیٰ جمع کی حالت میں ہوتا ہے تو جمع کا آخری 'ن' گر جاتا ہے۔ 'اے صاحبو'! 'اے بھائیو'! بعض وقت حرفِ ندا محذوف بھی ہوتا ہے جیسے: لوگو! دوڑو، صاحبو! یہ کیا بات ہے۔

۲۔ خوشی اور مسرت کے لیے۔ اہاہا، اوہوہو، واہ واہ، سبحان اللّٰہ، ماشاء اللّٰہ۔

۳۔ رنج وتاسف کے لیے۔ ہائے، وائے، آہ، اُف، اے، وائے، ہائے رے، افسوس، حیف، ہیہات۔

۴۔ تعجب کے لیے سبحان اللّٰہ، اللّٰہ اللّٰہ، اللّٰہ اکبر، تعالی اللّٰہ، صلِ علیٰ، اُفو، اہا۔

۵۔ نفرت کے لیے۔ دُر، دُردُر، دور، تُف، تُھو، استغفر اللّٰہ، معاذ اللّٰہ، لاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ، ہشت، چھی۔

۶۔ تحسین وآفرین کے لیے۔ سبحان اللّٰہ، ماشاء اللّٰہ، بارک اللّٰہ، خوب، شاباش، جزاک اللّٰہ، واہ واہ، اللّٰہ اللّٰہ، صل علیٰ، چشم بددور۔

۷۔ پناہ مانگنے کے لیے۔ الامان، الحفیظ، الامان الامان، توبہ، الٰہی توبہ، معاذ اللّٰہ، عیاذاًباللّٰہ۔

۸۔ تنبیہ کے لیے۔ ہیں ہیں، ہوں، ہوں ہوں، خبردار، دیکھو، سنو۔

فصل سوم

مشتق اور مرکب الفاظ

اس فصل میں مشتق اور مرکب الفاظ کا ذکر کیا جائے گا

مشتق

مشتق وہ ہے جو کسی دوسرے لفظ سے کسی قدر تغیر سے نکلا یا بنا ہو۔

یہاں زیادہ تر ہندی الفاظ کے اشتقاق سے بحث کی جائے گی۔ فارسی اشتقاق اکثر ہندی سے ملتا جلتا ہے۔ عربی فی الحال ہماری بحث سے خارج ہے۔

ا۔ اسمائے کیفیت عام طور پر اس طرح بنتے ہیں:

(ا) اکثر افعال کے مادے (یعنی علامت مصدر کے گر جانے کے بعد) اسمائے کیفیت کام کام دیتے ہیں۔ مثلاً ہار، جیت، مار، پھیر، تاک، سیک، بول، لوٹ، روک، ٹوک وغیرہ۔

بعض اوقات اعراب کو لمبا کر کے حروف علّت کی شکل میں لے آتے ہیں۔ جیسے: اُترنا سے اُتار، چلنا سے چال، ٹلنا سے ٹال، ملنا سے میل۔

(ب) مادے کے آخر میں الف کے بڑھانے سے۔ جیسے جھگڑا، پھیرا، چھاپا۔

(ج) 'ن' کے بڑھانے سے۔ جیسے چلن، مرن، کہن، اترن، کترن، سوجن وغیرہ۔

(د) بعض اوقات صفات کے آگے 'ن' بڑھانے سے اسمائے کیفیت بن جاتے ہیں۔ جیسے اُنچان، چوڑان، لمبان وغیرہ۔

(ہ) فعل کے آگے 'ا'، 'ن' کے اضافے سے۔ جیسے اُٹھان، لگان، اڑان، ڈھلان۔

(و) فعل کے مادے کے آگے 'ائی' معروف یا 'وائی' بڑھانے سے۔ لیکن اس میں ہمیشہ اُجرت یا مزدوری کے معنی پائے جاتے ہیں۔ جیسے ڈھلائی، چرائی، پسوائی، دھلائی، سلائی، رنگوائی۔

(ز) صفت کے بعد 'ائی' یا 'ئی' بڑھانے سے اسمائے کیفیت بن جاتے ہیں۔ جیسے اچھائی، بُرائی، گولائی، بڑائی، چھٹائی۔

(ح) اسم کے بعد 'ی' معروف بڑھانے سے۔ چوری، ٹھگی، بھٹی، بٹی۔

(ط) 'ت' یا 'تی' کے بڑھانے سے جیسے بچت، کھپت، بھرتی، بڑھتی، پھبتی۔

(ی) 'ات' کے اضافے سے جیسے بہتات، بھلمنسات۔

(ک) اسم کے بعد ٹ، ہٹ، اٹ کے بڑھانے سے۔ جیسے گھبراہٹ، بناوٹ، رکاوٹ، لگاوٹ وغیرہ۔

(ل) بعض اوقات صفات کے آگے یہی علامت بڑھانے سے بھی اسمائے کیفیت بنتے ہیں۔ جیسے چکناہٹ، کڑواہٹ، نیلاہٹ۔

(م) مادۂ فعل کے بعد 'آؤ' کے اضافہ کرنے سے۔ جیسے بچاؤ، چڑھاؤ، چھڑکاؤ، جھکاؤ، لگاؤ، رکاؤ وغیرہ۔

(ن) 'پا'، 'پن' اور 'پنا' اسم کے آگے بڑھانے سے۔ جیسے بڑھاپا، چھٹاپا، مٹاپا، لڑکپن، بچپن، شہدپن، دیوانہ پن، بچپنا، گنوارپنا، چھٹپنا۔

(س) 'ک' کے بڑھانے سے، اسم یا فعل کے بعد۔ جیسے ٹھنڈک، بیٹھک۔

(ع) 'کی' کے اضافے سے جیسے چسکی۔

(ف) 'اس' کے اضافے سے جیسے مٹھاس، پیاس، کھٹاس۔

(ص) مادۂ فعل کے بعد 'اپ' کے اضافے سے جیسے ملاپ۔

(ق) پت سے جیسے سیان پت، گنوار پت۔

(ر) نا کے لگانے سے۔ جیسے چاندنا۔

(ش) واس کے بڑھانے سے۔ جیسے بکواس۔

(ت) وا کے اضافے سے جیسے بڑھاوا، بلاوا، دکھاوا وغیرہ۔

(ض) یت ۔ جیسے اپنایت۔

یہ سب ہندی صورتیں ہیں، لیکن بعض فارسی ترکیبیں بکثرت استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً 'گی' کے لگانے سے بندگی، زندگی، مردانگی، دیوانگی (یہ علامت ان فارسی الفاظ کے آگے اضافہ کی جاتی ہے جن کے آخر میں 'ہ' ہوتی ہے۔)

اسم کے بعد 'ی' کے اضافے سے، جیسے گرمی، نرمی، جوانی، روشنی وغیرہ۔

امر کے آگے 'ش' یا 'لیش' کے اضافے سے جیسے سوزش، آزمائش، گردش وغیرہ۔

امر کے آگے 'اک' کے بڑھانے سے جیسے خوراک، پوشاک۔

۲۔ اسم فاعل، جو کسی کام یا پیشے کے ظاہر کرنے کو استعمال ہوتا ہے، مفصلہٗ ذیل علامات کے اضافے سے بنتا ہے:

(ا) والا۔ جیسے رکھوالا، گوالا وغیرہ۔

(ب) وال۔ جیسے دوال، رکھوال۔

(ج) ہار، ہارا، جیسے پنہارا، لکڑہارا، پسنہارا، گھسیارا، جانہارا۔ ہار سنسکرت کے لفظ 'کارک' سے بگڑ کر بنا ہے، جس کے معنی آنے والے کے ہیں۔

بعض الفاظ میں ہارا کی 'ہ' اُڑ گئی ہے اور آرا، آر، یار، ہو گیا ہے۔ جیسے کرتار، چمار، کمہار، بنجارا، بھٹیارا، سنار، لوہار۔

(د) اری یا اڑی کے اضافے سے بنتا ہے، جیسے پجاری، بھکاری، کھلاڑی۔

(ہ) ایرا کے اضافے سے جیسے لٹیرا، کمیرا، سپیرا، کسیرا۔

(و) 'ا' کے اضافے سے، جیسے 'بھڑ بھونجے میں بھونجا' جو پرانے فعل بھنجنا (بھوننا) سے نکلا ہے۔ جوتا (زمین جوتنے والا)، اچکا۔

(ز) 'یا' کے اضافے سے جیسے گدڑیا (گدڑ بمعنے بھیڑ)، دیوالیا، نچنیا۔

(ح) 'یا' کے اضافے سے، جیسے گویّا، بٹویّا۔

(ط) 'ہا' کے اضافے سے، جیسے چرواہا۔

(ی) 'وا' کے اضافے سے، جیسے مچھوا، بھڑوا (بھاڑے سے)، پٹوا (پٹ = ریشم)۔

(ک) 'اک' کے اضافے سے، جیسے پیراک، لڑاک، تیراک، چالاک۔

(ل) 'تا' کے اضافے سے، جیسے داتا، یا رشتے کو ظاہر کرنے کے لیے جیسے پتا (یہ سنسکرت علامت ہے۔)

(م) 'کڑ' کے اضافے سے، جیسے بھلکڑ، کودکڑ، بجھکڑ۔

(ن) 'و' کے اضافے سے، جیسے ڈاکو، پٹھو۔

(س) 'رو' کے اضافے سے، جیسے پکھیرو، کسیرو۔

اس کے علاوہ فارسی علامتیں بھی اردو میں بکثرت استعمال ہوتی ہیں مثلاً گر، گار، کار۔ جیسے کاریگر، نیلگر، زرگر، خدمت گار، مددگار، دست کار۔

'بر'، جیسے، رہبر، دلبر، پیغام بر۔

'بان'، 'وان' جیسے باغ بان، گاڑی بان، کوچوان (اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں موٹر بان)

'مند' جیسے دولت مند، حاجت مند۔

'ور'، 'آور' جیسے جانور، زور آور۔

ترکی علامت 'چی' سے جیسے خزانچی، طبلچی، بندوقچی، باورچی۔

ان فارسی علامات والفاظ کا ذکر تفصیل سے آگے آئے گا۔

۳۔ اسمائے آلہ، فعل کے بعد ان علامات کے بڑھانے سے بنتے ہیں، جیسے:

(ا) 'نی'، 'نا'، 'ن' کے اضافے جیسے دھونکنی، اوڑھنی، بیلن، چھلنی، پالنا، میانا؛ اسم کے بعد 'ن' بڑھانے سے جیسے دتون۔

(ب) 'ا' کے اضافے سے جیسے گھیرا۔

(ج) 'یل' کے اضافے سے جیسے نکیل۔

(د) 'و' کے اضافے سے جیسے جھاڑو۔

فارسی میں 'ہ' کے اضافے سے جیسے دستہ، چشمہ، آنہ، انگشتانہ، دستانہ۔

۴۔اسمائے ظرف اسم کے بعد ان علامات کے لگانے سے بنتے ہیں:

(ا) باڑی، باڑہ، واڑہ، وارا، واری: جیسے بانس باڑی، سید باڑہ، امام باڑہ، رسول باڑی، ڈھیرواڑہ، ہرواڑ، پھلواری، پچھواڑا۔

(ب) 'ستان' جیسے راجستان، ہندوستان۔

(ج) 'الا' یا 'الی' سے، جیسے ہمالا، شوالا، متالی۔

(د) 'ال' یا 'ل' سے، جیسے سسرال، ننھیال۔

(ہ) 'سال'، 'سالہ' یا 'شالا' سے۔ٹکسال، گھڑسال، پاٹ شالا، دھرم سالہ۔

(و) 'انہ' جیسے سمدھیانہ، سرہانہ۔

(ز) 'اؤ' سے جیسے پیاؤ، ڈلاؤ۔

(ح) 'دوار' یا 'دوارا' سے، جیسے ہردوار، گردوارا۔

۵۔اسم کی تصغیر ان علامات کے اضافے سے بنتی ہے:

(ا) 'ا' کے لگانے سے، جیسے ڈبیا، پھڑیا، لٹیا۔

اس قسم کی تصغیر سے اکثر پیار اور محبت کا اظہار ہوتا ہے۔جیسے بٹیا، بہنیا، بھیا۔

(ب) 'ی' معروف سے ٹوکری، رسی، شیشی۔

(ج) 'یا' سے جیسے ابنیا، کھٹیا، تلیا (تال سے)۔

(د) 'وا' سے جیسے مردوا، جوروا، بٹوا۔

(ہ) 'ڑی'، 'ری' اور 'ڑا'، 'را' کے لگانے سے۔ جیسے دمڑی (دام سے)، پلنگڑی، چمڑا، چمڑی، گلیاری، کھلڑی، لنگڑا، ٹکڑا (ٹک سے)، ٹھیکرا (ٹھیک سے)، بکھڑا، جیوڑا۔

(و) 'ایلا'، 'اولا' سے جیسے دھیلا (ادھیلا یعنی آدھے سے)، بگھیلا یا بھکیلا (باگھ سے)،

کھٹولا، نندولا، لگیلا، سپولیا (ہندی سنپولا)، بھنڈیلا، گدیلا۔

(ز) 'ٹا' یا 'وٹا' سے جیسے ہرنوٹا، چوٹا، بامٹا۔

(ح) 'نا' سے جیسے بُھنا، ڈھولنا۔

(ط) 'ک' ہندی اور فارسی دونوں میں مشترک ہے۔ جیسے ڈھولک، مردک، عینک، طفلک، بطخ، (بطک)۔

(ی) 'وڑ' سے جسے بندوڑ۔

علاوہ 'ک' کے فارسی علامت 'چی' یا 'چہ' اردو میں مستعمل ہے جیسے صندوقچہ، باغچہ، دیگچہ، دیگچی، نمچہ، ڈولچی، پچہ، سینچہ، دیچی۔

۶۔ اب اُن صفات کا ذکر کیا جاتا ہے جو دوسرے الفاظ سے مشتق ہیں:

(ا) 'ی' کے اضافے سے، جیسے شہری، پہاڑی، دیسی، بھاری، اونی، بلی وغیرہ۔

(ب) 'ا' کے بڑھانے سے، جیسے دودھیا، جھوٹا، میلا، بھوکا، نیلا، گیروا۔

(ج) 'اک' سے، جیسے لڑاک، پیراک یا تیراک۔

(د) 'ایلا' یا 'ی' معروف کے بڑھانے سے، جیسے پتھریلا، شرمیلا، رسیلا، نکیلا، سجیلا، رنگیلا، نشیلا، سریلا وغیرہ۔

'ایلا' (یا 'ی' مجہول)	اکیلا، سوتیلا، کسیلا، غصیلا۔
ایل، ائل، ل	دودھیل، دبیل، تندیل، غصیل۔
	دڑھیل، پائل، گھائل، بوجھل۔
الا	ٹیالا۔ کوڑیالا۔
ایرا۔ وڑ	چچیرا، ممیرا، کمیرا، ہنسوڑ۔
الو	لجالو، شرمالو، جھگڑالو۔

(ہ) 'اؤ' ۔ جیسے بکاؤ، دباؤ، کماؤ، کھاؤ۔

(و) 'ک' جیسے ویدک، سماجک، پھوٹک۔

(ز) 'کا'۔ جیسے پکا۔

(ح) 'یت'۔ پچیت، کڑکیت، پھکیت، ڈکیت۔

(ط) 'ونت'۔ بلونت، بھگونت۔

(ی) 'مان' یا 'وان'۔ جیسے بھاگوان، بدھیمان، گنمان، دھنوان۔

(ک) 'وُ' سے جیسے بازارو، دیدارو۔

(ل) 'وا' سے جیسے پروا، پچھوا۔

(م) 'سا' سے جیسے پیاسا، روانسا (رونکھا)، نندا سا۔

(ن) 'والا'۔ جیسے متوالا۔

(س) 'واں'۔ جیسے گیھواں، ڈھلواں، پھسلواں، گتھواں۔

(ع) 'نا'۔ جیسے پھسلنا۔

(ف) 'ہار'۔ جیسے ہونہار، جانہار، مرن ہار وغیرہ۔

(ص) 'ہائی' (تانیث کے لیے) جیسے فیلہائی۔

(ق) 'ہرا' یا 'ہری' اور 'ہلی'۔ جیسے سنہرا، سُنہری، رُپہلی۔

(ر) 'یرا'۔ جیسے ممیرا، خلیرا، بہتیرا۔

اس کے علاوہ فارسی کی بعض علامات بھی اسی طرح اردو میں مستعمل ہیں جیسے 'ی' ہندی اور فارسی دونوں میں یکساں استعمال ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ:

'انہ' جیسے مردانہ، سالانہ، ماہانہ۔

'یں' یا 'ین' جیسے زریں، آتشیں، رنگین، نمکین، شوقین، کمین۔ 'ناک' جیسے غضبناک، ہولناک، خطرناک۔

اس کے علاوہ اسم اور امر سے مل کر سینکڑوں فارسی صفات بناتے ہیں۔ جیسے برمحل، بروقت، برقرار، بجا، بے جا، بے دل، باتدبیر، بے عقل وغیرہ۔

علاوہ اس کے ہندی میں 'س' خوبی کے لیے اور 'ک' عیب کے لیے بعض الفاظ کے

شروع میں آتا ہے مگر عموماً یہ قیاسی ہوتے ہیں، جیسے سڈول، سپوت، پچیت، کپوت، کڈھب، کراہ وغیرہ۔

مرکب

مرکب الفاظ دو قسم کے ہیں:

اوّل وہ جہاں ایک خاص حرف یا علامت یا لفظ دوسرے مختلف الفاظ کے ساتھ مل کر خاصی معنی پیدا کرتا ہے۔

دوسرے، وہ جب کہ دو مختلف اسم یا ایک اسم اور صفت یا اسم وفعل یا صفت وفعل مل کر ایک لفظ بن جاتا ہے، ایسے مرکبات زیادہ تر ہندی ہوتے ہیں۔

اب ہم دونوں قسموں کا الگ الگ بیان کرتے ہیں۔

(ا)

(ا) اوّل اُن الفاظ کا بیان کیا جاتا ہے جن کے شروع میں آنے سے صفات کی نفی ہوتی ہے:

'اُ' (ہندی) سے جیسے ادھر، اٹل، امٹ، اچل، اچھوت، اچھوتا وغیرہ۔

'ان' (ہندی) سے جیسے انجان، ان پڑھ، ان گھڑ، ان مول، ان مل وغیرہ۔

'ن' (ہندی) سے جیسے نڈر، نہتا، نکما، ندیدہ وغیرہ۔

'نر' (ہندی) سے جیسے نراسا، نرمل، نربل، نرگن وغیرہ۔

'بن' (ہندی) سے جیسے بن سلا، بن سرا، بن جتی (زمین)۔

'کُ، کَ' (ہندی) سے جیسے کڈھب، کُراہ، کپوت وغیرہ۔

'پر' (بمعنی غیر، دوسرا)۔ پردیس، پرسال، پڑتال، پرلوک وغیرہ۔

بعض فارسی اور عربی الفاظ بھی اسی طرح نفی کے لیے استعمال ہوتے ہیں جیسے:

'نا' (فارسی)، (ہندی الفاظ کے ساتھ بھی آتا ہے) جیسے نالایق، نادار، ناوقت، ناسمجھ،

ناچار، نادان۔

'بے' (فارسی)، (ہندی الفاظ کے ساتھ بھی آتا ہے) جیسے بے ہوش، بے خبر، بے دل، بے مثل، بے صبر۔ ہندی الفاظ کے ساتھ جیسے بے چین، بے تہا، بے ڈھب، بے ڈھنگا، بے دھڑک وغیرہ۔

'کم' (فارسی)، (ہندی الفاظ کے ساتھ بھی آتا ہے) جیسے کمزور، کمیاب، کم عقل، کم حوصلہ، کم اصل۔

غیر (عربی) 〃 〃 غیر حاضر، غیر مفید۔

خلاف 〃 〃 خلاف عقل، خلاف شرع، خلاف قاعدہ۔

اسی طرح بد، تنگ، زشت، دون وغیرہ الفاظ، دوسرے الفاظ کے ساتھ آکر ذم کے معنی پیدا کرتے ہیں جیسے بدگمان، بدشکل، بدچلن، تنگ دل، تنگ چشم، زشت رُو، زشت خو، دوں ہمّت وغیرہ۔

(۲) مرکب صفات جو اکثر فارسی ہوتے ہیں اور اکثر بطور اسم فاعل مستعمل ہیں۔ (اسم کے ساتھ امر یا دوسرا اسم اضافہ کرنے سے۔)

'دار' کے ساتھ جیسے دلدار، زردار، جان دار، وفادار، مال دار وغیرہ۔

'بر' کے ساتھ جیسے دلبر، فرمان بر۔

باز 〃 〃 جاں باز، سرباز، دغاباز۔

ساز 〃 〃 حیلہ ساز، دم ساز، سخن ساز، زمانہ ساز، کارساز۔

آور (ور) 〃 نامور، زور آور، دلاور، قد آور، نام آور۔

خواہ 〃 〃 خیر خواہ، دل خواہ، خاطر خواہ، عذر خواہ۔

اندیش 〃 〃 دور اندیش، خیر اندیش، کوتہ اندیش۔

طلب 〃 〃 خیر طلب، مرمت طلب، شہرت طلب۔

شناس 〃 〃 اداشناس، مردم شناس، قدر شناس، سخن شناس۔

فہم // // سخن فہم، شعر فہم، معاملہ فہم۔

پوش // // عیب پوش، خطا پوش، پردہ پوش، خوان پوش۔

بخش // // خطا بخش، زر بخش، صحت بخش۔

پرست // // آشنا پرست، زن پرست، شکم پرست، بت پرست، خدا پرست، وطن پرست۔

پسند // // دل پسند، ترقی پسند، شہرت پسند۔

فروش // // خود فروش، یار فروش، دل فروش، وطن فروش۔

گیر // // جہاں گیر، عالم گیر، دست گیر، دل گیر، دامن گیر، گلو گیر۔

خوار (خور) // خوں خوار، دانہ خور، میخوار، شراب خوار، بسیار خوار۔

گو // // راست گو، دروغ گو، کم گو، پوچ گو۔

جو // // عیب جو، جنگ جو، نام جو۔

بیں // // باریک بیں، عیب بیں، خورد بیں، آخر بیں پیش بیں۔

نشیں // // جیسے دل نشیں، خانہ نشیں، ذہن نشیں۔

ربا // // دل رُبا، ہوش ربا، اندوہ ربا۔

چیں // // نکتہ چیں، سخن چیں، عیب چیں، خوشہ چیں۔

ریز // // خوں ریز، شکر ریز، برگ ریز، زر ریز، گوہر ریز۔

فشاں (افشاں) // گلفشاں، نور افشاں، در افشاں، اشک فشاں۔

سوز // // جگر سوز، دل سوز، عالم سوز، جہاں سوز۔

کن // // بیخ کن، گور کن (اسم فاعل)۔

زدہ // // غم زدہ، آتش زدہ، قحط زدہ۔

آلودہ // // خون آلودہ، گرد آلودہ، شکر آلودہ۔

زن // // لاف زن، نیش زن۔

آزار	//	دل آزار، مردم آزار، خلق آزار۔
افروز	//	دل افروز، بزم افروز، جہاں افروز، عالم افروز۔
افراز (فراز)	//	گردن افراز، سرافراز (سرفراز)۔
آموز	//	علم آموز، جنگ آموز، نوآموز۔
آمیز	//	خاک آمیز، گلاب آمیز، مکرآمیز، مصلحت آمیز۔
انگیز	//	فتنہ انگیز، آتش انگیز، بغاوت انگیز۔
پرور	//	غریب پرور، امیر پرور، شریف پرور، سخن پرور۔
نواز	//	غریب نواز، بندہ نواز، ذرہ نواز، پلک نواز۔
پرواز	//	سخن پرواز، معنی پرواز۔
کشا	//	دل کشا، مشکل کشا، عقدہ کشا۔
گداز	//	دل گداز، تن گداز، جاں گداز۔
نما	//	خوش نما، بدنما، خودنما، انگشت نما۔
بوس	//	خاک بوس، قدم بوس، دست بوس، پابوس۔
لیس	//	کاسہ لیس، رکابی لیس۔
بار	//	بردبار، زیربار، گراں بار، سبکبار۔
رو	//	تیزرو، سبک رو، کم رو، گرم رو۔
دوز	//	زمیں دوز، دل دوز۔
رس	//	فریادرس، سخن رس، شاہ رس، دربار رس، دادرس، دوررس۔
گوں	//	نیلگوں، گلگوں (رنگ کے لیے)۔
فام	//	گلفام، سیاہ فام، لالہ فام (//)۔

اسی طرح بعض خاص اسم دوسرے اسما کے ساتھ آنے سے یہ معنی پیدا کرتے ہیں۔

مثلاً:

فہم	//	//	سخن فہم، شعر فہم، معاملہ فہم۔
پوش	//	//	عیب پوش، خطا پوش، پردہ پوش، خوان پوش۔
بخش	//	//	خطا بخش، زر بخش، صحت بخش۔
پرست	//	//	آشنا پرست، زن پرست، شکم پرست، بت پرست، خدا پرست، وطن پرست۔
پسند	//	//	دل پسند، ترقی پسند، شہرت پسند۔
فروش	//	//	خود فروش، یار فروش، دل فروش، وطن فروش۔
گیر	//	//	جہاں گیر، عالم گیر، دست گیر، دل گیر، دامن گیر، گلو گیر۔
خوار (خور)		//	خوں خوار، دانہ خور، میخوار، شراب خوار، بسیار خوار۔
گو	//	//	راست گو، دروغ گو، کم گو، پوچ گو۔
جو	//	//	عیب جو، جنگ جو، نام جو۔
بیں	//	//	باریک بیں، عیب بیں، خورد بیں، آخر بیں پیش بیں۔
نشیں	//	//	جیسے دل نشیں، خانہ نشیں، ذہن نشیں۔
ربا	//	//	دل رُبا، ہوش ربا، اندوہ ربا۔
چیں	//	//	نکتہ چیں، سخن چیں، عیب چیں، خوشہ چیں۔
ریز	//	//	خوں ریز، شکر ریز، برگ ریز، زر ریز، گوہر ریز۔
فشاں (افشاں)		//	گلفشاں، نور افشاں، در افشاں، اشک فشاں۔
سوز		//	جگر سوز، دل سوز، عالم سوز، جہاں سوز۔
کن	//	//	بیخ کن، گور کن (اسم فاعل)۔
زدہ		//	غم زدہ، آتش زدہ، قحط زدہ۔
آلودہ	//	//	خون آلودہ، گرد آلودہ، شکر آلودہ۔
زن	//	//	لاف زن، نیش زن۔

آزار	〃	دل آزار، مردم آزار، خلق آزار۔
افروز	〃	دل افروز، بزم افروز، جہاں افروز، عالم افروز۔
افراز (فراز)	〃	گردن افراز، سرافراز (سرفراز)۔
آموز	〃	علم آموز، جنگ آموز، نوآموز۔
آمیز	〃	خاک آمیز، گلاب آمیز، مکر آمیز، مصلحت آمیز۔
انگیز	〃	فتنہ انگیز، آتش انگیز، بغاوت انگیز۔
پرور	〃	غریب پرور، امیر پرور، شریف پرور، سخن پرور۔
نواز	〃	غریب نواز، بندہ نواز، ذرہ نواز، پلک نواز۔
پرواز	〃	سخن پرواز، معنی پرواز۔
کشا	〃	دل کشا، مشکل کشا، عقدہ کشا۔
گداز	〃	دل گداز، تن گداز، جاں گداز۔
نما	〃	خوش نما، بدنما، خودنما، انگشت نما۔
بوس	〃	خاک بوس، قدم بوس، دست بوس، پابوس۔
لیس	〃	کاسہ لیس، رکابی لیس۔
بار	〃	بردبار، زیربار، گراں بار، سبکبار۔
رو	〃	تیز رو، سبک رو، کم رو، گرم رو۔
دوز	〃	زمیں دوز، دل دوز۔
رس	〃	فریادرس، سخن رس، شاہ رس، دربار رس، دادرس، دور رس۔
گوں	〃	نیلگوں، گلگوں (رنگ کے لیے)۔
فام	〃	گلفام، سیاہ فام، لالہ فام (〃)۔

اسی طرح بعض خاص اسم دوسرے اسما کے ساتھ آنے سے یہ معنی پیدا کرتے ہیں۔

مثلاً:

دوست کے ساتھ جیسے غریب دوست، وطن دوست خانہ دوست۔

دشمن 〃 〃 آشنا دشمن، زن دشمن۔

فریب 〃 〃 دل فریب، مردم فریب، ابلہ فریب۔

مائل 〃 〃 سبزی مائل، زردی مائل، سرخی مائل۔

خوش (لفظ کے اول میں) خوش رو، خوش خلق، خوش مزاج۔

نیک 〃 〃 نیک دل، نیک طینت، نیک مزاج۔

خوب 〃 〃 خوب صورت، خوب شکل۔

خود 〃 〃 خودنما، خود پسند، خودغرض، خودفریب، خودرو۔

صاحب 〃 صاحبِ نصیب، صاحبِ شعور، صاحبِ دل۔

اہل 〃 〃 اہلِ دل، اہلِ کمال، اہلِ علم وغیرہ (یہ الفاظ ہمیشہ جمع میں استعمال ہوتے ہیں۔)

کار 〃 〃 بدکار، نیکوکار۔

نیم 〃 〃 نیم پخت، نیم جاں، نیم بسمل، نیم بریاں، نیم مردہ، (نیم ملا بطور اسم)

ترکیبِ اضافی 'لائق' اور 'قابل' کے ساتھ؛ جیسے: قابلِ سزا، قابلِ علاج، قابلِ داد، قابلِ رشک، قابلِ تحسین، لائقِ انعام، لائقِ تعریف وغیرہ۔

۳۔ بالکل اسی طرح اسمِ فاعل بھی بنتے ہیں، بلکہ اکثر اوقات صفات و اسماے فاعل مشترک ہوتے ہیں۔ مثلاً:

'بر' کے ساتھ جیسے پیغمبر، رہبر وغیرہ۔

'بردار' کے ساتھ جیسے عصا بردار، حقہ بردار، علم بردار، حکم بردار۔

'گر' کے ساتھ جیسے کاریگر، نیل گر، زرگر، بادشاہ گر۔

'کار' کے ساتھ جیسے دست کار، کاشت کار، پیش کار، قلم کار۔

'دار' کے ساتھ جیسے زمیندار، قرض دار، چوب دار، دکاندار۔

'باز' کے ساتھ جیسے مرغ باز وغیرہ۔

'کش' کے ساتھ جیسے جریب کش، تارکش، آرہ کش، بادکش۔

'پوش' کے ساتھ جیسے سرپوش، پلنگ پوش، پاپوش۔

'فروش' کے ساتھ جیسے میوہ فروش، مے فروش۔

'خوان' کے ساتھ جیسے قصہ خوان، مسل خوان، مرثیہ خوان، فارسی خوان۔

'انداز' کے ساتھ جیسے گولنداز، تیرانداز، برقنداز، زیرانداز، پاانداز۔

'نشین' کے ساتھ جیسے جانشین، فیل نشین، کرسی نشین، تخت نشین۔

'ربا' کے ساتھ جیسے کاہ ربا، آہن ربا۔

'کن' کے ساتھ جیسے گورکن، پشتہ کن۔

'دوز' کے ساتھ جیسے خیمہ دوز، چکن دوز، کفش دوز۔

'شو' کے ساتھ جیسے مردہ شو، پاشو۔

'چی' کے ساتھ جیسے خزانچی، اوبچی، طنبورچی، طبلچی۔

جس طرح شروع میں بعض حروف اور الفاظ ترکیب کے لیے آتے ہیں اسی طرح آخر میں بھی آتے ہیں۔ شروع میں جو آتے ہیں انھیں ''سابقہ'' کہتے ہیں اور آخر میں آنے والے ''لاحقہ'' کہلاتے ہیں۔

فارسی لاحقوں کا ذکر آچکا ہے، اب یہاں چند فارسی سابقے لکھے جاتے ہیں جو عام طور پر مستعمل ہیں:

پا   پاانداز، پابوس، پابند، پاجامہ، پازیب، پامال وغیرہ۔

پس   پس انداز، پس ماندہ، پس پا وغیرہ۔

پر   پرجوش، پرمعنی، پرمغز، پردرد وغیرہ۔

پنج   پنج روزہ، پنجتن، پنجگانہ، پنج شنبہ وغیرہ۔

پیش پیشانی، پیشاب، پیش دست، پیش خیمہ، پیش کش وغیرہ۔

تہ تہ خانہ، تہ بند، تہ بازاری، تہ دیگی وغیرہ۔

خر خرگاہ، خرمہرہ، خرمن، خرگوش وغیرہ۔

خوش خوش اسلوب، خوشبو، خوش بیان، خوش خصال، خوش نصیب وغیرہ۔

در در پردہ، درپیش، درکار، درگزر، درپے وغیرہ۔

زبر زبردست وغیرہ۔

زیر زیربار، زیردست، زیرلب وغیرہ۔

زود زودرنج، زودفہم، زودنویس، زودآشنا وغیرہ۔

سر سرخوش، سربلند، سرتاج، سررشتہ، سرحد، سرکش وغیرہ۔

شاہ شہ۔ شاہ راہ، شاہ رگ، شاہ نشین، شہ نشین، شہتیر، شہ بار، شہسوار وغیرہ۔

شش شش جہت، شش ماہی، ششدر وغیرہ۔

صاحب صاحب خانہ، صاحب دل، صاحب کمال، صاحب علم، صاحب نصیب وغیرہ۔

صدر صدرمدرس، صدراعظم، صدراعلیٰ، صدرمحاسب وغیرہ۔

غیر غیرممکن، غیرمناسب، غیرموزوں، غیرضروری، غیرمنقولہ وغیرہ۔

لا (عربی) لاابالی، لازوال، لاوارث، لامکان، لایعنی وغیرہ۔

میر میرفرش، میرآتش، میرعمارت، میرمنشی، میرمجلس وغیرہ۔

نیم نیم حکیم، نیم روز، نیم راضی، نیم باز وغیرہ۔

نو نوآبادی، نوبہار، نودولت، نوعمر، نوگرفتار وغیرہ۔

ہر ہردل عزیز، ہرروزہ، ہرکارہ وغیرہ۔

ہزار ہزارداستان، ہزاردانہ، ہزارپا وغیرہ۔

ہشت ہشت پہلو، ہشت ہزاری وغیرہ۔

ہفت　　　ہفت اقلیم، ہفت خوان، ہفت زبان وغیرہ۔

ہم　　　ہم آواز، ہم پیالہ، ہم نوالہ، ہم نشیں، ہم درد وغیرہ۔

ہمہ　　　ہمہ دان، ہمہ گیر وغیرہ۔

یک　　　یک دل، یک چشم، یک رنگ، یک جہتی وغیرہ۔

ہندی کے بھی بعض الفاظ بطور سابقے کے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً:

تر　　　تر پھلا، تر سول، ترلوک وغیرہ۔

چو　　　وبولا، چوبارہ، چو پہلا، چوراہا وغیرہ۔

سر　　　سرکٹا، سرمنڈا، سردھرا، سرپنچ، سرتوڑ وغیرہ۔

مہا　　　مہاتما، مہابلی، مہابھارت، مہابیر، مہاجن، مہاراج وغیرہ۔

یک (اِک)　　　یکنگ (اِکنگ) یکتارا، اِکتارا، اِکتالہ، اِک پیچا، اِک ڈال، اکلوتا۔

یہاں صرف وہی فارسی ترکیبیں بیان کی گئی ہیں جو اکثر اسما خاص الفاظ کے ساتھ آ کر خاص معنی پیدا کرتے ہیں، اسی ڈھنگ سے دوسرے نئے الفاظ بنانے میں مدد مل سکتی ہے۔ مختلف الفاظ کے باہم اختلاط سے جو الفاظ مرکب بنتے ہیں ان کا ذکر آگے کیا جاتا ہے۔

(۲)

اردو میں جب دو مختلف لفظ مل کر ایک بن جاتے ہیں تو اس کی دو حالتیں ہیں:

اوّل، بلحاظ ترکیبِ لفظی، یعنی جب دو لفظ مل کر ایک ہو جاتے ہیں تو لفظ کی صورت کیا ہوتی ہے۔

دوسرے، بلحاظِ معنی، یعنی معنی کے لحاظ سے ایسے الفاظ کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔

اوّل ہم پہلی حالت کا بیان کرتے ہیں اور وہ ہمارے خیال میں بہت ضروری ہے تاکہ آئندہ جو نئے الفاظ ہم بنانا چاہیں تو وہ اسی ڈھنگ پر ہوں اور غیر مانوس نہ معلوم ہوں اور آسانی سے رائج ہو سکیں۔

(ا) دو لفظ مل کر اپنی اصلی حالت قائم رکھتے ہیں اور اُن میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ جیسے،

بھلامانس، اَن داتا، کرن پھول، کارخانہ، کارچوب، مانس گند، گوراشاہی، باگ ڈور، دِیاسلائی۔

(۲) پہلے لفظ کے الف ممدودہ کا مد گر جاتا ہے اور صرف سادہ الف رہ جاتا ہے۔ جیسے، ادھ کچرا، ادھ کھلا، ادھ مرا، امرس۔

(۳) دولفظوں کے ملنے پر پہلے لفظ کے آخر 'ا' یا 'ی' گر جاتی [ہے۔] جیسے، ادھ کچرا، ادھ کھلا، بڑھاگی، بڑپن، بڑبٹا، بڑدنتا، بڑکتا، بڑما، بڑمنہی، بڑمنہا، بھتیج بہو، بھتیج داماد، کپڑچھن، کپڑگند، کچ پینڈیا، کچ لہو، کھٹمٹھا۔

(۴) پہلے لفظ کے بیچ کا حرفِ علّت گر جاتا ہے، جیسے، پت جھڑ، پن چکّی، پن گھٹ، پن کپڑا، پن کُٹّی۔ (پان کا مخفف) ہت پھیری، ہت چھٹ، ہت کڑی، ہتھکنڈا، دھن کٹّی، کن ٹوپ، کن چھیدن، گل جُبا، گل تکیہ، گل مُچھے، گل مالا، گل پھلا، کن رس، کن رسیا، کن کٹا، ست نجا، کن پھٹا، پن کال، تل چٹا (تل تیل کا مخفف ہے)، پچمیل، منجدھار، پھلجھڑی۔

(۵) پہلے لفظ کے بیچ اور آخر کے دونوں حرفِ علّت گر جاتے ہیں، جیسے، گھُڑ بہل، گھرچڑھا، گھڑدوڑ، گھڑناؤ، گھڑمنہا۔

(۶) دونوں لفظوں میں حرف علت کا گرنا، جیسے، بگ ٹٹ، بھلمنسائی، بھلمنسات۔

(۷) جب پہلے لفظ کا آخر حرف اور دوسرے لفظ کا اول حرف ایک ہوں، تو ایک گر جاتا ہے جیسے کچالو، نکٹا، ہڑتال (ہٹ تال کا مخفف ہے۔ 'ت' اور 'ٹ' کے یکجا آنے سے 'ٹ'، 'ڑ' سے بدل گئی۔)

(۸) اسمِ فاعل یا صفت یا اسمِ عام بنانے کی غرض سے آخر میں الف یا مؤنث کے لیے 'ی' بڑھادیتے ہیں جیسے چوبغلا، کن رسیا، لم ڈڑھیا، مرکھنا (مر اور کھن سے مرکب ہے، کھن کے معنی ٹکڑے کرنے کے ہیں)، ست لڑا، ست ماسا، ست نجا، انگرکھا، بڑدنتا، بڑمنہوا، بڑمنہی، گھ کٹا، کن پھٹا، کن کٹا، بھڑبھونجا، (بھڑ بھاڑ کا مخفف ہے اور بھونجنا کے معنی بھوننا کے ہیں۔)

(۹) بعض اوقات دولفظوں کے بیچ میں 'ا' نسبت یا تعلق ظاہر کرنے کے لیے بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے مٹیامحل، ہیراپھیری، بیچاپیچ، دھڑادھڑ۔

(۱۰) بعض الفاظ عجب طرح سے مرکب ہوتے ہیں۔ مثلاً پھلیل، اصل میں 'پھول تیل' تھا۔ پھول میں سے 'و' کو اور تیل میں ـ سے ت کو حذف کر کے ایک لفظ بنالیا۔ لوچون، لوہے چورن سے ہے (چورن بمعنی سفوف)۔ اسی طرح 'بھتیجا' اصل میں بھائی جایا اور 'بھانجا'، بہن جایا تھا۔

(۱۱) آنده کے معنی ہندی میں بو کے ہیں۔ اس سے کئی لفظ مرکب بنے ہیں۔ مثلاً چرائند، بسائند، سڑائند، ہرائند۔

(۱۲) ہندی میں مرکب الفاظ کی سب سے بہتر ترکیب ہندی اعداد میں نظر آتی ہے جسے ہم بالتفصیل صَرف کے حصّے میں لکھ چکے ہیں۔ یہ ہندی ترکیبیں قریب قریب اسی قسم کی ہیں جو سنسکرت میں پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا ان کی تقسیم بلحاظ معنی کے اُسی صورت سے کی جاتی ہے جو سنسکرت میں ہے۔

اول: مرکباتِ تابع، جن میں الفاظ کا تعلق اسم کی حالت کے تابع ہوتا ہے۔

دوم: مرکباتِ ربطی، جن میں الفاظ کا تعلق حرف ربط سے ظاہر ہوتا ہے۔

سوم: مرکباتِ توصیفی، جن میں صفت کسی دوسرے اسم سے مل کر آتی ہے۔

چہارم: مرکباتِ اعدادی، جن میں اول جز عدد ہوتا ہے۔

پنجم: مرکباتِ تمیزی، جن میں پہلا جز تمیز ہوتا ہے۔

اب ہم ان کی تفصیل ذیل میں لکھتے ہیں:

اول: مرکباتِ تابع، اسما کی حالت کے مطابقت کے لحاظ سے مختلف قسم کے ہیں۔

(۱) تابعِ مفعولی جو عام طور پر مستعمل ہے، اس میں دوسرا جز اسمِ فاعل یا فعل ہوتا ہے، اور پہلا جز حالتِ مفعول میں دوسرے کے تابع ہوتا ہے۔ جیسے بٹ مار، چڑیمار، ان داتا، تل چٹا، کھ پھوڑا، گٹھ کٹا۔

(۲) تابعِ ظرفی یا طوری جس میں پہلا لفظ دوسرے سے ظرفی یا طوری تعلق رکھتا ہو، جیسے دیس نکالا، پچمیل، دوغلا۔

(۳) تابعِ اضافی جس میں پہلا جز دوسرے جز سے اضافی تعلق رکھتا ہو۔ یہ مرکبات کثرت سے مستعمل ہیں۔ جیسے لکھ پتی، پن گھٹ، پن چکی، امرس، کن رس، کٹھ پتلی، راجپوت، سوت جلاپا، بھتیج بہو، کن ٹوپ، پت جھڑ، کپڑ گند، مانس گند، ہت کڑی، راج ہٹ وغیرہ وغیرہ۔

(۴) تابعِ ظرفی جس میں پہلے لفظ کا تعلق دوسرے سے بہ لحاظ مقام کے ہو۔ جیسے گھڑ چڑھا، سورگ باسی، بن باسی، بن مانس، جل مانس، جل ککڑ، اوپر والا، اوپر والی۔

دوم: مرکباتِ ربطی وہ ہیں جن کے پہلے اور دوسرے جز میں حرف ربط واقع ہوتا ہے۔ جیسے مٹیا محل، دھڑا دھڑ، اینچا تانی، بھاگا بھاگ، شرما شرمی، آب وہوا، سراسر (اس قسم کے فارسی مرکبات بکثرت مستعمل ہیں۔)

(۱) اکثر اوقات حرفِ ربط محذوف ہوتا ہے۔ جیسے ماں باپ، دال روٹی، تلپٹ، ان جل، دل گردہ، بول چال، جوڑ توڑ، گھر بار، خاک دھول، جوتی پیزار، دم درود، دم دلاسا، دم خم وغیرہ۔

(۲) اجتماعِ ضدّین۔ جیسے ہار جیت، کمی بڑھتی (کمی بیشی)، سر پیر، دن رات، جوڑ توڑ، برا بھلا، دیر سویر۔

(۳) لفظی مناسبت اور قافیے کے لحاظ سے۔ جیسے دم خم، رونا دھونا، بھولا بسرا، تانا بانا، بھولا بھٹکا، پاس پڑوس۔

(۴) مذکر کا مؤنث بنا کر بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے دیکھا دیکھی۔

(۵) دو مترادف الفاظ کے ملنے سے۔ جیسے رونا جھینکنا، اینچا تانی، بھول چوک، دیکھ بھال، چھان بین، سوچ بچار، بھلا چنگا، کانٹ چھانٹ، روک ٹوک، بھولا بسرا۔

کبھی ہندی فارسی مترادف لفظ مل کر آتے ہیں جیسے تن من، دھن دولت۔

(۶) ایک ہی مادہ کے دو لفظ۔ جیسے چال چلن۔

اسی ضمن میں توابع مہمل بھی آسکتے ہیں۔ اِن الفاظ کے کچھ معنی نہیں ہوتے لیکن بامعنی الفاظ کے ساتھ آکر اس کے معنوں میں خاص کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ بول چال میں ان کا

کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک ہی لفظ کو اس طرح دہرایا جاتا ہے کہ یا تو پہلا حرف گرا دیا جاتا ہے، یا پہلے حرف کے بجائے کوئی دوسرا حرف قائم کر دیا جاتا ہے، یا درمیانی حرفِ علت میں کچھ تبدیلی کر دی جاتی ہے۔ اس سے شئے مذکور کے متعلقات و لوازم کا بیان مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً روٹی ووٹی یعنی روٹی اور اُس کے ساتھ کی دوسری چیزیں یا ڈیرے ویرے وغیرہ۔

(ا) اکثر یہ ہوتا ہے کہ پہلے حرف کو واؤ سے بدل کر دہرا دیتے ہیں جیسے روٹی ووٹی، ڈیرے ویرے، پانی وانی، کاغذ واغذ وغیرہ۔ یہ طریقہ قیاسی ہے اور تقریباً ہر لفظ کے ساتھ استعمال ہوسکتا ہے مگر باقی طریقے سماعی ہیں جن کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

(ب) بعض توابع عموماً الفاظ کی مناسبت، وزن یا کسی قدر قافیے کے لحاظ سے بھی آتے ہیں۔ جیسے بچا کھچا، میل کچیل، تالا بالا، ٹال مٹول، لت پت، چوری چکاری، لوگ باگ۔

(ج) بعض اوقات صرف پہلے ایک دو حرف ایک سے ہوتے ہیں اور باقی بدلے ہوئے ہوتے ہیں۔ جیسے دانہ دنکا، گالی گلوج، سودا سلف۔

(د) کبھی کلمۂ اول ہی کو کھینچ تان کر درمیانی حرفِ علت کو بدل کر تابع بنا لیتے ہیں۔ جیسے ٹیپ ٹاپ، ٹھیک ٹھاک، ڈیل ڈول، تول تال۔

(ہ) کبھی تابع اول آجاتا ہے۔ جیسے ادلا بدلی، آمنے سامنے، آس پاس، اردگرد۔

سوم: مرکباتِ توصیفی وہ ہیں جن میں کوئی صفت یا کوئی لفظ بطور صفت کے دوسرے لفظ سے مل کر آئے۔ جیسے بھلا مانس، کن کٹا، نکٹا، مہا راجا، مہاراج، کلجگ، پرمیشور، (پرم، بڑا، ایشور، خدا) کچ لہو، کل جبھا، کن چھدا، کن رسیا، لم ڈھلک، لم ڈڑھیا، بڑ کنا، ادھ موا، کھٹمٹھا، لکھ لٹ۔

بعض علاماتِ ہندی لفظ کا جز ہیں خصوصاً 'ک' ذم کے لیے اور 'س' وصف کے لیے۔ جیسے کپوت، سپوت، کڈھب، سڈول، سلونا، سودیشی۔ ان کا ذکر علامات میں ہو چکا ہے۔

کبھی، اسم بھی صفت کا کام دیتا ہے۔ جیسے راج ہنس، لاٹ پادری۔ یہاں راج اور

لاٹ صفت کا کام دیتے ہیں۔

چہارم: مرکبات اعدادی وہ ہیں جن میں پہلا جز عدد ہوتا ہے۔ ہندی اعداد مروجہ کو دیکھا جائے تو درحقیقت سب سے عمدہ مثال مرکبات کی ہے، اس کا مفصل ذکر ہم صفات میں دے چکے ہیں۔ یہاں ہم صرف چند مثالیں ایسے مرکبات کی دیتے ہیں جن میں ایک جز عدد ہے جیسے:

تراہا، دوپٹا، ست نجا، ست ماسا، ست لڑا، ہشت پہل، ترپولیا، چوراہا، دوتہی، چوتہی، چوبولا، تکٹا، چوبغلا، پچ محلا، چومحلا، چوتالا، چوپہل، دوتارا، ستار، دوشالہ، دوغلا۔

پنجم: مرکباتِ تمیزی۔ یہ مرکبات اردو میں یا تو ہندی علاماتِ نفی کے ساتھ آتے ہیں یا بعض علامات فارسی کے ساتھ۔ مثلاً بے، بر، بہ وغیرہ کے ساتھ؛ جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

یہ صرف ہندی مرکبات کا بیان تھا۔ ان کے علاوہ فارسی مرکبات کثرت سے اردو زبان میں اور خاص کر نظم میں مستعمل ہیں۔ جن کا ذکر بخوفِ طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے۔

اگر ان تمام صورتوں کو جو بیان کی گئی ہیں، نظر میں رکھا جائے تو آئندہ جدید الفاظ بنانے میں بہت مدد مل سکتی ہے۔

فصل چہارم

نحو

اس باب میں دو امور سے بحث ہوگی۔

اوّل: اجزاے کلام اور اُن کے مختلف تغیرات کے عمل سے، جو اُن میں بہ لحاظ تعداد و حالت و زمانہ وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس کا ذکر صرف میں ہو چکا ہے، مگر یہاں یہ بحث دوسری نظر سے یعنی معنی اور مفہوم کے لحاظ سے ہوگی۔

دوم: جملوں کی ساخت سے۔

اوّل کا نام نحو تفصیلی ہے اور دوسرے کا نحو ترکیبی۔

نحو تفصیلی

جنس

زبانوں میں جنس کی حالت بھی بہت مختلف اور پیچیدہ ہے اور حقیقی اور نحوی (غیر حقیقی) جنس میں اختلاف پڑنے سے پیچیدگی اور بڑھ جاتی ہے۔ اردو میں اگرچہ بجائے تین کے دو ہی جنسیں ہیں۔ لیکن بے جان چیزوں کی تذکیر و تانیث نے جو غیر حقیقی اور بے معنی ہے، زبان کی مشکلات کو اَور بڑھا دیا ہے، کیوں کہ اس کا حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ دقّت اس وجہ سے اور بھی زیادہ معلوم ہوتی ہے کہ کوئی قاعدہ ایسا نہیں کہ جس کی بنا پر ہم ایک شے کو مذکر کہتے ہیں اور دوسری کو مؤنث۔ یہ بالکل زبان کے عام رواج پر منحصر ہے۔

بعض عربی مؤنث لفظ، جن کی تانیث عربی قاعدے سے بنائی گئی ہے، اردو زبان میں رائج ہوگئے ہیں اور بلا تکلف استعمال ہوتے ہیں، جیسے، ملکہ، سلطانہ وغیرہ۔ لیکن ہر عربی مذکر لفظ کے آخر میں 'ہ' بڑھا کر مؤنث بنالینا، ہماری رائے میں درست نہیں۔ بعض لوگ تو یہ غضب کرتے ہیں کہ فارسی اور انگریزی لفظوں کی تانیث بھی اسی قاعدے سے بنا لیتے ہیں۔ زبان کا رجحان اب اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے اسم یا صفاتی الفاظ مرد عورت دونوں کے لیے یکساں استعمال کیے جائیں۔ مثلاً عالم، فاضل، شاعر، لائق، مصنف وغیرہ الفاظ جس طرح مردوں کے لیے بولے جاتے ہیں، اسی طرح عورتوں کے لیے بھی استعمال ہونے چاہئیں؛ کچھ ضرور نہیں کہ عورت کے لیے عالمہ، لائقہ، شاعرہ، مصنفہ کہا جائے۔ ایسا کہنا خواہ مخواہ کا تکلف ہے۔ عام بول چال اور تحریر میں ''بیگم صاحب'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے، کیوں نہ دوسرے لفظ بھی اسی طرح بولے یا لکھے جائیں۔ جوں جوں عورتوں کی تعلیم اور آزادی میں زیادہ ترقی ہوگی، یہ خیال زیادہ قوی ہوتا جائے گا۔ مثلاً عورتیں وکیل، بیرسٹر، حکیم یا ڈاکٹر ہونے لگیں گی تو یہی نام اُن کے ساتھ بھی لیے جائیں گے۔ وکیلہ، بیرسٹرہ کوئی نہیں کہے گا۔ البتہ بعض پیشے جیسے دائی وغیرہ ایسے ہیں جو اب تک عورتوں ہی کے لیے مخصوص تھے۔

جانوروں کی تذکیر و تانیث کے تین درجے معلوم ہوتے ہیں:

ایک تو عام طریقہ کہ مذکر کے مقابل میں مؤنث اور یہ مؤنث اکثر مذکر ہی سے بنتا ہے۔ جیسے گھوڑا، گھوڑی۔ ہاتھی، ہتنی۔ ہرن، ہرنی وغیرہ۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ نر مادہ کے لفظ بڑھانے سے تذکیر و تانیث کی شناخت ہوتی ہے۔ یہ اکثر وہ جانور ہیں جن کا تعلق انسان سے زیادہ نہیں ہے۔ جیسے مادہ خرگوش یا خرگوش کی مادہ۔

تیسرے وہ کم درجے کے جانور یا کیڑے مکوڑے کہ جن میں تذکیر و تانیث کی شناخت مشکل ہے یا اس کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جیسے مکھی، بھڑ، چھچھوندر وغیرہ۔

بعض الفاظ مثلاً انسان، آدمی، شخص وغیرہ ایسے ہیں جو مذکر ہی استعمال ہوتے ہیں اور عام طور پر مردوں ہی کے لیے آتے ہیں، لیکن جمع کی حالت میں ان میں مرد اور عورتیں

دونوں شریک ہوسکتے ہیں اور خاص حالتوں میں یہی استعمال ہوتا بھی ہے۔ چناں چہ ان سے جو انسانیت، آدمیت، شخصیت کے الفاظ مشتق ہوئے ہیں وہ سب کے لیے یکساں مستعمل ہیں۔

تعداد

بظاہر تعداد بہت آسان معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ بھی مشکلات سے خالی نہیں۔ واحد ایک ہے اور ایک سے زیادہ جمع، یعنی دو، تین، چار وغیرہ۔ لیکن اشیا کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جن پر ایک، دو، تین کا اطلاق نہیں ہوسکتا، یعنی وہ شمار نہیں آسکتیں اور اُن کے لیے بے شمار، لاتعداد، بے حد وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

۲۔ اردو میں تعداد کی صرف دو ہی قسمیں ہیں، واحد اور جمع۔ اور اکثر زبانوں کا یہی حال ہے۔ لیکن زبانیں (مثلاً سنسکرت، عربی وغیرہ) ایسی بھی ہیں جن میں تثنیہ (یعنی دو کا ہونا) پایا جاتا ہے اور دو ایک ایسے بھی ہیں جن میں تثلیث پائی جاتی ہے۔

۳۔ ایک سے زیادہ یعنی دو، تین، چار وغیرہ کا اطلاق ہم انھیں چیزوں پر کرسکتے ہیں جو اگرچہ ایک نہیں ہیں مگر ایک قسم کی ضرور ہیں۔ جیسے چار کرسیاں، پانچ سیب، دو عورتیں وغیرہ۔ خود جمع کے لفظ میں اختلاف کا خیال مضمر ہے۔ لیکن اگر اختلاف زیادہ ہے تو پھر ہم وہاں دو یا تین استعمال نہیں کرسکتے۔ ایک آم اور ایک امرود کو دو پھل کہہ سکتے ہیں۔ کن اشیا کو ہم ملاکر بول سکتے ہیں، یہ ہر زبان کے طرزِ اظہار پر موقوف ہے۔

۴۔ بعض الفاظ اگرچہ واحد استعمال ہوتے ہیں، لیکن اُن میں ایک سے زیادہ کا مفہوم ہوتا ہے۔ جیسے جوڑا، درجن، کوڑی، ہفتہ، عشرہ۔ پھر ان کی بھی جمع آتی ہے۔ جیسے، دو جوڑے جوتے۔ چار درجن بٹن وغیرہ۔

۵۔ اکثر قیمت، وقت، ناپ، تول، سمت کے الفاظ جمع کے موقع پر بھی واحد ہی استعمال ہوتے ہیں جیسے: 'یہ گھوڑا میں نے ایک ہزار روپے میں خریدا'۔ 'اس کی قیمت سو اشرفی ہے'۔ 'وہ

بعض عربی مؤنث لفظ، جن کی تانیث عربی قاعدے سے بنائی گئی ہے، اردو زبان میں رائج ہو گئے ہیں اور بلا تکلف استعمال ہوتے ہیں، جیسے، ملکہ، سلطانہ وغیرہ۔ لیکن ہر عربی مذکر لفظ کے آخر میں 'ہ' بڑھا کر مؤنث بنا لینا، ہماری رائے میں درست نہیں۔ بعض لوگ تو یہ غضب کرتے ہیں کہ فارسی اور انگریزی لفظوں کی تانیث بھی اسی قاعدے سے بنا لیتے ہیں۔ زبان کا رجحان اب اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے اسم یا صفاتی الفاظ مرد عورت دونوں کے لیے یکساں استعمال کیے جائیں۔ مثلاً عالم، فاضل، شاعر، لائق، مصنف وغیرہ الفاظ جس طرح مردوں کے لیے بولے جاتے ہیں، اسی طرح عورتوں کے لیے بھی استعمال ہونے چاہئیں؛ کچھ ضرور نہیں کہ عورت کے لیے عالمہ، لائقہ، شاعرہ، مصنفہ کہا جائے۔ ایسا کہنا خواہ مخواہ کا تکلف ہے۔ عام بول چال اور تحریر میں ''بیگم صاحب'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے، کیوں نہ دوسرے لفظ بھی اسی طرح بولے یا لکھے جائیں۔ جوں جوں عورتوں کی تعلیم اور آزادی میں زیادہ ترقی ہوگی، یہ خیال زیادہ قوی ہوتا جائے گا۔ مثلاً عورتیں وکیل، بیرسٹر، حکیم یا ڈاکٹر ہونے لگیں گی تو یہی نام اُن کے ساتھ بھی لیے جائیں گے۔ وکیلہ، بیرسٹرہ کوئی نہیں کہے گا۔ البتہ بعض پیشے جیسے دائی وغیرہ ایسے ہیں جو اب تک عورتوں ہی کے لیے مخصوص تھے۔

جانوروں کی تذکیر و تانیث کے تین درجے معلوم ہوتے ہیں:

ایک تو عام طریقہ کہ مذکر کے مقابل میں مؤنث اور یہ مؤنث اکثر مذکر ہی سے بنتا ہے۔ جیسے گھوڑا، گھوڑی۔ ہاتھی، ہتنی۔ ہرن، ہرنی وغیرہ۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ نر مادہ کے لفظ بڑھانے سے تذکیر و تانیث کی شناخت ہوتی ہے۔ یہ اکثر وہ جانور ہیں جن کا تعلق انسان سے زیادہ نہیں ہے۔ جیسے مادہ خرگوش یا خرگوش کی مادہ۔

تیسرے وہ کم درجے کے جانور یا کیڑے مکوڑے کہ جن میں تذکیر و تانیث کی شناخت مشکل ہے یا اس کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جیسے مکھی، بھڑ، چھچھوندر وغیرہ۔

بعض الفاظ مثلاً انسان، آدمی، شخص وغیرہ ایسے ہیں جو مذکر ہی استعمال ہوتے ہیں اور عام طور پر مردوں ہی کے لیے آتے ہیں، لیکن جمع کی حالت میں ان میں مرد اور عورتیں

دونوں شریک ہوسکتے ہیں اور خاص حالتوں میں یہی استعمال ہوتا بھی ہے۔ چناں چہ ان سے جو انسانیت، آدمیت، شخصیت کے الفاظ مشتق ہوئے ہیں وہ سب کے لیے یکساں مستعمل ہیں۔

تعداد

بظاہر تعداد بہت آسان معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ بھی مشکلات سے خالی نہیں۔ واحد ایک ہے اور ایک سے زیادہ جمع، یعنی دو، تین، چار وغیرہ۔ لیکن اشیا کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جن پر ایک، دو، تین کا اطلاق نہیں ہوسکتا، یعنی وہ شمار نہیں آسکتیں اور اُن کے لیے بے شمار، لاتعداد، بے حد وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

۲۔ اردو میں تعداد کی صرف دو ہی قسمیں ہیں، واحد اور جمع۔ اور اکثر زبانوں کا یہی حال ہے۔ لیکن زبانیں (مثلاً سنسکرت، عربی وغیرہ) ایسی بھی ہیں جن میں تثنیہ (یعنی دو کا ہونا) پایا جاتا ہے اور دو ایک ایسے بھی ہیں جن میں تثلیث پائی جاتی ہے۔

۳۔ ایک سے زیادہ یعنی دو، تین، چار وغیرہ کا اطلاق ہم انھیں چیزوں پر کر سکتے ہیں جو اگرچہ ایک نہیں ہیں مگر ایک قسم کی ضرور ہیں۔ جیسے چار کرسیاں، پانچ سیب، دو عورتیں وغیرہ۔ خود جمع کے لفظ میں اختلاف کا خیال مضمر ہے۔ لیکن اگر اختلاف زیادہ ہے تو پھر ہم وہاں دو یا تین استعمال نہیں کرسکتے۔ ایک آم اور ایک امرود کو دو پھل کہہ سکتے ہیں۔ کن اشیا کو ہم ملا کر بول سکتے ہیں، یہ ہر زبان کے طرزِ اظہار پر موقوف ہے۔

۴۔ بعض الفاظ اگرچہ واحد استعمال ہوتے ہیں، لیکن اُن میں ایک سے زیادہ کا مفہوم ہوتا ہے۔ جیسے جوڑا، درجن، کوڑی، ہفتہ، عشرہ۔ پھر ان کی بھی جمع آتی ہے۔ جیسے، دو جوڑے جوتے۔ چار درجن بٹن وغیرہ۔

۵۔ اکثر قیمت، وقت، ناپ، تول، سمت کے الفاظ جمع کے موقع پر بھی واحد ہی استعمال ہوتے ہیں جیسے: 'یہ گھوڑا میں نے ایک ہزار روپے میں خریدا'۔ 'اس کی قیمت سو اشرفی ہے'۔ 'وہ

تین مہینے سے غیر حاضر ہے۔' 'وہ چار ہفتے میں آجائے گا' ۔'وہ ساٹھ برس کا ہے'۔'دوصدی سے یوں ہی چلا آتا ہے'۔'اس پر چاروں طرف سے حملہ ہوا' ۔'میرے پاس کئی قسم کی کتابیں ہیں'۔ 'اس کا کھیت چار بیگھے کا ہے'۔

۶۔ اسی طرح شمار کے لیے علاوہ گنتی کے اعداد کے خاص خاص لفظ خاص خاص اشیا کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں، مگر وہ ہمیشہ واحد ہی رہتے ہیں۔ جیسے: چار راس گھوڑے، دس زنجیر ہاتھی، پچاس قطار اونٹ، دس نفر مزدور، چار منزل مکاں۔ مگر 'دانہ' اور 'جلد' فارسی ترکیب میں واحد اور اردو میں جمع استعمال ہوتے ہیں، جیسے: دودانہ سیب، چار جلد کتب۔ ترکیب میں چار دانے سیب کے، پچاس جلدیں کتابوں کی وغیرہ۔

۷۔ تعظیم یا عظمت کے لیے بجائے واحد کے جمع کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ جیسے 'حضرت ہمارے بڑے ہیں' یا 'ہماری آنکھوں کے تارے ہیں'۔ اسی طرح بزرگوں اور بڑوں کے لیے باوجود واحد کے تعظیماً فعل وغیرہ جمع استعمال ہوتا ہے۔ جیسے 'آپ کے والد کہاں ہیں'، 'تمھارے استاد نہیں آئے'۔

۸۔ بعض الفاظ اگرچہ واحد ہیں مگر زبان کے روزمرہ اور محاورے میں جمع مستعمل ہیں۔ جیسے:

معنی	اس لفظ کے کیا معنی ہیں۔
دام (بمعنی قیمت)	اس کتاب کے کیا دام ہیں۔
بھاگ (بمعنی نصیب)	اس کے بھاگ کھل گئے۔
کرم (نصیب)	کرم پھوٹ گئے۔
نصیب	نصیب جاگ اُٹھے (واحد بھی مستعمل ہے)
کوتک	اس کے کوتک اچھے نہیں۔
کرتوت	تمھارے کرتوت اچھے نہیں۔
لچھن	یہ دنیا میں رہنے کے لچھن نہیں ہیں۔

درشن　　　　آج اُن کے درشن نہیں ہوئے۔

اوسان　　　　اوسان خطا ہوگئے۔

مسیں　　　　مسیں بھیگی ہیں۔

دستخط، پت اور ختنہ: جمع اور واحد دونوں طرح مستعمل ہیں۔ جیسے: میرے دستخط اور میری دستخط۔ قے میں پت نکلے، قے میں پت نکلی۔ اس کا ختنہ ہوگیا، اُس کے ختنے ہوگئے۔

۹۔ بعض لفظ اگرچہ اصل میں جمع ہیں لیکن واحد استعمال ہوتے ہیں جیسے، اصول، کرامات، اخبار وغیرہ۔ 'میرا یہ اصول ہے'۔ 'یہ حضرت کی کرامات ہے'۔ 'یہ روزانہ اخبار ہے'۔

۱۰۔ تعداد غیر معین مثلاً دسوں، بیسیوں یا بیسوں، سیکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں یا صدہا، ہزارہا، لکھوکھا کے ساتھ اکثر الفاظ واحد استعمال ہوتے ہیں اور معنی جمع کے دیتے ہیں اور انھیں معنوں میں یہ الفاظ جمع کی صورت میں بھی استعمال ہوتے ہیں، یعنی دونوں استعمال جائز ہیں۔ جیسے:

ہزارہا مکان جل گیا　　　　ہزارہا مکان جل گئے

ہزاروں روپیہ بگڑ گیا　　　　ہزاروں روپے بگڑ گئے

صدہا تماشائی موجود تھا　　　　صدہا تماشائی موجود تھے

قحط میں سیکڑوں جانور بھوکا مر گیا　قحط میں سیکڑوں جانور بھوکے مر گئے۔

تعداد معین کے ساتھ بھی یہ استعمال جائز رکھا گیا ہے جیسے: دس ہزار گورا پڑا ہے، پانچ ہزار سوار اُترا ہوا ہے، پندرہ ہزار پیدل کھیت رہا، پانسو آدمی کھڑا ہے، ایک ہزار کرسی پڑی ہے۔ اسی طرح انھیں جملوں میں یہ الفاظ جو واحد مستعمل ہوئے ہیں، جمع میں بھی مستعمل ہوسکتے ہیں۔ جیسے دس ہزار گورے پڑے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

۱۱۔ یہی حال مقدار کا ہے جیسے سیروں، منوں غلہ پڑا ہے یا مقدار اور وقت کے لیے

جیسے گھنٹوں، پہروں، برسوں وغیرہ۔

۱۲۔ بعض اسما سوائے خاص صورتوں کے ہمیشہ واحد استعمال ہوتے ہیں:

(ا) اسمائے کیفیت۔ جیسے درد، بخار، مطالعہ، رفتار وغیرہ۔

(ب) اسمائے خاص، خواہ اشخاص کے ہوں یا اشیا کے۔

(ج) اشیائے مادی۔

(د) دھاتوں اور دیگر معدنیات کے نام۔ جیسے سونا، چاندی، تانبا، رانگ، سیسا، جست، پیتل، پھول، تیل، پانی۔ اس میں چاندی مؤنث ہے باقی سب مذکر۔

(ہ) پیداوار میں اکثر غلوں وغیرہ کے نام جیسے: باجرا، جوار، مکئی، موٹھ، مونگ، مسور، ارہر، شکر، گڑ، کھانڈ وغیرہ۔ سونٹھ، اجوائن، گاؤزبان، عقرقرحا۔ اسی طرح اشیائے خوردنی جیسے گھی، شہد، سوجی، آٹا، نمک، ہلدی، تمباکو، چھالیا۔ مگر مرچ، الائچی، پان کی جمع بھی آتی ہے۔ جیسے ان پانوں میں وہ مزہ کہاں، کیوں کہ یہ چیزیں گنتی میں آسکتی ہیں۔

لیکن غلوں میں گیہوں، چنا، تل جو واحد اور جمع دونوں صورتوں میں استعمال ہوتے ہیں جیسے: 'آج کل گیہوں بہت اچھا آیا ہے' یا 'اچھا آئے ہیں'۔ واحد کے استعمال میں عموماً اس غلے کی قسم سے مراد ہوتی ہے۔ 'یہ چنا اچھا ہے' وغیرہ۔

ان میں بعض اشیا ایسی ہیں کہ جب اُن کی مختلف قسمیں بیان کرنی ہوں تو صورت جمع استعمال کرتے ہیں۔ جیسے: اس چورن میں ساتوں نمک ہیں۔ گیہوں، چنا، جوار ان تینوں کے آٹے ملا کر روٹی پکائی۔ سب دالیں ملا کر پکاؤ۔

۱۳۔ فارسی ترکیبِ اضافی کا مضاف، صورتِ واحد میں زبان فارسی کے استعمال کے خلاف اردو میں واحد اور جمع دونوں صورتوں میں واحد ہی رہتا ہے، جیسے:

ہمارے داغِ عصیاں داغؔ کیا کیا رنگ لائیں گے
گماں گزرے گا دوزخ پر بھی جنت کے گلستاں کا
(داغؔ)

پیری میں ہوئے نالۂ گرم ولا سرد
معمول ہے چلتی ہے دمِ صبح ہوا سرد

(ناسخ)

قحط باراں نہیں، دے جلد شراب اے ساقی
لکۂ ابر دھواں دھار چلے آتے ہیں

(اسیر)

وہ اِن اٹکھیلیوں سے آتے ہیں
فتنۂ خفتہ جاگ جاتے ہیں

(مجروح)

دلِ بے آرزو جب سے ملا اے نظم حیراں ہوں
کسی کے منہ سے حرفِ آرزو کیوں کر نکلتے ہیں

(نظم طباطبائی)

۱۴۔محاورے میں بعض الفاظ جمع استعمال ہوتے ہیں جیسے بھوکوں مرنا، انگلوں بڑھنا، جاڑوں مرنا، دردوں سے ہونا۔

حالت

حالت کی کیفیت عجیب اور پیچیدہ ہے، کیوں کہ ہر زبان میں اس کے متعلق اختلاف ہے۔ قدیم زبانوں میں مثلاً لاطینی، سنسکرت، عربی، قدیم انگریزی (نیز ترکی) میں اسم کی ہر حالت کے لیے آخر میں خاص علامت ہوتی ہے جو اسم کا جز ہوتی ہے۔ ہر حالت کے تغیر کے لیے اس کی ساخت ہی میں تغیر ہو جاتا ہے۔ یعنی جس طرح گردان (تعریف) میں کسی اسم کے آخر حرف میں تبدیلی ہو جاتی ہے، اسی طرح اسم کی حالتوں میں بھی آخری حرف پر رفع (پیش) اور مفعولی حالت میں نصب (زبر) اور اضافی اور ظرفی میں کسرہ (زیر) ہوتا ہے۔ اسی

طرح لاطینی، ترکی اور سنسکرت میں لفظ کے آخری لاحقے یا علامتیں اسم کی حالت بتاتی ہیں۔ سنسکرت میں اسم کی حالتیں آٹھ ہیں اور مختلف حالتوں کی صورت میں لفظ کے آخری حرف میں علامت یا حرف کے اضافے سے تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اگرچہ سنسکرت کا اثر ہندی اور اردو پر ظاہر ہے، لیکن ان کی صرف و نحو پر بہت کم یا بالکل نہیں ہوا۔ اردو اور ہندی میں اسما کے آخری حرف میں جنس و تعداد کی وجہ سے یا بعض حروف کے آنے سے تبدیلی ہوتی ہے جس کا ذکر صرف میں تفصیل سے ہو چکا ہے۔ اس لحاظ سے ہندی یا اردو میں کوئی اور حالت نہیں ہو سکتی جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، قدیم زبانوں یا دوسری زبانوں میں اسم کی حالت حرف کی آخری علامت یا تبدیلی سے ہوتی ہے۔ اردو میں اس کی بجائے الگ حرف یا لفظ آتے ہیں، مثلاً 'نے'، 'کو'، 'کا' ('کے'، 'کی') وغیرہ اور اس کی ضرورت بھی بعض خاص صورتوں میں ہوتی ہے۔ مگر لفظ کی صورت میں کوئی فرق نہیں آتا اور حالت کے مختلف ہونے پر بھی لفظ کی صورت وہی رہتی ہے۔ مثلاً 'احمد نے محمود کو کتاب دی'۔ اگرچہ احمد اور محمود کی حالتیں مختلف ہیں مگر لفظوں کی صورت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ دوسری مثال لیجیے، 'احمد روٹی کھاتا ہے'۔ یہاں احمد اور روٹی کے ساتھ نہ کوئی علامت ہے نہ کوئی لفظ، حالاں کہ ان کی حالتیں مختلف ہیں۔ البتہ ضمیر میں وہی صورت ہے جو بعض قدیم زبانوں یا ترکی میں پائی جاتی ہے۔ (مجھے، تجھے، میرا، تمھارا وغیرہ) اس لیے کچھ تو ضمیر کے خیال سے اور کچھ بلحاظ معنی ہمیں اردو میں بھی اسم کی حالتیں قائم کرنی پڑتی ہیں۔ حالت جن چیزوں کو بتاتی ہے وہ یہ ہو سکتی ہیں:

۱۔ کام کرنے والا (فاعلی)

۲۔ خطاب (ندائی)

۳۔ خبر (خبری)

۴۔ جس پر کام کا اثر ہوا (مفعولی)

۵۔ نسبت (اضافی)

۶۔ مقدار اور پیمائش (طور طریقہ، مکان و زمان وغیرہ) (طوری)

اب ان سب صورتوں کو پیشِ نظر رکھ کر حالتوں کے تین درجے کیے جاسکتے ہیں۔

(۱) درجۂ اول کی حالتیں جنھیں اولیت حاصل ہے:

فاعلی حالت۔

ندائی حالت۔

معفولی حالت۔

خبری حالت۔

(۲) الحاقی حالت یعنی اضافی۔

(۳) تابع یا طوری حالت، جس میں مکان وزمان، طور وطریقہ، ذریعہ وغیرہ سب آجاتے ہیں۔

(۱)

فاعلی حالت

فاعل یا تو کام کرنے والا ہے، جیسے وہ کھاتا ہے، وہ پڑھ رہا ہے یا ہونے والا، یعنی اس سے کام کا کرنا نہیں پایا جاتا بلکہ ہونا یا سہنا پایا جاتا ہے۔ جیسے وہ بیمار ہے، وہ مرگیا ہے وغیرہ۔

بعض اوقات یہ اس طرح استعمال ہوتا ہے کہ جملے میں بے تعلق معلوم ہوتا ہے۔ جیسے: صحت اور دولت یہ دو بڑی نعمتیں ہیں۔ نواب صاحب وہ تخت پر بیٹھے ہیں۔ ہمارے آقا خیرالدین نے بلایا ہے۔

ایسے جملوں میں دونوں اسم ایک ہی حالت میں ہوتے ہیں اور ایک، دوسرے کے بجائے آتا ہے یا اس کا بدل ہوتا ہے۔

'نے' فاعل کی علامت ہے۔ یہ علامت فاعل کے ساتھ ہر جگہ نہیں آتی۔ اس کے استعمال کے موقعے مخصوص ہیں جن کا ذکر آگے کیا جاتا ہے۔

'نے' علامت فاعل

'نے' فاعل کی علامت کے طور پر قدیم ہندی میں کہیں استعمال نہیں ہوا اور ہندی کی

پوربی شاخوں میں اس کا وجود نہیں۔ تلسی داس تک کے کلام میں بھی کہیں اس کا استعمال نہیں پایا جاتا۔ اس کا استعمال اس طور پر غالباً اس وقت شروع ہوا ہے جب کہ اردو نے اپنا سکہ جمایا۔ البتہ مرہٹی میں اس کا استعمال اردو یا ہندی کی طرح ہوتا ہے۔ لیکن پہلے بطور علامت مفعول استعمال ہوتا تھا جس کا پتا پنجابی اور گجراتی سے ملتا ہے۔ گجراتی میں فاعلی اور مفعولی دونوں حالتوں کے لیے آتا ہے، مگر اردو میں صرف فاعلی حالت کے لیے مخصوص ہے۔ اس کے استعمال کے متعلق ذیل کے موقعوں کا خیال رکھنا ضرور ہے۔

ا۔ 'نے' علامت فاعل صرف فعل متعدی کے ماضی مطلق تمام، احتمالی اور حال قریب کے ساتھ آتا ہے، جیسے: میں نے کھانا کھایا۔ اس نے احمد کو مارا۔ یہ کس نے لکھا؟ میں نے لکھا ہوگا۔ میں نے لکھا ہے۔

اگر چہ لانا، بھولنا، شرمانا، بکنا، بولنا، متعدی افعال ہیں، مگر اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں جیسے۔ میں کتاب لایا، وہ رقعہ لے گیا، میں تمھارا نام نہیں بھولا، وہ دیر تک مجھ سے بکتا، وہ اس حرکت سے شرمایا، وہ بولے چل دور ہو۔ لیکن بعض اوقات بولنے کے ساتھ جب کوئی لفظ بطور مفعول ہوتا ہے تو 'نے' لگا دیتے ہیں۔ جیسے: اس نے جھوٹ بولا، مگر وہ جھوٹ بولا بھی صحیح ہے۔

۲۔ لیکن جب فعل متعدی کے ساتھ کوئی متعدی امدادی فعل آئے تو حسب قاعدہ فاعل کے ساتھ 'نے' آئے گا، مگر جب فعل امدادی لازم ہو تو پھر یہ علامت (نے) متعدی فعل کے ساتھ بھی نہیں آئے گی اور پورا فعل لازم خیال کیا جائے گا۔ جیسے:

میں نے رقعہ بھیجا	(فعل متعدی بلا فعل امدادی)
میں نے رقعہ بھیج دیا	(فعل متعدی مع فعل امدادی متعدی)
میں رقعہ بھیج چکا	(فعل متعدی مع فعل امدادی لازم)
میں رقعہ نہ بھیج سکا	(ایضاً)

اسی طرح 'اس نے مجھ سے دو روپے لیے'، وہ مجھ سے دو روپے لے گیا؛ 'اس نے

سارے آم کھا لیے، 'وہ سارے آم کھا گیا'؛ 'اُس نے ہنس دیا' اور 'وہ ہنس دیا'، 'اس نے رو دیا' اور 'وہ رو دیا'۔ دونوں مستعمل ہیں۔ لیکن بغیر 'نے' کے زیادہ فصیح ہیں۔

فعل لازم کے ساتھ اگرچہ فعل امدادی متعدی ہو، تو بھی علامت فاعل کا اظہار نہیں کیا جائے گا: جیسے وہ آلیا، وہ سولیا۔ لیکن آلینا جب مرکب فعل ہو جو خاص محاورے کے معنوں میں آتا ہے تو 'نے' آئے گا۔ جیسے، اس نے مجھے آلیا۔

لیکن جب امدادی فعل کے آنے سے فعل لازم متعدی بن جائے تو 'نے' آئے گا۔ جیسے: 'اُس نے مجھے آلیا'۔ 'تم نے اُسے کیوں ڈرنے دیا'۔ 'اُس نے بیمار کو سونے نہ دیا'۔ ایسی حالت میں اصل فعل کے معنوں میں بہت تغیر ہو جاتا ہے اور فعل لازم نہیں رہتا۔

۳۔ بعض متعدی فعل ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ 'نے' کا استعمال ہوتا بھی ہے اور نہیں بھی ہوتا۔ جیسے:

میں بازی جیتا — میں نے بازی جیتی۔

میں شرط ہارا — میں نے شرط ہاری۔

جب بطور لازم استعمال ہوتے ہیں تو 'نے' مطلق نہیں آتا۔ جیسے: تم جیتے، میں ہارا۔

میں بات سمجھا — میں نے بات سمجھی۔

میں کام سیکھا — میں نے کام سیکھا۔

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لیے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے
(غالبؔ)

یہ سبق بھی کوئی پڑھا — کسی نے یہ سبق بھی پڑھا۔

۴۔ بعض افعال لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں۔ متعدی ہونے کی صورت میں 'نے' علامتِ فاعل، فعل کے ساتھ استعمال ہوتی ہے اور لازم کی حالت میں نہیں۔ جیتنے اور ہارنے کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، اس کی صورت مستثنیٰ ہے۔ 'پکار' لازم اور متعدی

دونوں ہے۔ لازم ہونے کی صورت میں 'نے' نہیں آتا مگر متعدی کی حالت میں 'نے' آتا ہے۔ جیسے:

پکارنا۔ اس نے مجھے پکارا — متعدی

پکارنا۔ وہ پکارا — لازم

بھرنا۔ اُس کا پیٹ بھرا۔ — لازم

بھرنا۔ میں نے پانی بھرا۔ — متعدی

پلٹنا۔ خط میں جب آپ نے تحریر سراسر پلٹی — (متعدی)

پلٹنا۔ میں نے جانا مری تقدیر سراسر پلٹی — (لازم)

بدلنا۔ جب سے وہ بدلا ہے ساری دنیا بدل گئی (ظفرؔ) — (لازم)

بدلنا۔ میں نے کپڑے بدلے — (متعدی)

'چاہنا' کے ساتھ ہمیشہ 'نے' آتا ہے۔ جیسے: ہم نے چاہا تھا کہ مرجائیں سو وہ بھی نہ ہوا۔ لیکن جب جی اور دل کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو نہیں آتا۔ جیسے: جی چاہا تو آؤں گا، اس کی کیا پوچھتے ہو دل چاہا گیا، دل چاہا نہ گیا۔

۵۔ تھوکنا، مُوتنا، ہگنا افعال لازم ہیں، مگر ان کے ساتھ 'نے' استعمال ہوتا ہے۔ جیسے: میں نے تھوکا، اس نے مُوتا۔

'تھوکنا' اور 'موتنا' کبھی متعدی بھی ہوتے ہیں۔ جیسے:

دوگانا جان کی بچی نے موتا مجھ نمازی پر (جان صاحب)۔ بچے نے نہالچے پر مُوتا۔ اس نے مجھ پر تھوکا۔ اس کو ساری دنیا نے تھوکا، مگر بے غیرت کی بلا دور کچھ بھی اثر نہ ہوا۔

۶۔ بعض افعال کے ساتھ جو خاص موقع پر متعدی استعمال ہوتے ہیں 'نے' علامت فاعل نہیں آتی، جیسے: میں اسے رویا۔ وہ مجھ پر ہنسا۔ کتا بلّی پر جھپٹا۔ وہ مجھ سے لڑا۔ (یہ خیال رہے کہ یہاں 'پر' اور 'سے' علامت مفعول ہیں۔)

۷۔ جب علامت فاعل 'وہ'، 'جو' اور 'کون' کے ساتھ آتی ہے تو ''وہ''، 'اُس سے'؛ ''جو'' 'جس سے'؛ اور ''کون''، 'کس سے' بدل جاتا ہے۔ جیسے اس نے مارا، کس نے مارا، جس نے کہا غلط کہا۔

۸۔ 'نے' علامت فاعل ہے اور مفعول کے ساتھ کبھی نہیں آتی۔ لیکن جب مجھ اور تجھ کے ساتھ کوئی صفت آتی ہے تو نے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے: مجھ کم بخت نے یہ کب کہا تھا۔ مجھ خاکسار نے ایسا نہیں کیا۔ تجھ بدبخت نے ایسا کیا۔

اصل یہ ہے کہ مجھ اور تجھ پراکرت کے ضمائر اضافی مجھا اور تجھا سے نکلے ہیں۔ چناں چہ اسی سے قدیم اردو میں مجھ، تجھ بھی بطور ضمائر اضافی کے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً نصرتی ملک الشعرائے دربارِ عادل شاہ اپنی مثنوی 'گلشن عشق' میں لکھتا ہے:

کہا سن کو یوں اُن کے اے دل کے یار
فدا ہے یہ تجھ بات پر جیو ہزار

یہاں 'تجھ بات' سے مطلب تیری بات ہے۔ غرض 'تجھ' حالت اضافی سے حالت مفعولی میں آیا اور صفت کے ساتھ اب بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، مجھ خاکسار کی حالت۔ صفت کے بیچ میں حائل ہوجانے سے یہ نظرانداز ہوگیا کہ مجھ کس حالت میں ہے اور اس لیے اضافی اور فاعلی حالتوں میں استعمال ہونے لگا۔ 'مجھا' کے میم پر زبر ہے۔ لیکن تجھا کے ساتھ ساتھ آنے سے مجھ کی میم پر پیش آگیا۔

نے کا ایک اور غلط استعمال رواج پا گیا ہے جس کا ارتکاب بعض قابل اور مستند ادیب (خاص کر پنجاب کے) کر بیٹھتے ہیں۔ مثلاً: یہ میں نے دیکھا ہوا ہے، یہ تقریر میں نے سنی ہوئی ہے، یہ کتابیں میں نے پڑھی ہوئی ہیں۔ صحیح یہ ہے: یہ میرا دیکھا ہوا ہے۔ یہ تقریر میری سنی ہوئی ہے (یا میں سن چکا ہوں)۔ یہ کتابیں میری پڑھی ہوئی ہیں (یا میں پڑھ چکا ہوں)۔

ندائی حالت

ندائی حالت کے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ بعض زبانوں (مثلاً لاطینی، سنسکرت وغیرہ) میں اس کی صورت جدا ہوتی ہے اور اس لیے حالت بھی الگ مقرر کی گئی ہے۔ لیکن اکثر زبانوں میں فاعلی اور ندائی حالتیں یکساں ہوتی ہیں اور الگ نام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ندائی حالت میں اسم بطور مخاطب کے استعمال ہوتا ہے اور جملے سے الگ تھلگ نظر آتا ہے یا بذاتِ خود ایک جملہ ہوتا ہے۔ اس میں اور امر میں بہت کچھ مشابہت پائی جاتی ہے، مثلاً التجا یا حکم کا اظہار جیسے، سنو سنو وغیرہ۔

ندائی اور فاعلی حالت کا گہرا تعلق امر کی صورت سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً ہم کہیں۔ "تم اِدھر آ جاؤ" اگر تم کی جگہ احمد ہو تو جملہ یوں ہوگا۔ "احمد، تم اِدھر آ جاؤ" اس مثال سے ان دونوں حالتوں کا تعلق صاف ظاہر ہوتا ہے۔

ندائی حالت اکثر حروفِ ندا کے ساتھ آتی ہے۔ جیسے، اے دوست! او لڑکے! او بے رحم! وغیرہ۔ مگر بعض اوقات حروف ندا نہیں بھی آتا۔ جیسے، صاحبو! لوگو! بیٹا! قبلہ! وغیرہ۔

شعرا اپنی نظموں میں اور خصوصاً مقطع میں اپنا تخلص لاتے ہیں جو اکثر ندائی حالت میں ہوتا ہے۔

ہوت، دور سے بلانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ارے، ابے، حقارت کے لیے اور ادنیٰ لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، مگر ان کا استعمال فصیح نہیں خیال کیا جاتا۔

رے، اللہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی تعجب کے ہوتے ہیں، جیسے: اللہ رے تیرا استغنا!

بے تکلفی میں 'ارے' کا لفظ میاں کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے ارے میاں! یا اضطراب کے موقع پر، جیسے ارے لوگو! یہ کیا غضب ہوا۔

بعض مقامات پر ارے صاحب! ارے جناب! بھی بولتے ہیں، مگر یہ فصیح نہیں خیال لیا جاتا۔

مفعولی حالت

ا۔مفعول وہ ہے جس پر فاعل کے فعل کا اثر پڑے۔مفعول درحقیقت فعل متعدی کے تکملے کا کام دیتا ہے۔جیسے، احمد نے حامد کو مارا۔ہاشم نے باقر کو انعام دیا۔اُس نے کھانا کھایا۔رام کتاب پڑھتا ہے۔

(ا) جب فعل کا ایک ہی مفعول ہو اور ذی عقل ہو تو مفعول کے ساتھ ''کو'' آتا ہے، جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہے۔لیکن اگر مفعول غیر ذی عقل یا بے جان اشیا میں سے ہے تو اس کے ساتھ ''کو'' علامت مفعول نہیں آتا جیسے، میں نے کھانا کھایا، بکری پانی پیتی ہے۔احمد نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ذیل کی مثالوں سے دونوں طرح کے مفعولوں کے استعمال کی حالت معلوم ہوگئی۔

میں نے احمد کو دیکھا	میں نے وہ نقشہ دیکھا۔
میں احمد کو جانتا ہوں	میں ریاضی جانتا ہوں۔
میں نے احمد کو مارا	میں نے سانپ مارا۔
اس نے سائیس کو پیٹا	اُس نے ڈھول پیٹا۔

(ب) 'میں نے ایک آدمی دیکھا' صحیح ہے؛ لیکن جب آدمی کا نام لیں یا کوئی اور تخصیص اشارے یا اضافت وغیرہ سے پیدا کردیں تو 'کو' لانا ضروری ہے۔جیسے میں نے مسعود کو دیکھا، میں نے اس آدمی کو دیکھا، میں نے تمھارے بھائی کو دیکھا۔لیکن

اس کی چالیں میں ہی خوب سمجھتا ہوں

اور

اس کی چالوں کو میں ہی خوب سمجھتا ہوں

دونوں صحیح ہیں۔یا جیسے ''میری فریاد کو پہنچو'' یہاں کو محاورے کے رو سے بالکل صحیح اور فصیح ہے۔

(ج) ضمیر میں فاعلی اور مفعولی حالتیں معین ہیں، ان میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔جیسے، میں

نے اُسے (یا اس کو) دیکھا۔ میں نے اُنھیں (یا اُن کو) نکال دیا۔ تمھیں کس نے بلایا تھا؟

(د) مگر محاورات میں جہاں مفعول مصدر کے ساتھ آتا ہے، 'کو' لانا غیر فصیح ہی نہیں بلکہ غلط ہے۔ مثلاً منہ چڑانا، کان کھولنا، سر اٹھانا، جان دینا، تنکے چننا، تارے گننا وغیرہ۔ مثلاً 'اُس نے میری تباہی پر کمر باندھ رکھی ہے'۔ یہاں 'کمر کو باندھ رکھا ہے' کہنا صحیح نہ ہوگا۔

اسی طرح دوسری بے جان اشیا اور کیفیاتِ قلبی کے ساتھ بھی یہی عمل ہوتا ہے۔ جیسے: خط لکھا۔ شراب پی۔ پانی پیا۔ خربوزہ کھایا۔ رنج نہ کرو۔ مہربانی رکھو۔

(ہ) یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ جب عمومیت ہوتی ہے تو 'کو' نہیں آتا ہے، لیکن جب خصوصیت کا اظہار کیا جاتا ہے یا توجہ دلانی مقصود ہے تو 'کو' بولتے یا لکھتے ہیں۔ لیکن یہ غیر ذوی العقول اور بے جان اشیا کے ساتھ مخصوص ہے، ذوی العقول کے ساتھ بہت کم۔ نیچے لکھی ہوئی مثالوں کو دیکھیے:

اس بوجھ کو اٹھاؤ تو جانوں	میری فریاد کو پہنچو
اپنے دل کو دیکھ اور غور کر	مایا کو چھوڑ رام کو لے

ذیل کی مثالوں میں عمومیت پائی جاتی ہے۔ آخری مثال میں باوجود خصوصیت کے (کو) استعمال نہیں ہوا۔ ذوی العقول میں یہ ضرور نہیں۔

'میں نے سب پیڑ دیکھے کوئی کام کا نہ نکلا'۔ 'جیتی لڑکی میں تمھیں دیدوں یہ ممکن نہیں، ہاں لاش کے تم مالک ہو'۔ 'تم نے کیا بات دیکھی جو اس قدر رتجھے ہوئے ہو'۔

(و) بعض افعال کے ساتھ فعل کے اسی مادے کا مفعولِ قریب استعمال ہوتا ہے۔ اسے عربی میں مفعول مطلق کہتے ہیں جیسے: 'تم کیسی چال چلتے ہو'۔ 'آدمیوں کی سی چال چلو'۔ 'وہ بڑا بول بولتا ہے'۔ اس کے ساتھ 'کو' کبھی نہیں آتا۔

۲۔ بعض افعال کے دو مفعول ہوتے ہیں:

(ا) بعض افعال متعدی یا متعدی المتعدی کے دو مفعول ہوتے ہیں، ان میں سے ایک شخص ہوتا ہے دوسرا شے۔ مفعول شخصی کے ساتھ ہمیشہ 'کو' آتا ہے۔ جیسے میں نے فقیر کو روپیہ

دیا۔ اُس نے سب کو مٹھائی کھلائی۔

(ب) جو افعال بنانے، مقرر کرنے، بلانے یا نام رکھنے کے معنوں میں ہوں یا جو افعال قلوب ہوں یعنی ان کے معنی سمجھنے، جاننے اور خیال کرنے کے ہوں، تو ان کے ساتھ بھی دو مفعول ہوتے ہیں۔ مفعول اول کے ساتھ اکثر 'کو' آتا ہے جیسے تم اس کو کیا خیال کرتے ہو۔ انھوں نے ہری کو اپنا راجا بنایا۔ میں اُسے (اُس کو) آدمی سمجھتا تھا مگر وہ تو کچھ اور نکلا۔ وہ مجھے (مجھ کو) حکیم سمجھا۔ گورنر نے اسحاق کو کوتوال بنادیا۔

(ج) ایسے افعال کے طور مجہول میں جن میں دو مفعول ہوتے ہیں مفعول قریب، فاعل کا قائم مقام ہوتا ہے، مگر حالت اس کی وہی رہتی ہے۔ یعنی 'کو' اُسی کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے فقیروں کو کھانا کھلا دیا جائے، اس کو تنخواہ دے دی جائے۔

۳۔ اگر چہ 'کو' عام طور پر علامت مفعول ہے لیکن بعض اوقات 'سے'، 'کے' اور 'پر' بھی 'کو' کی بجائے علامتِ مفعول کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے:

میں نے احمد کے تھپڑ مارا۔

میں نے احمد کے کاجل لگایا۔

محمود سے کہو میں خالد سے محبت کرتا ہوں۔ اس پر رحم کرو۔

اسی طرح روزمرہ میں بعض اوقات 'مجھ کو' اور 'اس کو' کی جگہ 'میرے' اور 'اس کے' استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے: اس نے میرے ہاتھ جوڑے۔ میں نے اس کے ہاتھ جوڑے۔

۴۔ کبھی یہ علامت مفعول غرض اور معاوضے کو ظاہر کرتی ہے۔ جیسے: وہ کام سیکھنے کو آتا ہے۔ بادشاہ سلامت سیر کو نکلے۔ میں گرو کے درشن کو جاتا ہوں۔ یہ کتاب کتنے کو دو گے۔ میں نے دو سو روپے کو گھوڑا بیچا۔

عربی میں اُسے مفعول لہ کہتے ہیں۔ یہاں 'کو' واسطے اور لیے کے معنی میں آیا ہے۔ عام طور پر یہ معنی زیادہ تر اضافی صورت میں ادا کیے جاتے ہیں۔ جیسے، وہ کام سیکھنے کے لیے آتا ہے وغیرہ۔

۵۔ بعض مصادر اردو میں ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ فاعل، مفعول کی صورت میں آتا ہے۔ جیسے 'اُسے کچھ نظر نہیں آتا'۔ 'مجھے وہ دکھائی نہیں دیتا'۔ 'مجھے جانا پڑا'۔ 'ہمیں وہاں جانا ہے'۔ 'اُسے تن بدن کی سدھ نہیں'۔ ان جملوں میں 'اُسے'، 'مجھے'، 'ہمیں' بظاہر مفعولی حالت میں ہیں، اگرچہ حقیقت میں فاعل ہیں۔ یہ زبان کا روزمرہ ہے، اس میں کسی قاعدے کا دخل نہیں۔ یہ استعمال عموماً 'پڑنا' اور 'ہونا' کے ساتھ آتا ہے، جہاں ضرورت یا مجبوری کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

٦۔ اس موقع پر 'ملنا' کا ایک استعمال بھی قابل غور ہے۔ اس میں جو شے ملتی ہے وہ فاعلی صورت میں ہوتی ہے اور پانے والا مفعولی حالت میں ہوتا ہے۔ جیسے: اسے انعام ملا، ہمیں کچھ نہ ملا۔

بالکل یہی استعمال لازم ہے، مناسب ہے اور چاہیے وغیرہ کے ساتھ ہوتا ہے، جیسے: تم کو کچھ تو فکر کرنی چاہیے۔ مجھے یہ بات جلد کہنی مناسب ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ بھلائی کرے۔ اس کو لازم ہے کہ دفتر کی باتیں باہر نہ کہے۔

۷۔ کبھی علامتِ مفعول ''کو'' سن ظاہر کرنے کے لیے آتی ہے جیسے (ع) ہم شکل مصطفیٰ کو تو اٹھارواں ہے سال۔ یعنی سترہ پورے ہو چکے ہیں اور اٹھارواں شروع ہے۔

(س) کبھی لزوم کے معنوں میں آتا ہے جیسے:

مہر و وفا و راحت و آرام کو رقیب
جور و جفا و کاوش و خونِ جگر کو میں

(داغؔ)

بعض اوقات علامت مفعول محذوف ہوتی ہے جیسے: وہ صبح سویرے چل دیا۔ میں گھر گیا۔ وہ کھانا کھانے گیا ہے۔

•

خبری حالت

جو اسم جملے میں کسی فعل یا واقعے کی خبر دیتا ہے وہ خبری حالت میں ہوگا۔ جیسے: وہ اس

شہر کا حاکم ہے، وہ یہاں کا کوتوال مقرر ہوا ہے، یہ صاحب افغانستان کے ایلچی ہیں، کل جو گذریا تھا آج بادشاہ ہے، وہ مجھے صورت سے درزی معلوم ہوتا ہے، ہم نے اُسے اپنا قائم مقام کیا ہے، وہ گنوار دکھائی دیتا ہے۔

اوپر کی مثالوں سے معلوم ہوگا کہ جو لفظ فعل کے ساتھ خبری حالت میں آئے ہیں وہ فعل کے معنوں کی تکمیل کرتے ہیں۔ بعض افعال اپنے مفہوم کے لحاظ سے خبری حالت کے لیے خاص طور پر موزوں ہوتے ہیں، ان میں سب سے بڑھ کر فعل ناقص 'ہونا' ہے، جو اس حالت میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ بعض دوسرے افعال ناقص بھی اسی طرح استعمال ہوتے ہیں، اگرچہ ان میں وہ کیفیت نہیں پائی جاتی جو 'ہونا' میں ہے۔ مثلاً پڑنا، لگنا، دکھائی دینا وغیرہ۔

اگرچہ خبری حالت کے اسم کا تعلق جملے میں وہی ہوتا ہے جو اس اسم کا ہے جو فاعلی حالت میں ہے، مگر اکثر صورتوں میں خبری حالت کا اسم زیادہ عام ہوتا ہے۔ مثلاً 'فاختہ ایک پرندہ ہے۔' یہاں ظاہر ہے کہ پرندہ بہ نسبت فاختہ کے زیادہ عام ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ پرندہ فاختہ ہے۔ یعنی فاختہ تو پرندہ ہے، لیکن ہر پرندہ فاختہ نہیں ہوتا۔ بعض صورتوں میں دونوں اسم برابر کے یا قریب قریب برابر کے ہوتے ہیں۔ جیسے انسان اشرف المخلوقات ہے۔

(۲)

اضافی حالت

اضافت کے معنی نسبت کے ہیں اور کسی لفظ کی اضافی حالت اس لفظ کے تعلق کو دوسرے لفظ سے ظاہر کرتی ہے۔ اسی لیے جس لفظ کی طرف نسبت کی جاتی ہے اُسے مضاف الیہ کہتے ہیں اور جو لفظ کہ نسبت کیا جاتا ہے اُسے مضاف کہتے ہیں۔ مثلاً محمود کا گھوڑا۔ یہاں گھوڑا حالت اضافی میں ہے اور اپنا تعلق محمود (یعنی مضاف الیہ) سے ظاہر کرتا ہے۔ درحقیقت اگر دیکھا جائے تو مضاف الیہ ایک قسم کی صفت ہے اور مضاف موصوف اور یہ دونوں مل کر ایک خیال ظاہر کرتے ہیں۔

اردو میں اضافی حالت مختلف قسم کے تعلقات کو ظاہر کرتی ہے، جس کی تفصیل ذیل میں کی جاتی ہے:

۱۔مِلک یا قبضہ ظاہر کرنے کے لیے۔ جیسے، وہ راجا کی باندی ہے۔ یہ اس کے گھوڑے ہیں۔ ان جملوں میں کہ 'اس کا کیا بگڑتا ہے۔ اس کا کیا جاتا ہے'، 'کیا' کو حالت اضافی میں سمجھنا چاہیے، جو اسم کا قائم مقام ہے اور مِلک کے ظاہر کرنے کے لیے آیا ہے یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ 'کیا' کے بعد مال، شے، بات وغیرہ محذوف ہیں۔ مگر پہلی صورت زیادہ صاف ہے۔

۲۔رشتے یا قرابت کے اظہار کے لیے۔ جیسے، میرا بیٹا۔ مسعود کا باپ۔ اس کا چچا۔

۳۔مادی اشیا کا بیان: جیسے، سونے کی انگوٹھی۔ صندل کا صندوقچہ۔ بھِڑوں کا چھتا۔

۴۔ظرفِ مکان و زماں کے لیے۔ جیسے متھرا کا باشندہ۔ ملک ملک کے بادشاہ۔ یہ ایک منٹ کا کام ہے۔ چار دن کی بات ہے۔ یہ اگلے وقتوں کے لوگ ہیں۔

۵۔کیفیت یا قسم کے ظاہر کرنے کے لیے۔ جیسے، قسم قسم کی باتیں۔ بڑے اچنبھے کی بات ہے۔ ایک من کا بوجھ۔

۶۔سبب یا علّت کے لیے۔ جیسے، راستے کا تھکا ماندہ۔ دھوپ کا جلا۔ نیند کا ماتا۔ موذی کے مارنے کا کچھ گناہ نہیں۔

۷۔اصل و ماخذ کے اظہار کے لیے۔ جیسے پوتڑوں کا امیر۔ چنبیلی کی خوشبو۔ باجے کی آواز۔

۸۔وضاحت کے لیے۔ جیسے جمعے کا دن۔ مئی کا مہینا۔

۹۔عمر کے لیے۔ چھے برس کا بچہ، ستر برس کا بوڑھا۔

۱۰۔استعمال کے معنوں میں۔ جیسے پینے کا پانی۔ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہیں اور دکھانے کے اور۔ یہ چاقو کسی کام کا نہیں۔

۱۱۔قیمت کے اظہار کے لیے۔ جیسے ایک روپے کے آم دو۔ اس کپڑے کے کیا دام ہیں۔ دو روپے کا گھی لے آؤ۔

۱۲۔تشبیہ کے لیے۔جیسے،اس کی کلائی شیر کی کلائی ہے۔

۱۳۔استعارے کے ساتھ۔(استعارے کے معنے ہیں مانگے لینا یعنی کسی شے میں کوئی خاص بات یا صفت پائی جاتی ہے وہ اس سے مانگ کر کسی دوسرے سے منسوب کرنا) جیسے اس کے دل کا کنول کِھل گیا۔

۱۴۔ادنیٰ کے تعلق کے لیے۔یعنی ذرا سے تعلق سے سب چیز کو اپنی طرف منسوب کر لینا جیسے، اُس کا ملک۔ ہمارا شہر وغیرہ۔

۱۵۔صفت کے لیے۔جیسے غضب کی گرمی، قیامت کی دھوپ ہے۔آفت کا پرکالہ۔ اسی طرح صفات کے ساتھ بھی مستعمل ہے۔قول کا سچا۔دھن کا پکا۔قسمت کا دھنی۔

۱۶۔کُل کے جز کے لیے۔جیسے، قصے کا آغاز۔پہاڑ کی چوٹی۔پانی کی ایک بوند۔

۱۷۔کُل کے لیے۔اس سے کل یا مبالغہ کا اظہار ہوتا ہے۔اس کا استعمال عموماً اس طرح ہوتا ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں ایک ہی لفظ ہوتے ہیں اور اُن کے درمیان اضافت کا حرف ہوتا ہے۔جیسے: سب کے سب۔ڈھیر کا ڈھیر۔آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ ایک شعر کیا، غزل کی غزل مرصع ہے۔شہر کا شہر اسی میں مبتلا ہے۔قوم کی قوم۔خاندان کا خاندان وغیرہ۔

اضافت کے ساتھ لفظ کا یہ تکرار اور معنی بھی دیتا ہے جس کا مفصل بیان الفاظ کے تکرار میں آئے گا۔

۱۸۔فاعل یا مفعول کے اظہار کے لیے۔جیسے،'اس کے بھاگ جانے کی خبر ہے'۔'میں اس کی تکلیف نہ دیکھ سکا'۔یہ استعمال اکثر مصادر کے ساتھ ہی ہوتا ہے اور مصدر اپنے فاعل یا مفعول یا ظرف کا مضاف ہوتا ہے جیسے: صبح کرنا شام کا، لانا ہے جوئے شیر کا (غالبؔ) رات کا آنا قیامت کا آنا ہے۔دل کا آنا جان کا جانا ہے۔وہاں کا بیٹھنا اچھا نہیں وغیرہ وغیرہ۔

۱۹۔بعض صفات اور دوسرے الفاظ ہمیشہ اضافت کے حرف کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔جیسے لائق، قابل، برابر، متعلق، موجب، موافق، نسبت، طرف، مطابق، بابت، مشابہ۔

اسی طرح قبل، بعد، پاس، آگے، پیچھے، اوپر، نیچے، تئیں، ہاں، لیے، واسطے، طرح کے ساتھ بھی اضافت کے حرف آتے ہیں۔ مگر 'قبل' اور 'بعد' بعض اوقات بغیر اضافت کے بھی مستعمل ہیں جیسے، دو ماہ قبل۔ دو ماہ بعد۔

۲۰۔ بعض اوقات اضافت کے حرف کے بعد کا اسم (یعنی مضاف) محذوف بھی ہوتا ہے۔ جیسے ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان تو گیا یعنی ایمان کی بات۔ اس نے میری ایک نہ سنی۔

دل کی دل ہی میں رہی ایک نہ ہونے پائی۔

ملے تھے آج تو ہم بھی جناب آصف سے

عجیب رنگ میں ہیں پوچھتے ہو کیا اُن کی

ایسی حالتوں میں اکثر بات یا حالت کا لفظ محذوف ہوتا ہے مگر کبھی کبھی دوسرے الفاظ بھی محذوف کردیے جاتے ہیں؛ یا تو اس لیے کہ ان کا بیان اکثر خلافِ تہذیب ہوتا ہے، یا یہ کہ اُن کا سمجھنا سہل ہوتا ہے۔ مثلاً:

غرض یہ کہ سرکار ہیں پیٹ بھر کے

آج وہ پھر حجام کا آیا تھا۔ اُن کی بھلی کہی۔

۲۱۔ بعض اوقات اور خاص کر نظم میں مضاف الیہ اور مضاف کی ترتیب بدل جاتی ہے جیسے:

یہی حال دنیا میں اس قوم کا ہے

بھنور میں جہاز آ کے جس کا گھرا ہے

یا جیسے، نام تو اُن کا مجھے یاد نہیں البتہ صورت یاد ہے۔ یا کوئی مزاج پوچھے تو جواب دیں، شکر خدا کا۔ اس موقع پر ایک بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے اور وہ یہ کہ بعض اوقات جب اضافی ترکیب اپنی اصل حالت پر نہیں ہوتی، بلکہ اضافت کا حرف جو عموماً مضاف الیہ اور مضاف کے درمیان واقع ہوتا ہے، آخر میں واقع ہو، تو محاورے میں 'کی' کے بجائے 'کے' استعمال ہو جاتا ہے جیسے، 'مانند شیر کے'، یہاں 'کے' ازروئے محاورہ صحیح ہے، حالاں کہ قاعدے کے روسے 'کی' ہونی چاہیے، کیوں کہ مانند مؤنث ہے۔ یا جیسے آتش کا شعر ہے:

معرفت میں اُس خدائے پاک کے

اُڑتے ہیں ہوش و حواس ادراک کے

یا میر انیسؔ فرماتے ہیں ”میدان میں تھا حشر بپا چال سے اس کے۔“ اسی طرح میر تقی فرماتے ہیں ”آنکھوں میں ہیں حقیر جس تس کے“ حالاں کہ معرفت، چال، آنکھوں، مؤنث ہیں، مگر ان کے ساتھ ’کے‘ استعمال ہوا ہے۔ زبان کا محاورہ یہی ہے اور اس لیے اعتراض کی گنجائش نہیں، اگرچہ عام قاعدہ اس کے خلاف ہے۔ یہ استعمال اکثر نظم میں ہوتا ہے۔

۲۲۔ یہاں ایک اور نکتہ بھی قابل ذکر ہے جس کا تعلق زبان کے محاورے سے ہے۔

ذیل کے فقروں میں ’کے‘ کے استعمال پر غور کیجیے:

احمد نے اس کے تھپڑ مارا۔

اس کے سرمہ لگایا۔

گھوڑے نے اس کے لات ماری۔

میں ے اس کے چٹکی لی۔

اس کے اٹنا ملو۔

اس کے بیٹا ہوا۔

گدھے کے دم نہ تھی۔

اس کے چوٹ لگی۔ وغیرہ وغیرہ

بعض حضرات کا اس کے متعلق یہ خیال ہے کہ ’کے‘ کے بعد کوئی ایک لفظ محذوف ہے۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ ”اس کے تھپڑ مارا“ تو اصل میں ہے اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔ اسی طرح ”اس کے سرمہ لگایا“، اس میں آنکھوں کا لفظ محذوف ہے۔ ”اس کے بیٹا ہوا“ اس میں ہاں یا گھر محذوف ہے۔ ”گدھے کے دم نہ تھی“ یہ اصل میں ہے گدھے کے پاس دم نہ تھی۔ ”اس کے چوٹ لگی“، یعنی اس کے بدن میں یا جسم میں وغیرہ۔

لیکن مجھے اس رائے سے اتفاق نہیں ہے۔ ’کے‘ اور ’کو‘ دونوں کی اصل ایک ہے۔ یعنی

یہ سنسکرت کے حالیہ 'کرنا' سے نکلے ہیں۔ قنوجی، میواڑی، گڑھوالی، کماؤنی اور نیپالی میں 'کو' اضافی حالت کے لیے آتا ہے؛ اور بھوج پوری، ماگدھی اور میتھی میں 'کے' اور 'کی' بھی مفعول کی علامت ہیں۔ میری رائے میں اوپر کی مثالوں میں جو 'کے' آیا ہے وہ بجائے 'کو' کے ہے۔ چناں چہ اب بھی دکن نیز دیگر مقامات میں ایسے موقعوں پر 'کے' کی بجائے 'کو' ہی استعمال کرتے ہیں۔ یعنی 'اس کے بیٹا ہوا' یا 'اس کے دو بیٹے ہیں' کی بجائے 'اس کو بیٹا ہوا' یا 'اس کو دو بیٹے ہیں' کہتے ہیں، جو اگرچہ اردو محاورے کی رو سے غلط ہیں مگر اصل کا پتا ضرور دیتے ہیں۔

(۴)

طوری حالت

طوری حالت کی کئی قسمیں ہیں۔ اس میں زمان اور مکان (ظرف) پیمائش، وزن، قیمت، طریقہ، مقابلہ، ذریعہ یا آلہ وغیرہ کی تمام حالتیں آجاتی ہیں۔

ا۔ مکان یا مقام کی حالت عموماً 'میں'، 'پر'، 'سے' کے ساتھ آتی ہے۔ جیسے دنیا جہان میں، شہر میں، گھر میں وغیرہ۔ وہ مدرسے سے گھر آیا، نکل شہر سے راہ جنگل کی لی۔ مسند سے اُٹھا اور پلنگ پر آبیٹھا۔ کبھی 'میں' اور 'سے' دونوں مل کر آتے ہیں جیسے گھر میں سے بولا۔ چھت پر سے اُترا۔

محاورے میں اس کا استعمال بہ کثرت ہوتا ہے۔ جیسے: کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے ہیں۔ اس کام میں میرا دل نہیں لگتا۔ وہ ہوش میں آیا۔ وہ قدموں پر گر پڑا۔ کشن لال گدی پر بیٹھا ہے۔ وہ چھت پر چڑھ گیا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہے۔ خدا کا دیا سر پر۔ بنارس گنگا پر واقع ہے۔

کبھی اس صورت میں جز کا تعلق کُل سے ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے خاندان بھر میں یہ ایک ہی شخص ہے۔ ساری کتاب میں ایک صفحہ بھی پڑھنے کے قابل نہیں۔ وہ ہمارے دفتر میں منشی ہے۔ وہ ہم میں نہیں ہے۔ یہ شخص شرفائے شہر سے ہے۔ یہ حیوانات کی قسم سے ہے۔

یہ سنسکرت کے حالیہ 'کرنا' سے نکلے ہیں۔ قنوجی، میواڑی، گڑھوالی، کماؤنی اور نیپالی میں 'کو' اضافی حالت کے لیے آتا ہے؛ اور بھوج پوری، ماگدھی اور میتھی میں 'کے' اور 'کی' بھی مفعول کی علامت ہیں۔ میری رائے میں اوپر کی مثالوں میں جو 'کے' آیا ہے وہ بجائے 'کو' کے ہے۔ چناں چہ اب بھی دکن نیز دیگر مقامات میں ایسے موقعوں پر 'کے' کی بجائے 'کو' ہی استعمال کرتے ہیں۔ یعنی 'اس کے بیٹا ہوا' یا 'اس کے دو بیٹے ہیں' کی بجائے 'اس کو بیٹا ہوا' یا 'اس کو دو بیٹے ہیں' کہتے ہیں، جو اگرچہ اردو محاورے کی رو سے غلط ہیں مگر اصل کا پتا ضرور دیتے ہیں۔

(۴)

طوری حالت

طوری حالت کی کئی قسمیں ہیں۔ اس میں زمان اور مکان (ظرف) پیمائش، وزن، قیمت، طریقہ، مقابلہ، ذریعہ یا آلہ وغیرہ کی تمام حالتیں آجاتی ہیں۔

ا۔ مکان یا مقام کی حالت عموماً 'میں'، 'پر'، 'سے' کے ساتھ آتی ہے۔ جیسے دنیا جہان میں، شہر میں، گھر میں وغیرہ۔ وہ مدرسے سے گھر آیا، نکل شہر سے راہ جنگل کی لی۔ مسند سے اُٹھا اور پلنگ پر آبیٹھا۔ کبھی 'میں' اور 'سے' دونوں مل کر آتے ہیں جیسے گھر میں سے بولا۔ چھت پر سے اُترا۔

محاورے میں اس کا استعمال بہ کثرت ہوتا ہے۔ جیسے: کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے ہیں۔ اس کام میں میرا دل نہیں لگتا۔ وہ ہوش میں آیا۔ وہ قدموں پر گر پڑا۔ کشن لال گدی پر بیٹھا ہے۔ وہ چھت پر چڑھ گیا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہے۔ خدا کا دیا سر پر۔ بنارس گنگا پر واقع ہے۔

کبھی اس صورت میں جز کا تعلق کُل سے ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے خاندان بھر میں یہ ایک ہی شخص ہے۔ ساری کتاب میں ایک صفحہ بھی پڑھنے کے قابل نہیں۔ وہ ہمارے دفتر میں منشی ہے۔ وہ ہم میں نہیں ہے۔ یہ شخص شرفائے شہر سے ہے۔ یہ حیوانات کی قسم سے ہے۔

کبھی چسپاں یا ملا ہوا ہونا کے معنی پائے جاتے ہیں۔ جیسے انگوٹھی میں ہیرا جڑا ہے۔ ایک تولے سونے میں اتنا بڑا جھومر نہیں بن سکتا۔ جھالر میں موتی ٹکے ہیں۔

۲۔ زمانے کے اظہار کے لیے۔ جیسے، یہ کام کتنے دنوں میں ہو جائے گا۔ وہ ایک مہینے میں واپس آ جائے گا۔ عین وقت پر آیا۔ پانچ بج کے دس منٹ پر آیا۔

۳۔ پیمائش کے لیے۔ جیسے، یہ درخت طول میں پانچ گز ہے۔ یہ تختہ چوڑائی میں چار فٹ ہے۔

۴۔ وزن کے لیے۔ جیسے، تول میں کم ہے۔ سیر میں چار چڑھتے ہیں۔

۵۔ قیمت کے اظہار کے لیے۔ جیسے 'یہ کتاب کتنے میں پڑی'۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ مال کتنے کا ہے؟ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی اصلی اور قطعی قیمت کیا ہے۔ جب یہ پوچھتے ہیں کہ 'یہ کتنے کو یا کتنے میں دو گے' یا 'یہ کتنے میں لیا؟' تو اس کے معنی ہیں وہ قیمت جتنے میں یہ شے بکتی ہے۔ لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ 'میں نے یہ لیمپ چار روپے میں لیا' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قیمت خرید ہے یا اتنے میں پڑا ہے، ممکن ہے کہ اصلی قیمت یا قیمت فروخت کم وبیش ہو۔

۶۔ طریقہ۔ جیسے، اس نے بڑی محنت سے کام کیا۔ وہ بڑی محبت سے ملا۔ غور سے ملاحظہ فرمائیے۔ وہ بہت خاطر مدارات سے پیش آیا۔

۷۔ مقابلہ یا فوقیت۔ جیسے، وہ مجھ سے اچھا ہے۔ میں اس سے کس چیز میں کم ہوں، لیاقت میں، عزت میں، مال دولت میں۔ ان دونوں میں کون بہتر ہے۔ مجھ میں اس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ مجھ سے عمر میں بڑا ہے۔ لاکھ میں ایک ہے۔ وہ حسن میں یکتا ہے۔ وہ بس سے پہلے جا پہنچا۔ سخی سے شوم بھلا۔ اُسے مجھ پر ترجیح ہے۔ اُسے تم پر تقدم حاصل ہے۔ اس پر بس نہیں چلتا۔

۸۔ ذریعہ یا آلہ۔ جیسے، یہ قفل دوسری کنجی سے نہیں کھلنے کا۔ میں نے اُسے اپنے آنکھ سے دیکھا۔ ایک ہی ہاتھ میں کام تمام کر دیا۔ دو ہی باتوں میں پر چالیا۔ دو ہی کشوں میں حقہ

جلادیا۔

۹۔معیت۔جیسے، وہ بڑے سازوسامان سے آیا۔ میں نے روٹی سالن سے کھائی۔

۱۰۔جدائی یا علاحدگی۔ مادی ہو یا خیالی۔ جیسے، وہ مجھ سے جدا ہوگیا۔ میں نے اُسے غلامی سے آزاد کردیا۔ اس نے مجھے آگ سے بچایا۔تم مجھے وہاں جانے سے کیوں منع کرتے ہو۔ وہ کام سے جی چراتا ہے۔ یہ عقل سے بعید ہے۔

۱۱۔مصروفیت ۔جیسے، دن رات مطالعے میں رہتا ہے، اُسے فرصت کہاں۔ وہ توشب و روز ناچ رنگ میں مشغول رہتا ہے۔ اپنے کام میں ہے۔

۱۲۔حالت یا کیفیت۔ جیسے، اسی سوچ میں آنکھ لگ گئی۔ پینک میں ہے۔ نشے میں ہے۔ وہ اپنے ہوش حواس میں نہیں۔ وہ نیند میں ہے۔ مصیبت میں ہے۔ کس عذاب میں جان ہے۔ ہاتھ میں شفا ہے۔ زبان میں اثر ہے۔

۱۳۔علت وسبب۔ جیسے، وہ اپنے کیے سے (یا کیے پر) بہت نادم ہے۔ آپ کے خوف سے پڑھتا ہے۔ فساد سے ضرر پیدا ہوتا ہے۔ اتنی ہی بات پر آگ بگولا ہوگیا۔

۱۴۔واسطے اور خاطر کے لیے۔ جیسے، کام پر گیا ہے۔ نام پر مرتا ہے۔ روٹی پر جان دیتا ہے۔

۱۵۔تعلق خاطر۔ جیسے، ہمارے حال پر رحم کرو۔ اس بات پر غور کرو۔ میرا دل اس پر آ گیا۔

۱۶۔انحصار۔ جیسے، میری زندگی اسی پر ہے۔ ایک مجھی پر کیا سب کا یہی حال ہے۔ میرا جانا ان پر موقوف ہے۔

۱۷۔طرف یا جانب۔ جیسے، اس کی باتوں پر نہ جانا۔ اس پر نہ جانا یہ سب دیکھنے کے ہیں:

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

اس پر کوئی خیال نہیں کرنا چاہیے۔ ہر چیز اپنی اصل پر جاتی ہے۔

غرض اس قسم کے جتنے تعلقات حروف ربط کے ذریعے سے ظاہر کیے جاتے اور جن میں کام کا کسی خاص طور سے واقع ہونا پایا جاتا ہے تو ایسے اسما جو اس طرح استعمال ہوتے ہیں وہ طوری حالت میں ہوں گے۔ اُن مثالوں کے علاوہ جو اوپر بیان کی گئی ہیں اور بھی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں جن سے کام کا طور معلوم ہوتا ہے۔ جیسے نکھ سکھ سے درست۔ آنکھوں سے اندھا کانوں سے بہرا۔ لین دین میں ہوشیار۔ باتوں میں تیز، کام میں سست۔ اس نے دشمن پر حملہ کیا۔ شیر پر جھپٹا۔ وہ مجھ پر غصے ہوا۔ اس کے مال پر قبضہ کرلیا۔ وہ اپنے طریقے پر ہے میں اپنے طریقے پر ہوں۔ ان قواعد کی پابندی مجھ پر لازم نہیں۔ خدا کی اطاعت سب پر واجب ہے۔ وہ اپنے قول وقرار پر قائم نہیں۔

یہ سب مثالیں طور کو بتاتی ہیں اور اسی لیے ہم نے اس قسم کے تمام اسما کو طوری حالت میں رکھا ہے۔

صفت

صفات کی ساخت اور تغیر وتبدل کے متعلق پہلے حصّے میں کافی طور سے بیان ہو چکا ہے لہٰذا یہاں اس کا اعادہ غیر ضروری ہے۔

ا۔ صفت جب کبھی اسم کی کیفیت یا حالت بیان کرتی ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔

(ا) توصیفی اور (۲) خبری

توصیفی، جیسے خوب صورت جوان۔ نازک کلائی، نیلا آسمان وغیرہ۔

خبری، جیسے وہ گھوڑا خوب صورت ہے۔ یہ پانی تو گرم ہے۔ میں نے اُسے ہوشیار پایا وغیرہ۔

۲۔ اردو میں صفات اکثر اسما کی طرح استعمال ہوتی ہیں اور جس طرح اسما کی آخری

علامت میں تبدیلی واقع ہوتی ہے، ان میں بھی ہوتی ہے۔ جیسے: تم کیا اچھے اچھے مارے مارے پھرتے ہیں اور کوئی نہیں پوچھتا،

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے

وہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے

بروں کی صحبت سے بچو۔ بے حیا کی بلا دور۔ یہاں سب طرح کے لوگ موجود ہیں، اچھے سے اچھا اور برے سے برا۔ عقل مندوں کی صحبت میں بیٹھو، جاہلوں سے احتراز کرو۔ بڑوں کا ادب کرو اور چھوٹوں پر شفقت۔

۳۔ کبھی کبھی بعض اسم بھی صفت کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے:

آگے جاتا نہیں ہے اب بولا

ہوگئی ہے زباں بھی اولا

یہاں اولے کے معنی ٹھنڈے کے ہیں۔ یا مثلاً یوں کہیں، 'اس کے ہاتھ پاؤں برف ہو رہے ہیں'۔ 'اسے اس زور کا بخار چڑھا کہ سارا جسم آگ تھا'۔ یا مثلاً خفا ہو کر کہیں، 'تم بڑے الو ہو' یا 'بڑے گدھے ہو'۔ یہاں الو اور گدھے کے معنی بیوقوف اور احمق کے ہیں یا، 'وہ تو نرا بیل ہے'۔

۴۔ صفات بعض اوقات تمیز کا کام دیتی ہیں جیسے: وہ خوب بولتا ہے۔ اسے کچھ نہیں آتا۔

۵۔ بعض اوقات تکرارِ صفت سے صفت میں بیشی یا ترقی ہو جاتی ہے جیسے: دور دور کے لوگ، مشہور مشہور شخص، میٹھے میٹھے پھل، اونچے اونچے مکان، گرم گرم چائے۔ مگر خاص خاص حالتوں میں اس کے خلاف کمی ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً 'دال میں کچھ کالا کالا نظر آتا ہے' (یعنی کوئی چیز جو کالی سے ہے) 'یہ سالن میٹھا میٹھا معلوم ہوتا ہے' (یعنی کسی قدر میٹھا)۔ لیکن اس آخری صورت میں صفت تمیز کا کام دیتی ہے۔

جب اس میں اور ترقی یا مبالغہ مقصود ہوتا ہے تو دونوں کے درمیان 'سے' بڑھا دیتے

ہیں۔ جیسے بڑے سے بڑا کام۔ اونچے سے اونچا پہاڑ۔ بھاری سے بھاری بوجھ۔ اچھے سے اچھا کام۔ وغیرہ۔

۷۔ (ا) سا کا لفظ بھی صفات کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے، اس سے مشابہت پائی جاتی ہے، مگر ساتھ ہی صفت میں کمی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ جیسے: لال سا کپڑا، کالا سا رنگ، وہ تو مجھے بیوقوف سا معلوم ہوتا ہے،

محبت ہے یا ہے کوئی جی کا روگ

سدا میں تو رہتا ہوں بیمار سا

(ب) یہی حرف بعض اوقات اسم یا ضمیر کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور اس سے مل کر صفت کا کام دیتا ہے اور اس سے مشابہت ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے: بادل سا سائبان، مجھ سا گنہگار، تم سا عقل مند۔

(ج) بعض اوقات یہ حرف اسم اور ضمیر کی اضافی حالت کے ساتھ بھی آتا ہے۔ اس وقت خود شخص یا شے سے مشابہت ظاہر نہیں ہوتی بلکہ کسی ایسی بات سے مشابہت ہوتی ہے جو اس شخص یا شے میں پائی جاتی ہے۔ جیسے: آدمی کی سی بولی، ہاتھی کی سی سونڈ، گھوڑے کا سا منہ، شیر کے سے دانت، بکرے کی سی ڈاڑھی۔

(یہاں حرف اضافت کے بعد اسم محذوف سمجھا گیا ہے۔ یعنی آدمی کی بولی سی بولی۔ ہاتھی کی سونڈ سی سونڈ)۔

(د) بعض اوقات موصوف محذوف ہوتا ہے۔ جیسے: پھول سا نظر آتا ہے، پہاڑ کی چوٹی سی معلوم ہوتی ہے۔ یہاں وہ شے (جسے ہم دیکھ رہے ہیں) محذوف ہے۔

(ہ) جس طرح یہ صفت کے ساتھ آ کر اسم کی تعریف کرتا ہے جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے (لال سا کپڑا)، اسی طرح یہ اسم کے ساتھ آ کر صفت کی مشابہت ظاہر کرتا ہے، جیسے: پھول سا ہلکا، پتھر سا سخت۔

(و) اس قسم کی ترکیب میں سے کبھی (سا) کو اڑا کر بہت پاکیزہ مبالغہ ظاہر کیا جاتا

ہے۔ جیسے ہلکا پھول، میٹھا شہد۔ اگرچہ بظاہر اس کی یہ ترکیب ہوگی کہ پھول سا ہلکا یا شہد سا میٹھا، لیکن اس کے معنی بہت ہلکے اور بہت میٹھے کے لیے جاتے ہیں۔ اس قسم کی ترکیبی صفات کی چند مثالیں دی جاتی ہیں:

ہلکا پھول، میٹھا شہد، لال انگارا، لال بھبوکا، کالا بھجنگ، کھٹا چوک، کھٹا چونا، کڑوا زہر، کڑوا نیم، کڑوا کریلا، سوکھا کھڑنک، پھیکا پانی، موٹا پھپس، لمبا اونٹ، سوکھا کانٹا، دُبلا قاق، سیدھا تک، سیدھا تیر، سفید براق، سفید جھک، گرم آگ، ٹھنڈا برف، ٹھنڈا اولا، اندھیرا گھپ، نیلا کانچ، میلا چیکٹ، بڈھا پھوس۔

۸۔ سا کا استعمال صفت کی زیادتی کے لیے اس طرح بھی آتا ہے جیسے: بہت سا آٹا، بڑا سا گھر، اونچا سا پہاڑ۔

'سا' ان معنوں میں سنسکرت کے لفظ 'شس' سے نکلا ہے جس کے معنی گُنا کے ہیں۔ (برج بھاشا 'سو')۔ سا، جس کے معنی مشابہت کے ہیں وہ سنسکرت کے لفظ 'سا' (مانند) سے آیا ہے۔ (برج بھاشا 'سوں')۔

۹۔ 'ہر' حرفِ تخصیص ہے اور ہمیشہ واحد کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، لیکن 'ایک' اور 'کوئی' کے ساتھ مرکب ہوکر بھی آتا ہے جیسے: ہر ایک آدمی کا یہ کام نہیں ہے، ہر کوئی اسے کر لے یہ دشوار ہے۔

۱۰۔ 'بھر' اگرچہ صفت ہے لیکن کبھی تنہا استعمال نہیں ہوتا بلکہ کسی نہ کسی اسم کے بعد مل کر آتا ہے۔ (یہ بھرنے سے ہے اور اس کے معنی پورے یا تمام کے ہیں) اسمائے مقدار وغیرہ کے ساتھ۔ جیسے: چلو بھر، مٹھی بھر، پاؤ بھر، گز بھر، ہاتھ بھر۔

اسمائے مسافت کے ساتھ۔ جیسے کوس بھر۔

اسمائے زماں کے ساتھ۔ جیسے عمر بھر، دن بھر، سال بھر۔

بعض اوقات 'بھر برس' یا 'بھر نیند سونا' یا 'بھر نظر دیکھنا' بھی بول جاتے ہیں ورنہ یہ لفظ ہمیشہ اسم کے بعد آتا ہے۔

صفات عددی

ا۔قدیم اردو (دکنی) میں 'ایک' کی جمع ''ایکاں'' آتی ہے، جس کے معنی 'کچھ' اور 'بعض' کے ہوتے ہیں۔

۲۔کبھی ایک 'کسی' کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے: ایک دن ایسا واقع ہوا، ایک شخص نے مجھ سے یہ کہا، ایک نے بھی میرا ساتھ نہ دیا۔ ان فقروں میں ایک شمار کے لیے نہیں آیا بلکہ اس کے معنی کسی دن اور کسی شخص کے ہیں۔

۳۔اسی طرح 'ایک' معین اعداد کے ساتھ آکر غیر معین کے معنی دیتا ہے، جیسے بیس ایک آدمی بیٹھے تھے۔ یعنی تخمیناً بیس۔ اس کا ذکر صرف میں ہو چکا ہے۔

۴۔(ا) جب یہ تکرار آتا ہے تو اس کے معنی فرداً فرداً کے ہوتے ہیں۔ جیسے: ایک ایک آؤ۔ ایک ایک دو۔

(ب) ہر ایک کے معنوں میں، جیسے: 'اُس نے آپ کا پیغام ایک ایک کو پہنچا دیا' قریب قریب اِنھیں معنوں میں، 'ایک ایک کر کے' بھی استعمال ہوتا ہے۔

۵۔لیکن جب پہلا ایک فاعلی حالت میں ہوتا ہے اور دوسرا مفعولی یا اضافی حالت میں تو وہاں 'باہم' یا 'ایک دوسرے' کے معنی ہوتے ہیں۔ جیسے: ایک ایک سے لڑ رہا تھا۔ ایک ایک سے جٹ گیا۔ ایک ایک کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ ایک ایک کا دشمن ہے۔

۶۔جب ایک ہی جملے کے دونوں فقروں میں آتا ہے تو دوسرے ایک کے معنی دوسرے کے ہوتے ہیں۔ جیسے، ایک کو سائی ایک کو بدھائی۔

ایک سب آگ ایک سب پانی
دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں

اور اکثر کے جواب میں دوسرا یا اُس پر آتا ہے۔ جیسے: ایک تو بیوقوف دوسرے مفلس۔ ایک تو میں غم زدہ اُس پر آپ کی غفلت غضب ہے۔

کبھی تحسینِ کلام کے لیے آتا ہے۔ جیسے: ایک تمھارا ہی فکر کیا کم ہے۔ ایک درد سا دل میں رہتا ہے۔

یہ صدا جب کہ کان میں آئی
جان اک میری جان - میں آئی

۷۔ کبھی 'کُل' یا 'سارے' کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے: ایک زمانہ یہی کہتا ہے۔ ایک عالم میں یہی چرچا ہے۔

۸۔ کبھی یکساں کے معنی دیتا ہے۔ جیسے: وہ بھائی بہن ایک ہیں،

ایک ہے تیری نگہ میری آہ
کہیں ایسوں سے رہا جاتا ہے
(داغ)

۹۔ کبھی مبالغے کے لیے۔ جیسے، وہ ایک چھٹا ہوا ہے۔

۱۰۔ کبھی 'بے نظیر' کے معنوں میں۔ جیسے: سارے خاندان میں ایک ہے۔ اپنے رنگ میں ایک ہے۔

۱۱۔ کبھی 'اکیلے' اور 'تنہا' کے معنوں میں۔ جیسے، کیا تمھارے ستانے کو ایک میں ہی رہ گیا ہوں۔

۱۲۔ کبھی 'ذرا' یا 'ادنیٰ' کے معنوں میں آتا ہے جیسے:

اک کھیل ہے اورنگِ سلیماں مرے نزدیک
اک بات ہے اعجازِ مسیحا مرے آگے

۱۳۔ صرف میں بیان ہو چکا ہے کہ کُلیت کے اظہار کے لیے اعداد معین کے آگے 'وں' بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے: آٹھوں پہر وہیں بیٹھا رہتا ہے۔ دونوں جہان میں بھلا ہوگا۔ اور جب زور دینا مقصود ہوتا ہے تو عدد حرفِ اضافت کے ساتھ بہ تکرار استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، آٹھوں کے آٹھوں آ گئے، دسوں کے دسوں دے دیے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس آخری صورت میں عدد کے ساتھ اسم اکثر محذوف ہوتا ہے۔

ضمائر

۱۔ضمیر جنس وتعداد میں اس اسم سے مطابق ہوتی ہے جس کے لیے وہ استعمال کی گئی ہے جیسے: میں نے کریم کو ہر چند سمجھایا مگر وہ نہ سمجھا۔ وہ شخص جو کل آپ سے ملا تھا چلا گیا۔

لیکن تعظیم کے موقع پر اگر چہ اسم واحد ہوتا ہے لیکن جو ضمیر کہ اس کی بجائے استعمال ہوتی ہے جمع آتی ہے، جیسے: آپ کے بلانے پر مولوی صاحب آئے تو سہی مگر انھوں نے اس مسئلے کے متعلق کچھ نہ فرمایا۔ وہ صاحب جنھیں آپ نے بلایا تھا تشریف لائے ہیں۔

۲۔جب ضمائرِ شخصی فعل کی فاعل ہوتی ہیں تو بعض اوقات محذوف ہوتی ہیں۔ جیسے، 'کل آؤں گا'۔ یہاں 'میں' محذوف ہے۔ امر کے ساتھ خصوصاً ضمیر فاعلی ظاہر نہیں کی جاتی۔ جیسے: فوراً چلے جاؤ۔

۳۔جب ایک ہی جملے میں ایک مفعول، شے؛ دوسرا مفعول، شخصی ہو؛ یعنی قریب وبعید اور دونوں ضمیریں ہوں تو 'کو' مفعولِ شخصی کے ساتھ آئے گا۔ جیسے: وہ تو میں اس کو دوں گا۔

۴۔مجھ اور تجھ کے ساتھ جب کوئی صفت آتی ہے تو اس کی صورت تو مفعولی ہوتی ہے لیکن وہ فاعلی، مفعولی، اضافی، طوری حالتوں میں برابر استعمال ہوتی ہے اور ایسی صورت میں علامات فاعل ومفعول واضافی وطوری صفت کے بعد آتی ہیں۔ جیسے: مجھ کمبخت نے کہا تھا، مجھ خاکسار کو یہ واقعہ پیش آیا، مجھ عاجز سے یہ خطا ہوئی۔ تجھ بدنصیب کی یہ حالت ہے۔ مجھ اور تجھ الگ استعمال نہیں ہوتے۔ مفعولی حالت مجھے اور مجھ کو ہے۔ فاعلی حالت میں یہ استعمال نہیں ہوتے۔

۵۔اسی طرح جب ضمیرِ شخصی کے بعد 'ہی' آتا ہے تو علاماتِ فاعل ومفعول واضافی و طوری عموماً 'ھی' کے بعد آتی ہیں۔ جیسے: مجھی سے مانگا تھا، ہمیں نے دیا تھا، اسی کا ہے۔ البتہ علامتِ فاعلی مستثنیٰ ہے، وہ دونوں طرح استعمال ہوتی ہے۔ مگر واحد متکلم میں 'ہی' ہمیشہ 'نے' کے بعد آتا ہے۔ جیسے، میں نے ہی کہا تھا۔

۶۔بعض ضمائرِ شخصی ودیگر ضمائر کے ساتھ 'پاس' کا استعمال بلا اضافت بھی آتا ہے جیسے:

اُس پاس۔ مجھ پاس۔ جس پاس۔ کس پاس۔

جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو
روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے
(غالبؔ)

کون آتا ہے برے وقت کسی پاس اے داغؔ
لوگ دیوانہ بناتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

لیکن یہ استعمال اب متروک ہوتا جاتا ہے۔

۷۔ 'آپ' بجائے ضمیرِ مخاطب تعظیماً آتا ہے اور کبھی تعظیم کے خیال سے غائب کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کا ذکر حصّۂ صرف میں ہو چکا ہے۔ لیکن 'آپ' مخاطب کے لیے آئے یا غائب کے لیے؛ فعل اس کے لیے ہمیشہ جمع غائب آتا ہے۔ جیسے: آپ تشریف لے چلیں۔ آپ آئے تھے۔ آپ کب جائیں گے۔

۸۔ 'اپنا' ضمیر کے موقع پر جس جس طرح استعمال ہوتا ہے اس کا ذکر صرف میں ہو چکا ہے۔ علاوہ اس کے وہ بلا تعلق مرجع اور بھی کئی طرح استعمال ہوتا ہے:

(ا) بعض وقت ضمیر متکلم کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے: اپنا اُلّو کہیں نہیں گیا،

غالبؔ اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

ناصحوں سے کلام کون کرے
اپنی ایسوں سے گفتگو ہی نہیں
(داغؔ)

(ب) بعض اوقات صفت کے معنی دیتا ہے۔ جیسے: اپنی گرہ سے دینا۔ اپنی نیند سونا اور اپنی بھوک کھانا۔

(ج) جب مکرر آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں ہر ایک کا الگ الگ۔ جیسے: اپنا اپنا

کمانا اپنا اپنا کھانا۔ اپنا اپنا کام کرو۔ اپنے اپنے گھر جاؤ۔ وہ سب چھپے بجھے اُٹھے اور اپنا اپنا کام کرنے لگے۔

(د) کبھی بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، اپنا اپنا ہے پرایا پرایا۔ مجھے اپنا پرایا سب ایک ہے۔ جب وہ اپنوں سے یہ سلوک کرتا ہے تو غیروں سے کیا کچھ نہ کرے گا (یہاں اپنے کے معنی عزیز اور رشتہ دار کے ہیں اور ان معنوں میں یہ لفظ عموماً جمع میں استعمال ہوتا ہے۔)

اِسی سے 'اپنایت' اسم کیفیت ہے جس کے معنی یگانگت کے ہیں۔

(ہ) کبھی خصوصیت کے لیے۔ جیسے: اپنی گلی میں کتا بھی شیر ہے۔ دوسرے کاموں سے فرصت ملے تو اپنا کام بھی کروں۔

(و) اس محاورے میں کہ 'ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہے' اسم محذوف ہے۔ اسی طرح ان محاورات میں: اپنی گانا، اپنی کہنا، اُسے اپنی پڑی ہے، جب دیکھو وہ اپنی ہی گاتا ہے، اسم محذوف ہے اور اس لیے بجائے اسم سمجھا جائے گا۔

(ز) کبھی 'آپ' بھی اپنے یا اپنی کے بجائے آتا ہے جیسے، آپ بیتی۔ آپ کاج مہا کاج۔

(ح) 'آپ سے آپ' اور 'آپ ہی آپ' اور 'آپ سے' خود بہ خود کے معنوں میں آتے ہیں:

تیغ تو اوچھی پڑی تھی گر پڑے ہم آپ سے
دل کو قاتل کے بڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

(ط) کبھی 'آپ' کے بجائے آپے کا لفظ بھی محاورے میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، آپے سے باہر ہو جانا، آپے میں آنا۔

(۹) بعض اوقات ہم، تم اور آپ کے ساتھ دوسرے اسم جمع مثل لوگ، صاحب اور حضرات کے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے: ہم لوگ، تم لوگ، آپ صاحب، آپ حضرات وغیرہ۔

۱۰۔ 'ہی' حرفِ تخصیص ہے۔ جب وہ ہم، تم اور وہ 'یہ' کے ساتھ آتا ہے تو ان کی صورت

وہی، یہی (جمع میں اِنھیں، اُنھیں، ہمیں، تمھیں) ہو جاتی ہے۔ جیسے: وہی آئے گا تو دوں گا۔ غلطی ہمیں سے ہوئی۔ یہ تمھیں تو تھے۔

۱۱۔ ضمیر کبھی اسم سے پہلے بھی آجاتی ہے مگر یہ اکثر نظم میں ہوتا ہے۔

۱۲۔ یہ بیان ہو چکا ہے کہ 'یہ' ضمیرِ اشارہ قریب کے لیے اور 'وہ' بعید کے لیے ہے، لیکن بعض اوقات 'یہ' کا اشارہ پورے جملے کی طرف ہوتا ہے جو اس کے بعد آتا ہے۔ جیسے:

یہ میں نے مانا کہ آج خنجر! مرا گلو بھی نہیں رہے گا
کمر میں ظالم کے او ستمگر! ہمیشہ تو بھی نہیں رہے گا

۱۳۔ یہ اور وہ کبھی 'ایسا' کے معنوں میں بطور صفت کے آتے ہیں۔ جیسے، روشنی کا یہ عالم تھا کہ اس کے سامنے چاندنی گرد تھی۔

۱۴۔ حروفِ ربط کے اثر سے 'یہ': 'اِس سے' اور 'وہ' 'اُس سے' بدل جاتا ہے۔ جیسے، اُس میں، اُس پر وغیرہ۔

علاوہ حروفِ ربط کے: پاس، جگہ، گھر، طرف، سمت، جانب، رات، دن، مہینا، سال، گھڑی، طرح، قدر وغیرہ کے ساتھ آنے سے بھی یہی تبدیلی ہو جاتی ہے۔

۱۵۔ جمع میں یہ 'اِن' اور وہ 'اُن' ہو جاتا ہے۔

۱۶۔ کبھی 'یوں' بھی ضمیرِ اشارہ (قریب) کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔

مہندی ملنے کے بہانے ہیں عبث یوں کہیے
آج اغیار سے پیمان کیے بیٹھے ہیں
(داغ)

۱۷۔ ضمائرِ استفہامیہ دو ہیں۔ 'کیا' اشیا کے لیے اور 'کون' اشخاص کے لیے۔ ان کا مفصل ذکر صرف میں آچکا ہے۔ کیا، حالتِ فاعلی اور مفعولی میں یکساں طور سے استعمال ہوتا ہے، مثلاً تمھیں کیا چاہیے۔ تم کیا کر رہے ہو۔ لیکن کیا جب تعجب اور حیرت کے لیے آتا ہے تو اشخاص کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، وہ بھی کیا آدمی ہے۔ کیا بیوقوف ہے (لیکن

ان موقعوں پر یا تو وہ صفت کا کام دیتا ہے یا تمیز کا)۔

۱۸۔استفہام کی مختلف قسمیں ہیں اور وہ مختلف معنوں کا اظہار کرتا ہے۔ مثلاً:

(ا) محض استفسار کے لیے۔ جیسے، یہ کون ہے؟، یہ کیا ہے؟، اسے استخباری بھی کہتے ہیں جیسے، اس شعر کے دوسرے مصرع میں:

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے؟
آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟

(ب) اقراری۔ جیسے: یہ تمھارا قصور نہیں تو اور کس کا ہے؟ (یعنی تمھارا ہی ہے)۔ یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

(ج) انکاری۔ جیسے:

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی
یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا؟

(غالبؔ)

کیا یہ انداز چھٹ جائیں گے؟ یعنی نہیں چھٹیں گے یا اس شعر کے دوسرے مصرع میں:

دوست غم خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائیں گے کیا

(د) تجاہل، یعنی جان بوجھ کر پوچھنا۔ جیسے کسی کو لکھتے ہوئے دیکھ کر پوچھنا کہ کیا کر رہے ہو؟

پوچھتے ہیں وہ کہ غالبؔ کون ہے؟
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

یا شاعر ممدوح کے متعلق تجاہل سے سوال پر سوال کرتا ہے، حالاں کہ خوب جانتا ہے کہ وہ کون ہے:

کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا
ہیں مہ و مہر و زہرہ و بہرام

اور پھر خود ہی اس کا جواب دیتا ہے:

تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن
نام شاہنشہ بلند مقام
قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ
مظہرِ ذوالجلال والاکرام

یا اسی طرح ایک مقرّر زور دینے کے لیے سوال پہ سوال کرتا ہے، حالاں کہ خود بھی جانتا ہے اور دوسرے بھی جانتے ہیں۔

(ہ) زجر و ملامت کے لیے۔ جیسے، اس شعر کے پہلے مصرع میں:

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

یا ہم بگڑ کر کسی سے کہیں 'کیا کرتے ہو'؟

(و) تحقیر و توہین کے لیے۔ جیسے

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے؟
تمھیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟

(ز) حیرت و استعجاب کے لیے۔ جیسے، ایں! یہ کیا ہوا!

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟

(ح) انکسار کے لیے۔ جیسے، ہم کیا ہیں کوئی کام جو ہم سے ہوگا؟

(ط) نفی کے لیے۔ جیسے، میں کیا جانوں؟

(ی) استغنا کے لیے۔ جیسے، اسے لے کر کیا کروں گا؟

۱۹۔ اس کے علاوہ 'کیا' بطور صفت بھی آتا ہے جس کا ذکر دوسرے موقع پر کیا جائے گا۔

۲۰۔ 'کیا کیا' بہ تکرار بھی آتا ہے جس کے معنی کثرت کے ہوتے ہیں۔ جیسے، کیا کیا

کہوں؟ کیا کیا لکھوں؟ کیا کیا سنوں؟

۲۱۔ 'کون' اور 'کون سا' کا فرق پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کون سا ہمیشہ ایسی جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں کئی میں سے ایک مقصود ہو۔ مثلاً کئی کتابیں ہوں اور پوچھیں کون سی چاہیے۔

۲۲۔ 'کون' اور 'کیا' بعض اوقات تنکیری معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے، 'مجھے معلوم نہیں کہ کون آیا اور کون گیا'۔ یہاں استفہامی معنی نہیں ہیں۔ اسی طرح: کچھ معلوم نہیں اُس نے مجھے کیا کہا تھا۔ میں کیوں کر وعدہ کرلوں، خدا جانے وہ کیا مانگ بیٹھے۔ اُسے معلوم نہ تھا کہ اس مکان میں کون رہتا ہے۔

۲۳۔ ضمائر تنکیری 'کچھ' اور 'کوئی' ہیں۔ ان کا معمولی استعمال اور فرق کا بیان صرف میں ہو چکا ہے۔

۲۴۔ 'کوئی' بطور ضمیر ہمیشہ جان دار کے لیے استعمال ہوتا ہے اور واحد آتا ہے، جمع میں نہیں آتا۔ بعض اوقات 'کچھ' جانداروں کے لیے بھی آتا ہے۔ جیسے: وہاں بہت سے لوگ بیٹھے تھے، کچھ یہاں کچھ وہاں۔ یہ استعمال مخصوص ہے اور صرف اس وقت آتا ہے جب مجموعی تعداد ہو۔

۲۵۔ ایک ہی جملے کے دو حصّوں میں 'کوئی' اور 'کچھ' الگ الگ بطور جواب کے استعمال ہوتے ہیں۔ کرے کوئی بھرے کوئی۔ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔ کوئی مرے کوئی ملہار گائے۔ کچھ ہم سمجھے کچھ تم سمجھے۔ ایسے جملوں میں کوئی اور کچھ کے معنی ایک جگہ 'ایک' اور دوسری جگہ 'دوسرے' کے ہیں۔

۲۶۔ 'کوئی' اور 'کچھ' تکرار کے ساتھ قلت کے معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے، کوئی کوئی اب بھی مل جاتا ہے۔ کچھ کچھ باقی ہے۔

۲۷۔ 'کوئی نہ کوئی' اور 'کچھ نہ کچھ' بھی قلت کے معنوں میں آتے ہیں اور اس میں زیادہ زور ہوتا ہے۔ کوئی نہ کوئی اب بھی نظر آجاتا ہے۔ اچھوں کی صحبت میں کچھ نہ کچھ ضرور حاصل ہوتا ہے۔

۲۸۔کوئی کا استعمال استفہام کے ساتھ روزمرہ میں بڑے لطف سے ہوتا ہے۔ جیسے:

عمر دو روزہ عیش دو روزہ نہیں ہے تو
میں چھوڑتا ہوں کوئی غم جاوداں تجھے
(داغ)

کاوش دل دور ہو میرے دل ویراں سے کیا
خار جاتے ہیں کوئی صحرا کا دامن چھوڑ کر

۲۹۔'کچھ کا کچھ' اور 'کچھ سے کچھ' ایسے موقع پر بولتے ہیں جہاں ایک حالت سے دوسری حالت ہو جائے اور تغیر یا انقلاب پیدا ہو جائے۔ جیسے: کچھ کا کچھ ہو گیا یا کچھ سے کچھ ہو گیا۔ لیکن بعض اوقات کچھ کا کچھ اصل کے خلاف معنوں میں بھی آتا ہے جیسے، کچھ کا کچھ کہہ دیا یا کچھ کا کچھ سمجھا دیا۔ یہاں بھی وہی معنی تغیر کے ہیں، یعنی اصل کے خلاف یا اسے بدل کر کچھ اور کہنا یا سمجھانا۔

۳۰۔'کوئی' کے بعد بعض اوقات 'سا' بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، کوئی سا دے دو۔ کوئی سا لے لو۔ یہ عموماً اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کئی میں سے ایک مقصود ہو۔ یہ استعمال بے جان اور جان دار دونوں کے لیے یکساں ہوتا ہے۔ بغیر 'سا' کے بھی کوئی اِن معنوں میں آتا ہے۔ کوئی دے دو۔ کوئی بھی دے دو۔

۳۱۔ بعض اوقات کچھ، 'جیسا' اور 'جو' ضمائر موصولہ کے ساتھ مل کر بھی آتا ہے اور اس میں زیادہ تر تنکیر پائی جاتی ہے۔ جیسے: جیسا کچھ ہو گا دیکھا جائے گا اور جو کچھ کہو گے کروں گا۔

۳۲۔اسی طرح کوئی کے ساتھ 'کیسا' مل کر تنکیری معنوں میں اور زور پیدا کر دیتا ہے۔ جیسے، کوئی کیسا ہی ہو۔ نفی میں زور اور تاکید ہوتی ہے۔ جیسے، کوئی کیسا ہی کیوں نہ ہو۔

۳۳۔ جتنا، اِتنا، ایسا، جیسا، ویسا، کیسا جو الفاظ ضمیری ہیں اور بطور صفت مستعمل ہیں، تمیز بھی واقع ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کا ذکر تمیز فعل میں کیا جائے گا۔

۳۴۔ضمائر موصولہ، استفہامیہ، تنکیری، جب بہ تکرار آتی ہیں تو معنی کثرت کے دیتی

ہیں مگر ان معنوں کا اطلاق کل پر فرداً فرداً ہوتا ہے، سوائے ضمائرِ تنکیری کے جو قلت کے معنی دیتی ہیں۔ جیسے: اس نے جو جو کہا میں نے مان لیا۔ جس جس کے پاس گیا اس نے یہی جواب دیا۔ جن جن سے تعلق تھا۔ کون کون آئے ہیں؟ کس کس سے کہوں؟ کس کس کے پاس جاؤں؟ کیا کیا کہا؟ کوئی کوئی اب بھی ہے۔ کچھ کچھ اب بھی نظر آجاتے ہیں۔

۳۵۔ ضمائر موصولہ، استفہامیہ اور تنکیری جب اسما کے ساتھ آتی ہیں تو صفت کا کام دیتی ہیں۔ جیسے، جو شخص آئے فوراً میرے پاس بھیج دو۔ جس شخص کو کہو بھیج دوں۔ جن لوگوں نے ایسا کہا غلطی کی۔ یہ کون آدمی ہے؟ یہ کس شخص کی ملک ہے؟ کیا چیز چاہیے؟ کوئی آدمی کام کا نہیں تھا۔ کچھ لوگ وہاں بیٹھے تھے۔ 'جون سا' (جون سی، جون سے) اور کون سا (کون سی، کن سے) بھی بطور صفت استعمال ہوتے ہیں۔ جون سی کتاب کہو دلوا دوں۔ کون سے کام پر جا رہے ہو۔ آج کون سی تاریخ ہے۔

ضمائر شخصی کبھی کبھی صفت کا کام دیتی ہیں، خصوصاً جب 'ہی' کے ساتھ مل کر آتی ہیں۔ جیسے: یہ وہی شخص ہے۔ یہی بات میں نے کہی تھی۔

کوئی نہ کوئی اور کچھ نہ کچھ بھی کبھی کبھی بطور صفت استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے: کچھ نہ کچھ کام ضرور کرتے رہا کرو۔ روز کوئی نہ کوئی مہمان آجاتا ہے۔

فعل

فعل زبان کی جان ہے اور جملے کے بنانے میں بہت کارآمد ہوتا ہے۔ تقریباً ہر جملے میں فعل آتا ہے اور ایسی صورتیں شاذ ہوتی ہیں جہاں جملہ بغیر فعل کے پورا ہوتا ہے۔ البتہ کہاوتوں اور نظم میں یا اخبارات اور مضامین کے عنوانات میں جملے بغیر فعل کے بھی آتے ہیں جیسے: کہاں راجا بھوج کہاں گنگا تیلی۔ نا گھر میرا نا گھر تیرا۔ چڑیا رین بسیرا رے۔ وغیرہ وغیرہ۔ مصدر اور حالیہ کا شمار بھی افعال میں ہے لیکن یہ تکمیل فعل کا کام نہیں دیتے۔ مصدر اکثر اسم کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور حالیہ بطور صفت۔

مصدر کے استعمال مختلف ہیں جن کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

ا۔ اکثر بطور اسم کے جس کی تفصیل یہ ہے:

(ا) فاعل، جیسے: کھیلنا ناگوار نہیں گزرتا، پڑھنا ناگوار ہوتا ہے۔

(ب) مفعول، جیسے وہ کھیلنا پسند کرتا ہے۔

(ج) ضرورت اور مجبوری کے معنوں میں، جیسے: ہم سب کو ایک روز مرنا ہے۔ انھیں معنوں اور ایسی فاعلی حالت میں پڑنا کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، آخر مجھے وہاں جانا پڑا۔

دل اب صحبت سے کوسوں بھاگتا ہے
ہمیں یاروں سے شرمانا پڑے گا

(حالؔی)

بعض اوقات اسی طرح مجبوری کے معنوں میں مصدر کے ساتھ 'ہوگا' کا استعمال ہوتا ہے جیسے: انھیں جانا ہوگا۔ اسے کھانا ہوگا۔

کیوں کر اب اُس نگہ ناز سے جینا ہوگا
زہر دے اُس پہ یہ تاکید کہ پینا ہوگا

(د) حرفِ اضافت 'کا' کے ساتھ نفی کی صورت میں مستقبل کے معنی دیتا ہے اور اس میں عزم اور یقین پایا جاتا ہے۔ جیسے، میں نہیں جانے کا۔

یہ 'کا' مؤنث میں 'کی' اور جمع میں 'کے' ہو جاتا ہے۔

(ہ) 'کو' کے ساتھ جب کہ فعل 'ہے'، 'ہیں'، 'تھا' یا 'تھے' ہوں ایسے کام کو ظاہر کرتا ہے جو اب فوراً ہونے والا ہے جیسے: وہ جانے کو ہے۔ ہم کچھ کہنے کو تھے۔

(و) بعض اوقات ایک فعل کا دوسرے فعل کے ساتھ ایک ہی وقت میں واقع ہونا ظاہر کرتا ہے۔ جیسے: اس کا نظر بھر دیکھنا تھا کہ وہ غش کھا کر گر پڑا۔ اس کا چوکی پر پاؤں دھرنا تھا کہ تختہ نکل گیا۔

(۲) امر کے معنوں میں بھی آتا ہے اور معمولی امر سے اس میں کسی قدر زور اور تاکید پائی جاتی ہے۔ جیسے: دیکھو بھول نہ جانا، کل ضرور آنا۔ (یہ استعمال یا بے تکلفی کے موقع پر ہوتا ہے یا ملازمین وغیرہ کے ساتھ۔ بڑوں یا برابر والوں کے ساتھ کبھی استعمال نہیں ہوتا۔)

(۳) مصدر کی تذکیروتانیث اُس اسم کے لحاظ سے ہوتی ہے، جس سے اس کا تعلق ہے، جیسے:

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی

'بات کرنی' اور 'بات کرنا' دونوں درست ہیں۔ اہلِ لکھنؤ اکثر مذکر ہی لکھنا بولنا پسند کرتے ہیں۔

لیکن جب اسم اور مصدر کے درمیان 'کا' واقع ہوتا ہے تو مصدر ہمیشہ مذکر ہوگا۔ جیسے: خط کا لکھنا۔ ہل کا چلانا۔ نظم کا پڑھنا وغیرہ۔

۴۔ بعض اوقات جب مصدر کے بعد کوئی حرفِ ربط آجاتا ہے تو علامتِ مصدر حذف ہوجاتی ہے اور اس کی جگہ یائے مجہول لے لیتی ہے۔ جیسے:

اُس کے آئے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق

یعنی، اُس کے آنے سے۔ 'اُس کے کہے سے کیا ہوتا ہے۔' یعنی اُس کے کہنے سے۔ 'اُن کے بہکائے میں آگیا'۔ یعنی بہکانے میں۔

حالیہ

۱۔ حالیہ کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تمام، دوسری ناتمام، تیسری حالیہ معطوفہ۔

'تمام' سے فعل کا ختم ہونا پایا جاتا ہے۔ جیسے، مرا ہوا جانور۔ ناتمام میں فعل ختم نہیں ہوتا جیسے، روتی ہوئی صورت۔ بہتا، پانی۔

۲۔ بلحاظ استعمال کے بھی اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو بطور صفت، دوسری بطور خبر۔ صفت کی مثالیں اوپر لکھی گئی ہیں۔ بعض اوقات 'ہوا' محذوف بھی ہوتا ہے۔ جیسے، اُجڑا گاؤں، روتی صورت وغیرہ۔

۳۔اب ہم دوسری قسم کا ذکر کرتے ہیں جو بطور خبر کے استعمال ہوتی ہے۔ یہ بھی صفت ہے، لیکن اسم کے ساتھ ساتھ نہیں آتی۔ جیسے، وہ ہنستا ہوا آیا۔ میں نے اُسے مرا ہوا پایا۔

جملے میں استعمال کے وقت اس کی صورت میں جو تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں اس کی تفصیل یہ ہے:

(ا) جب اصل فعل لازم یا متعدی بطور مجہول ہو تو حالیہ جنس و تعداد میں فاعل کے مطابق ہوگا۔ جیسے: وہ اکڑتا ہوا چلا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئی۔ وہ روتے ہوئے آئے۔ وہ دوڑتی ہوئی پکڑی گئی۔ وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔ وہ لٹا ہوا آیا۔ وہ لٹی ہوئی آئی۔

(ب) اگر اصل فعل متعدی طور پر معروف میں ہے تو حالیہ ناتمام یائے مجہول کے ساتھ آئے گا، خواہ تعداد و جنس کچھ بھی ہو۔ جیسے: ہم نے اُسے ناچتے ہوئے دیکھا۔ اُس نے ہمیں کھیلتے ہوئے پکڑا، میں نے رحیمن کو روتے ہوئے پکڑا۔ لیکن حالیہ ناتمام جب کہ اس کا تعلق اشیا سے ہو، جنس و تعداد کے مطابق ہوتا ہے۔ جیسے: میں نے روٹی جلی ہوئی دیکھی۔ میں نے کپڑا دھلا ہوا دیکھا۔ مگر اشخاص کی حالت میں یائے مجہول یا الف کے ساتھ آئے گا۔ جیسے: میں نے رحیمن کو سوئے ہوئے یا سویا ہوا دیکھا تھا، میں نے اُن کو سویا ہوا پایا۔

(ج) اگر وہ فعل جس سے حالیہ بنا ہے، متعدی ہے اور اس کے ساتھ کوئی اسم مفعول کی حالت میں ہے تو حالیہ تمام بلالحاظ جنس و تعداد یائے مجہول کے ساتھ آئے گا۔ جیسے ملکہ سر پکڑے کھڑی ہے۔ وہ سر جھکائے ہوئے آیا۔ لٹھ لیے چلا آرہا ہے۔

(د) جب حالیہ دُہرایا جائے یا اُس کا تابع دوسرا حالیہ اس کے ساتھ آئے تو فعلِ لازم کی صورت میں 'الف' اور 'ی' دونوں کے ساتھ آسکتا ہے۔ ('ے' کے ساتھ زیادہ فصیح ہے) مگر فعل متعدی کے ساتھ بغیر تبدیلی صرف 'ے' کے ساتھ آئے گا۔ جیسے: وہ ڈرتے ڈرتے یہاں آیا (یا وہ ڈرتا ڈرتا یہاں آیا یا ڈرتی ڈرتی آئی)۔ میں کہتے کہتے بیزار ہو گیا یا ہو گئی (یا میں کہتا کہتا بیزار ہو گیا یا میں کہتی کہتی بیزار ہو گئی)۔ وہ پڑے پڑے بیمار ہو گیا (یا پڑا پڑا بیمار ہو گیا)۔ وہ لڑتے جھگڑتے یہاں تک پہنچ گیا (یا وہ لڑتا جھگڑتا یہاں تک پہنچ گیا یا وہ لڑتی جھگڑتی یہاں

تک پہنچ گئی)۔ وہ بیٹھے بیٹھے بیکار ہوگیا (یا وہ بیٹھا بیٹھا بے کار ہوگیا)۔ اُس نے بیٹھے بٹھائے مجھے بدنام کردیا۔ اس نے لکھتے لکھتے کاغذ پھینک دیا۔

دن گزارے عمر کے انسان ہنستے بولتے

تکرار حالیہ سے فعل کی کثرت ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے، 'پڑے پڑے بیمار ہوگیا'، یعنی زیادہ تر پڑے رہنے سے۔ 'کہتے کہتے بیزار ہوگیا'، یعنی بار بار کہنے سے۔

کبھی بتدریج کے معنی بھی دیتا ہے۔ جیسے، 'کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے' یا جیسے، 'سیکھتے سیکھے ہی سیکھے گا'

'کوئی دن طبیعت کو ہوگا قلق
سنبھلتے سنبھلتے سنبھل جائے گی'

بعض اوقات اس قسم کا حالیہ بغیر اسم کے آتا ہے۔ جیسے: ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ چلاتے چلاتے گلا بیٹھ گیا۔

یہاں ہنستے ہنستے اور روتے روتے تمیز فعل ہیں۔

(ح) بعض اوقات حالیہ مطلقاً استعمال ہوتا ہے، یعنی اصل فعل کا فاعل ایک اسم ہوتا ہے اور حالیہ کا دوسرا؛ اور گو دونوں اسم ایک جملے میں ہوتے ہیں مگر بلحاظ فعل ایک دوسرے سے تعلق نہیں رکھتے۔ جیسے: صبح ہوتے چل دیا، رات گھر آیا۔ دن نکلتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا، دن چڑھے اُٹھا۔ اس قسم کے حالیہ مع اپنے اسم کے تمیز فعل (یا متعلق فعل) ہوتے ہیں۔

۴۔ بعض اوقات حالیہ بالکل بطور اسم کے استعمال ہوتا ہے، جیسے: سوتے کو جگانا آسان ہے مگر جاگتے کو جگانا مشکل ہے۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہے۔ اپنے کیے کی سزا پائی۔ میرا کہانہ مانا۔ آزمائے ہوئے کو کیا آزمانا۔ وہ بے کہے چل دیا۔ اُسے سوتے سے کیوں جگایا۔ وغیرہ وغیرہ۔

۵۔ بعض اوقات حالیہ بطور تمیز فعل کے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے، ساری رات جاگتے ہی جاگتے کٹی۔ وہ سُنتے ہی چل دیا۔ اس کا ذکر تمیز فعل میں کیا جائے گا۔

۶۔اس جگہ حالیہ کے استعمال میں ایک نازک فرق بیان کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ 'میں نے اُسے تیرتے دیکھا'۔تو اُس کے کیا معنی ہیں؟ آیا جس وقت میں تیر رہا تھا میں نے اُسے دیکھا یا میں نے اُس حالت میں دیکھا جب وہ تیر رہا تھا۔ عام بول چال میں اس قسم کے فقروں میں کچھ فرق نہیں کیا جاتا اور حسبِ موقع کوئی ایک معنی لے لیے جاتے ہیں۔ ہماری رائے میں اس میں یوں فرق کرنا چاہیے کہ جب حالیہ فعل کے متصل ہو تو فاعل کے متعلق سمجھا جائے اور مفعول سے متصل ہو تو مفعول کے متعلق۔ مثلاً جب ہم یہ کہیں کہ 'میں نے تیرتے ہوئے اُسے دیکھا' تو اس کے معنی یہ ہوں ے کہ جب میں نے اُسے دیکھا تو میں تیر رہا تھا اور جب یہ کہیں کہ 'میں نے اُسے تیرتے ہوئے دیکھا' تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ جب میں نے اُسے دیکھا تو وہ تیر رہا تھا۔ اسی طرح سے 'میں نے آتے ہوئے اُسے دیکھا'۔ اور 'میں نے اُسے آتے ہوئے دیکھا' وغیرہ وغیرہ۔

حالیہ معطوفہ

اردو میں حالیہ معطوفہ کا استعمال بکثرت ہوتا ہے۔اس کا تعلق ہمیشہ جملے کے اصل فعل سے ہوتا ہے۔ چوں کہ اس میں حرفِ عطف کا بچاؤ ہے اور حرفِ عطف کے معنے اس میں شریک ہوتے ہیں اس لیے حالیہ معطوفہ کہلاتا ہے۔

(ا) یہ ہمیشہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ جملے کے اصل فعل سے جس کام کا اظہار ہوتا ہے اس سے پہلے ایک کام ہو چکا ہے۔ مادۂ فعل کے ساتھ 'کر' یا 'کے' کے زیادہ کرنے سے بنتا ہے۔ جیسے، وہ نہا کر سو گیا۔ کان دھر کر سنو وغیرہ۔

ایسے جملوں میں دو فعل ہوتے ہیں۔ ایک تقدیمی، دوسرا خاص۔

(۲) ان جملوں کے اگر دو حصّے کیے جائیں تو اس میں اکثر حرفِ عطف واقع ہوگا۔ مثلاً 'وہ نہا کر سو گیا'، یعنی وہ نہایا اور سو گیا، مگر ایسی صورتوں میں فعل معطوف کا استعمال زیادہ فصیح ہے کیوں کہ پہلا فعل دوسرے فعل کا مقدمہ ہے۔ لیکن ہر ایسے جملے کے جس میں فعل

معطوفہ ہوتا ہے دو حصّے نہیں ہو سکتے، کیوں کہ بعض اوقات تقدیمی فعل بطور تمیز کے آتا ہے۔ جیسے، کان دھر کے سنو۔ جہاں ہر دو فعل ایک رتبے کے اور آزادانہ حیثیت رکھتے ہوں، وہاں حرف عطف لانا ضروری اور فصیح ہے۔ جیسے:

خیر کفارۂ عصیاں ہے پیو اور پلاؤ

ایسے موقع پر کبھی حرف عطف حذف ہو جاتا ہے۔ جیسے، وہ لکھتا پڑھتا ہے۔ بعض اوقات محاورے میں 'کر' یا 'کے' بھی حذف ہو جاتا ہے۔ جیسے وہ اُسے بلا لایا۔ برج بھاشا میں 'بلائے لایا' کہیں گے (یہاں 'ے' بجائے 'کے' یا 'کر' کے آیا ہے)۔ 'اُسے بھاگتے دیکھ وہ بھی بھاگ گیا'۔

(۳) کبھی فعل تقدیمی سے فعل خاص کا سبب ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے: پولیس سے ڈر کر بھاگ گیا۔ شہر کو جلتا دیکھ کر بھاگ نکلا۔ لڑ کر چلا گیا۔

(۴) کبھی ذریعہ ظاہر کرتا ہے۔ جیسے: دیکھ کر فریفتہ ہو گیا۔ درود پڑھ کر پاک کر دیا۔

کچھ کہہ کے اُس نے پھر مجھے دیوانہ کر دیا

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

(۵) کبھی اعتراف یا فرضی صورت ظاہر کرتا ہے، لیکن یہ عموماً 'ہوکر' کی صورت میں آتا ہے۔ جیسے: شرم نہیں آتی، ایسے بڑے سورما ہو کر عورت ذات پر ہاتھ اُٹھاتے ہو۔ بڑے بوڑھے ہو کر بچّوں کی سی باتیں کرتے ہو۔

(۶) 'راہ سے' کے معنوں میں۔ جیسے: یہ نالی چوک سے ہو کر گئی ہے۔ میں لکھنؤ سے ہو کر دہلی جاؤں گا۔ (یہ استعمال بھی عموماً 'ہوکر' کے ساتھ ہوتا ہے۔)

(۷) محاورے میں اعداد کے ساتھ یہ استعمال صرف 'کر کے' سے مخصوص ہے۔ ایک ایک کر کے آؤ۔ چار چار کر کے گنو (ایسی صورت میں اعداد تکرار کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔)

(۸) بعض اوقات صفت کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے، یہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

کبھی تمیز کا کام دیتا ہے۔ جیسے، 'وہ مقام اس سے آگے بڑھ کر ہے'۔ یعنی اور آگے ہے۔

(۹) یہاں اس امر کا بیان کرنا ضروری ہے کہ بعض اوقات حالیہ ناتمام اور حالیہ معطوفہ کے معنوں میں ذرا ذرا سا فرق ہوتا ہے جو قابلِ لحاظ ہے۔ جیسے:

۱۔ وہ گھر میں سے شراب پیے (یا پیے ہوئے) نکلا۔

۲۔ وہ گھر میں سے شراب پیتا (یا پیتا ہوا) نکلا۔

۳۔ وہ گھر میں سے شراب پی کر نکلا۔

پہلے جملے کے یہ معنی ہیں کہ جس وقت وہ گھر سے باہر آیا تو وہ حالت نشہ میں تھا۔

دوسرے جملے کے یہ معنی ہیں کہ شراب گھر میں پینی شروع کی اور باہر آتے وقت بھی پی رہا تھا۔

تیسرے جملے کے یہ معنی ہیں کہ پہلے اُس نے گھر میں شراب پی اور اُس کے بعد باہر نکلا۔

(۱۰) اسی طرح ان دو جملوں میں بھی باریک فرق ہے:

۱۔ جا کر کہو۔ ۲۔ کہہ کر آؤ۔

۱۔ وہ لاہور ہو کر آیا ہے۔ یعنی لاہور گیا اور واپس آیا۔

۲۔ وہ لاہور سے ہوتا (ہوا) آیا ہے۔ یعنی کسی اور جگہ سے آیا اور لاہور ٹھیر کر آیا ہے۔

(۱۱) عموماً حالیہ معطوفہ کا تعلق فاعل سے ہوتا ہے اور بطور صفت کے آتا ہے لیکن بعض اوقات تمیز فعل بھی ہوتا ہے، جس کا ذکر مع استعمال کے تمیز کے بیان میں آئے گا۔

(۱۲) 'کر' اور 'کے' حالیہ معطوفہ کے لیے جدید فصیح ہندی اور اردو، دونوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ قدیم ہندی میں ان کا استعمال نہیں ہوا۔ وہاں صرف مادۂ فعل یہ کام دیتا تھا جس کا استعمال اب بھی باقی ہے، جیسے، 'وہ یہ دیکھ کر بھاگ نکلا'۔ نظم میں یہ استعمال اب بھی ہے:

دیکھ عادت کا تسلّط میں نے عادت سے کہا

ان دونوں میں (یعنی 'کر' اور 'کے' میں) کچھ فرق نہیں ہے۔ اب رہا یہ امر کہ 'کر' کہاں استعمال کرنا چاہیے اور 'کے' کہاں، اس کا انحصار حسنِ صوت یا حسنِ سماعت پر ہے۔

اسم فاعل

یہ وہ اسم ہے جو فعل سے بنتا ہے اور اس کے معنی کام کرنے والے کے ہوتے ہیں۔

عموماً مصدر کے بعد 'والا' یا 'ہار' (ہارا) بڑھانے سے بنتا ہے۔ 'والا' کے ساتھ ہمیشہ مصدر کا الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے۔ 'ہار' کے ساتھ مصدر کا الف گر جاتا ہے۔ جیسے مرنے والا۔ ڈرنے والا۔ جانے والا۔ مگر مؤنث میں اس کا الف یائے معروف سے بدل جاتا ہے۔ جیسے مرنے والی وغیرہ۔

چلن ہار، ہون ہار۔

پنسہارا (مذکر) پنسہاری (مؤنث)۔ اسی طرح پنھیارا، پنھیاری۔

بعض اوقات صرف اسم کے ساتھ 'والا' آتا ہے اور فعل محذوف ہوتا ہے۔ جیسے محبت والا، دولت والا، یعنی محبت کرنے والا اور دولت رکھنے والا۔

عموماً یہ ایسے اسم کے ساتھ آتا ہے جو اضافی یا مفعولی حالت میں ہوتا ہے۔ جیسے: دلوں کا پھیرنے والا۔ اپنے پرائے کا غم کھانے والا۔ رحم کرنے والا۔ وغیرہ۔

کبھی یہ صورت زمانہ مستقبل کے ظاہر کرنے کے لیے بھی آتی ہے۔ جیسے: وہ آئندہ سال ولایت جانے والا ہے۔ میں بھی جانے والا ہوں۔

کبھی زمانہ ماضی کے ساتھ مستقبل کے ذکر کے لیے بھی آتا ہے۔ جیسے: میں تمھیں خط لکھنے والا ہی تھا کہ اتنے میں تم آ گئے۔

زمانہ

یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ زمانے تین ہیں۔ گزشتہ جسے ماضی کہتے ہیں، موجودہ جو حال کہلاتا ہے، آئندہ جس کا نام مستقبل ہے۔ ہر فعل کے لیے ضروری ہے کہ ان تینوں میں سے کسی ایک زمانے میں واقع ہو۔ لیکن بہ لحاظ معانی و تکوین فعل کی تین حالتیں ہوں گی:

(ا) کام جو ابھی شروع نہیں ہوا یعنی مستقبل۔

(۲) کام جو شروع تو ہوا لیکن ختم نہیں ہوا۔ یعنی افعال ناتمام۔

(۳) کام جو ختم ہو چکا یعنی افعال تمام۔

اس تقسیم کے لحاظ سے ایک قواعد نویس جو فلسفی دماغ رکھتا ہے، مضارع اور امر کو شق اوّل یعنی مستقبل کے تحت میں رکھے گا۔ کیوں کہ ان دونوں میں فعل زمانہ حال .س شروع نہیں ہوتا بلکہ زمانہ آئندہ میں ہوتا ہے۔ لیکن جب زبان کی ساخت اور نشو ونما پر نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ فعل کی دو بلکہ تین قسمیں ہیں۔ اوّل سادہ، دوم وہ جو ... حالیہ سے بنتے ہیں یا حالیہ کے ساتھ کسی قدیم فعل کا کوئی جز لگا ہوتا ہے جو مل کر جز و فعل ہو جاتا ہے، سوم مرکب افعال۔

مضارع

یہ تقسیم زیادہ صحیح اور نیچرل ہے اور اس لحاظ سے سادہ افعال میں سب سے پہلا نمبر سنسکرت کے قدیم فعل حال کا ہے جس میں اب تک اصل کی جھلک پائی جاتی ہے۔ موجودہ حالت میں وہ صریح طور سے حال کے معنی نہیں دیتا بلکہ اس کے معنوں میں کئی قسم کا ابہام پایا جاتا ہے اور خاص کر زمانہ مستقبل شرطیہ کے لیے مخصوص ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم نے اُسے عربی نام مضارع دیا ہے جو ان معنوں کے لحاظ سے زیادہ موزوں ہے۔ قدیم ہندی میں نہ صرف شرط واستقبال بلکہ حال کے معنی دیتا ہے جو ہندی ضرب الامثال اور بے تکلف بول چال کے فقروں سے صاف ظاہر ہے۔ یہ حال ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی لیے ہم نے سادہ افعال میں اسے سب سے اول رکھا ہے۔ اب ہم اس کے مختلف استعمالوں کا ذکر کریں گے۔

مضارع کا استعمال دو قسم کا ہے۔ ایک تو شرطیہ اور احتمالی جو اکثر مستقبل کے معنی دیتا ہے اور دوسرا خبریہ۔

ا۔ معروف امثال اور روزمرہ کے فقروں میں عموماً حال کے معنی دیتا ہے، جیسے: کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ کرے مونچھوں والا، پکڑا جائے داڑھی والا۔ کچھ ہم سمجھے کچھ تم سمجھے۔

خدا جانے کیا ہوا۔ کیا جانے کیا ہے۔

یہ استعمال مضارع کا اصل استعمال ہے۔

۲۔ امکان۔ جیسے، کوئی پوچھے کہ آپ کو اس سے کیا غرض۔

۳۔ اجازت۔ جیسے، آپ فرمائیں تو آؤں۔ اجازت ہو تو عرض کروں۔ کیا وہ جائے؟

۴۔ اگر شرط اور جزا دونوں کے جملوں میں شک، امکان یا ابہام پایا جائے تو مضارع دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، مینہ برسے تو کھیتی ہری ہو۔ وہ آئے تو میں جاؤں۔ اگر وہ فرمائیں تو ڈھونڈھ نکالوں۔

ہم پکاریں اور کُھلے، یوں کون جائے
یار کا دروازہ گر پائیں کھلا

بعض اوقات جب احتمال یا امکان صرف جملۂ شرط میں ہوتا ہے تو مضارع شرط کے ساتھ آتا ہے اور جزا میں فعل مستقبل یا حال ہوتا ہے، جیسے: اگر وہ نہ آئے تو میں چلا جاتا ہوں (یا چلا جاؤں)۔ اگر مل جائے تو بڑی بات ہے۔ اگر وہ یہ قبول کرے تو میرا ہزاروں کا فائدہ ہو جائے گا۔

۵۔ جب جملہ تابع کاف بیانیہ، بشرطیکہ، شاید وغیرہ کے ساتھ شروع ہوتا اور مقصد یا غرض وغایت، نتیجہ، ارادہ، خواہش، ضرورت، مشورہ، حکم وغیرہ ظاہر کرتا ہے یا ''بھی چاہیے اور لازم ہے وغیرہ کے ساتھ آکر ان معنوں کا اظہار کرے تو اس میں اکثر مضارع استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے: میں نے کہا کہ وہ نہ آوے تو بہتر ہے۔ میں نے ارادہ کیا کہ تمھارے پاس آؤں۔ مناسب یہ ہے کہ وہاں نہ جائے۔ بادشاہ کو چاہیے کہ رعایا سے ایسا بُرا برتاؤ نہ کرے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں گر نہ پڑے۔ میں اس پر عمل کرنے کو تیار ہوں بشرطیکہ اُس میں جھوٹ نہ ہو۔ شاید اس کا کہا سچ نکلے۔ بہتر تو یہ ہے کہ ہم سب ساتھ چلیں۔ میں نے یہ اس غرض سے کہا کہ اس کا شبہ جاتا رہے۔

۶۔ دعا یا تمنا کے لیے۔ جیسے، خدا تجھے برکت دے۔ عمر دراز ہو۔ عمر و اقبال بڑھے۔

خدا کرے کہ وہ کامیاب ہو جائے۔ جو ایسا کرے وہ ہمیں پیٹے یا ہمارا حلوا کھائے۔

۷۔ شبہے اور اضطراب کے لیے۔ جیسے، کیا کروں کیا نہ کروں۔ کہوں یا نہ کہوں۔

ہائے میں کیا کروں کہاں جاؤں

یہ خط کسے دوں۔

۸۔ کبھی مستقبل کا ایسا زمانہ ظاہر کرتا ہے جو غیر محدود ہوتا ہے۔ جیسے: جب بلائیں تب آنا۔ جب کہیں تو لانا۔

۹۔ تعجب اور افسوس کے لیے۔ جیسے:

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

افسوس وہ اتنی دور آئے اور ناکام واپس چلا جائے۔ وہ اور ایسا کرے۔ میں اور شراب پیوں۔

یوں پھریں اہلِ کمال آشفتہ حال افسوس ہے
اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

(۱۰) تشبیہ و مقابلہ کے لیے، جب کہ وہ تشبیہ حقیقی نہ ہو بلکہ احتمالی یا فرضی ہو۔ جیسے: اس نے اپنے حریف کو اس طرح پھینک دیا جیسے کوئی تنکا توڑ موڑ کے پھینک دے۔ وہ اس طرح وحشت زدہ کھڑا تھا جیسے کوئی بھرے مجمع میں ہرن کو کھڑا کر دے۔

۱۱۔ اظہار توقع کے لیے۔ جیسے: اگر آپ آئیں تو عین عنایت ہوگی۔ آپ کل تک آ جائیں تو میں بھی ہمراہ ہولوں۔ وہ آئے تو میں بھی ساتھ چلوں۔

۱۲۔ کیسا، کتنا وغیرہ الفاظ (تمیز) کے ساتھ جب کہ یہ الفاظ تاکیدی معنوں میں ہوں۔ ایسی صورت میں جملہ اکثر منفی ہوتا ہے۔ جیسے: کوئی کتنا ہی شور مچائے اُسے خبر بھی نہیں ہوتی۔ کوئی کیسی ہی عقل مندی کرے وہ خاطر ہی میں نہیں لاتا۔ آپ ہزار کہیں وہ سُنتا ہی نہیں۔

۱۳۔ ایک صورت اپنی حالت کے اعتراف کی ہے۔ جیسے: نہ میں شعر کہوں نہ شاعر

کہلاؤں۔ نہ مجھے نوکری کی خواہش ہو نہ خوشامدی کہلاؤں۔ نہ وہ آئیں اور نہ میں اُن سے اظہارِ مطلب کرسکوں۔

۱۴۔ مضارع کا ایک اور استعمال ہے، جس میں ایک قسم کا مشورہ اپنے دل سے ہوتا ہے:

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو

۱۵۔ 'چاہیے' بھی مضارع ہے جس کے معنی 'مناسب ہے' یا 'لازم ہے' کے ہیں۔ اس میں کبھی اخلاقی فرض کے ادا کرنے کی تاکید ہوتی ہے۔ جیسے: ہمیں اس سے ملنا چاہیے۔ ان سے ادب کے ساتھ پیش آنا چاہیے وغیرہ۔

اَمر

مضارع کے بعد دوسرا فعل جو دراصل مادۂ فعل ہے وہ امر ہے اور یوں بھی مضارع سے بہت مشابہ ہے، کیوں کہ سوائے حاضر کے صیغوں کے باقی تمام صیغے وہی ہیں جو مضارع کے ہیں۔

۱۔ حکم اور ممانعت کے لیے عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔

۲۔ امتناعی صورت میں امر کے ساتھ 'نہ' اور 'مت' آتا ہے۔ 'نہ' میں نفی اور کبھی امتناع بھی پایا جاتا ہے، لیکن 'مت' سے ہمیشہ نہی یا امتناع تاکیدی ظاہر ہوتا ہے۔ یہ لفظ خاص اسی لیے مخصوص ہے اور اس میں نہ سے زیادہ زور ہوتا ہے۔ 'نہیں' یوں تو امر کے ساتھ استعمال نہیں ہوتا لیکن کبھی کبھی آخر میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے: ڈرو نہیں۔ گھبراؤ نہیں۔

۳۔ غائب اور متکلم کے صیغے صرف مشورے اور اجازت کے لیے آتے ہیں، جیسے ہم جائیں اور وہ جائے۔ اور یہ حالت مضارع کی ہے، جیسے: ذرا میں بھی تو سنوں۔ کوئی میرے پاس نہ آئے۔ وہ اپنی بات پر قائم رہے۔

۴۔ ادب اور تعظیم کے لحاظ سے امر کی کئی صورتیں ہیں:

علاوہ معمولی صورت کے ایک یہ ہے جائیو، آئیو۔ مگر یہ صورت معمولی درجے کے

لوگوں یا خدمت گاروں وغیرہ سے گفتگو کرنے میں استعمال کی جاتی ہے۔ البتہ 'ہوجیو'۔ 'رہیو' وغیرہ دعا کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے: 'دولت و اقبال میں ترقی ہوجیو'۔ مگر اس کا استعمال بھی اب کم ہوتا جاتا ہے۔

دوسری صورت ہے آیئے، جایئے، لایئے۔ یہ ادب اور تعظیم کے لیے بڑے لوگوں سے گفتگو کرتے وقت استعمال ہوتی ہے۔

بظاہر یہی صورت بعض اوقات خصوصاً نظم میں مضارع کے لیے استعمال ہوتی ہے، اسے امر نہ سمجھا جائے۔ جیسے: رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو۔

حاضر کے ساتھ غائب کا صیغہ استعمال کرنے سے بھی تعظیم کا پہلو نکلتا ہے جیسے: آپ جائیں۔ آپ فرمائیں۔

۵۔ حالیہٗ ناتمام کے بعد 'رہ' کے آنے سے امر دامی کی صورت پیدا ہوتی ہے، یعنی اس میں فعل کے ہمیشہ جاری رہنے کے معنی ہوتے ہیں۔ جیسے: جیتا رہ۔ کھاتا رہ۔ پھولتا پھلتا رہ۔

۶۔ امر کے بعد کبھی 'نہ' آتا ہے جس میں نفی کے معنی نہیں ہوتے، بلکہ بخلاف اس کے اثبات میں اور تاکید ہوتی ہے۔ آؤ نہ ہم بھی چلیں۔ بیٹھو نہ۔

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ، ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

کبھی 'تو' بھی انھیں تاکیدی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، سنو تو، بیٹھو تو وغیرہ۔

مستقبل

۱۔ مستقبل مطلق میں زمانہ آئندہ کا علم تحقیقی ہوتا ہے یا ایسا سمجھ لیا جاتا ہے، حالاں کہ مضارع میں احتمالی یا شرطی ہوتا ہے اور امر میں امکانی۔

۲۔ 'تمھیں پھر ایسا آدمی نہیں ملے گا'۔ 'جہاں جاؤ گے میں تمھارے ساتھ رہوں گا'۔ یہ مثالیں ایسی ہیں جن میں تحقیقی اور یقینی طور پر ایک امر کا بیان کیا گیا ہے مگر بعض اوقات صرف

ایسا سمجھ لیا جاتا ہے گو حقیقت میں نہ ہو۔ مثلاً: اگر میں نے وعدہ پورا نہ کیا تو لوگ کیا کہیں گے؟ وہ نہ آیا تو بڑی مشکل پڑے گی۔ تم امتحان میں کامیاب نہ ہوئے تو نوکری مشکل سے ملے گی۔

مستقبل کے متعلق باقی حال صَرف میں بیان ہو چکا ہے۔

فعل حال

(ا) حال مطلق۔ اصل میں تو یہ فعل حالات موجودہ کو ظاہر کرتا ہے یا کسی ایسے کام کو جو اس وقت ہو رہا ہے، لیکن ضمناً زمانہ حال کے متعلق دوسرے معانی بھی پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً۔

(۱) عادت یا تکرارِ فعل۔ جیسے: جب وہ آتا ہے یہی شکایت کرتا ہے۔ شام کے کھانے کے بعد وہ روزانہ باغ کی سیر کو جاتا ہے۔ یہ دونوں بھائی ہر جگہ ساتھ آتے اور ساتھ جاتے ہیں۔

(۲) عام امور صداقت جو کبھی باطل نہ ہوں گے یا جن کی نسبت ایسا خیال کیا جاتا ہے۔ جیسے: دو اور دو چار ہوتے ہیں۔ جو خلق اللّٰہ کی خدمت کرتا ہے خدا کے نزدیک بڑا وہی ہوتا ہے۔ ہزار جتن کرو قسمت کا لکھا پورا ہوتا ہے۔

(۳) مستقبل قریب بلکہ اقرب کے لیے۔ جیسے: میں ابھی جاتا ہوں، ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ حال، ناتمام بھی بعض اوقات ان معنوں میں آتا ہے۔ جیسے، میں شہر جا رہا ہوں۔

(۴) زمانہ گزشتہ کے لیے جسے حال حکائی کہتے ہیں۔ جیسے: بابر ہندوستان پر حملہ کرتا اور افغانوں اور راجپوتوں کو شکست دیتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔ میں جو اندر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بے چاری معصوم لڑکی زمین پر پڑی تڑپ رہی ہے۔

(۵) بعض اوقات ایسے فعل کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو زمانہ گزشتہ میں شروع ہوا اور حال میں بھی جاری رہا۔ جیسے: میں چند روز سے دیکھتا ہوں (یا دیکھ رہا ہوں) کہ یہ لوگ اپنا فرض پورے طور پر ادا نہیں کرتے۔

(ب) حال تمام ایسے فعل کے لیے آتا ہے جو بلحاظ زمانۂ حال پورا ہو چکا ہے لیکن بعض اوقات اس کے سوا اور معنی بھی دیتا ہے۔ مثلاً:

(۱) کبھی یہ ایسی جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں فعل تمام نہیں ہوا لیکن محاورے میں حال تمام ہی لکھا اور بولا جاتا ہے۔ جیسے، تم کیسے بے فکر بیٹھے ہو؟

(۲) بعض اوقات ایسے موقع پر جہاں ازروئے قیاس ماضی ہونی چاہیے تھی مثلاً، یہ لوگ کسی زمانے میں بڑے نامور گزرے ہیں، پچھلے زمانے میں وہ بھی اپنا نام کر گیا ہے۔

(۳) بجائے ماضی مطلق۔ جیسے، مجھے کل ہی بادشاہ نے خلعت عطا فرمایا ہے۔

(۴) گزشتہ زمانۂ بعید کے ظاہر کرنے کو۔ جیسے، حدیث میں آیا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے۔ قرآن میں لکھا ہے۔

ماضی

(ا) ماضی مطلق، ایسے فعل کو ظاہر کرتی ہے جو زمانۂ گزشتہ میں بلاتعین وقت ہوا مگر علاوہ اس کے محاورے میں بعض دوسرے مقامات پر بھی استعمال ہوتی ہے۔ مثلاً:

(۱) بعض اوقات حال کے بجائے۔ جیسے، آپ یہاں بہت دنوں تک رہے۔ (یعنی بہت دنوں سے ہیں)

یا حال تمام کے بجائے۔ جیسے، 'آپ بہت دنوں تک بچے رہے' (یعنی بہت دنوں سے بچے ہوئے ہیں)۔ 'اب یہاں تنکا تک نہیں بچا' (نہیں بچا ہے)

(۲) بجائے حال مطلق۔ جیسے، اس شہر میں جو آپ سے نہ ملا اس کا آنا یہاں بے کار ہوا۔ (یعنی جو آپ سے نہیں ملتا اس کا آنا یہاں بے کار ہوتا ہے۔)

(۳) بجائے مستقبل۔ 'وہ آیا اور میں چلا'۔ (جس وقت وہ آئے گا میں چل دوں گا یعنی اس کے آتے ہی چلا جاؤں گا) یا بول چال میں نوکر کو آواز دیتے ہیں 'یہاں آؤ' وہ جواب دیتا ہے 'آیا' یا اس سے کہتے ہیں 'پانی لاؤ' وہ کہتا ہے 'لایا' ان میں مستقبل کے معنی ہیں۔

(ب) ماضی ناتمام، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی خاص زمانہ گزشتہ میں کام جاری تھا۔ اس کا اظہار مختلف صورتوں سے ہوتا ہے:

(۱) وہ کالج میں پڑھتا تھا۔

(۲) وہ کالج میں پڑھ رہا تھا۔

(۳) وہ ایک مدت تک کالج میں پڑھتا رہا۔

(۴) وہ مدت تک کالج میں پڑھا کیا۔

صورت اول فعل جاریہ بلاتعین و بہ تعین وقت ہے۔

صورت دوم، اس وقت استعمال ہوتی ہے جب ہم کسی وقت خاص یا مدت کا ذکر کرتے ہیں، مثلاً جب میں وہاں گیا تو وہ کالج میں پڑھ رہا تھا۔

صورت سوم، ایسی حالت میں استعمال ہوتی ہے جب کہ زیادہ مدت کا اظہار کرنا مقصود ہو یا جب اس کے ساتھ دوسرے فقرے میں اس سے کوئی نتیجہ نکالا جائے۔ مثلاً وہ ایک مدت تک کالج میں پڑھتا رہا، مگر کچھ حاصل نہ کیا۔

صورت چہارم، صورت سوم کے مثل ہے یا بعض اوقات ایسے موقع پر استعمال ہوتی ہے جب کہ دو ایسے فعل متواتر جاری ہوں جن کا باہم تعلق ہے۔ میں کہا کیا اور وہ سنا کیا۔

صورت سوم بھی اسی طرح استعمال ہوتی ہے۔

ماضی ناتمام سے بعض اوقات خاص زمانے میں فعل کا بہ تکرار واقع ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً: جہاں کہیں وہ پہنچتے تھے لوگ اُن کا گرم جوشی سے استقبال کرتے تھے۔

بعض اوقات فعل امدادی حذف بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے: جہاں کہیں وہ جاتے لوگ اُن کا گرم جوشی سے استقبال کرتے۔

(ج) ماضی تمام، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کام کو ختم ہوئے ایک مدت گزر چکی۔ جیسے، میں اس سے ملنے گیا تھا۔

کبھی ماضی تمام ایک فعل گزشتہ کے فعل ماقبل کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے۔ جیسے، وہ اس وقت آیا جب کہ میں کھانا کھا چکا تھا۔

افعال احتمالی و شرطیہ

حال احتمالی

اس سے پہلے حصۂ صرف میں حال احتمالی کی دو صورتیں بتائی گئی ہیں۔ یعنی 'آتا ہوگا' یا 'آرہا ہوگا'۔ ان دونوں کے مفہوم میں جو فرق ہے وہ بھی بیان ہو چکا ہے۔ یعنی گمان غالب ہے یا اغلب ہے کہ وہ آتا ہو۔ لیکن ایک صورت ان کے علاوہ حال احتمالی کی اور ہے جس میں 'گا' آخر میں نہیں ہوتا۔ یعنی وہ آتا ہو۔ یہ صرف امکانی احتمالی صورت ہوتی ہے اور اغلبیت کا خیال مطلق نہیں ہوتا مثلاً، 'شاید وہ ایسا سمجھتا ہو'۔ 'ممکن ہے کہ صبح کو وہ گھر سے نہ نکلتا ہو'۔ 'وہاں لے چلو جہاں وہ سوتے ہوں'۔ اسی طرح دوسری حالت بھی بغیر 'گا' کے استعمال ہوتی ہے جیسے: شاید وہ آرہا ہو۔ اس کھیت میں شاید اُسی کے مویشی چر رہے ہوں۔

حال احتمالی کی یہ آخری صورت ایسے مواقع پر تشبیہ کے لیے استعمال ہوتی ہے کہ جہاں واقعی اور حقیقی حالت نہ ہو بلکہ فرضی ہو۔ جیسے: وہ اس طرح سے چلا آرہا ہے جیسے کوئی بجار آتا ہو۔ درختوں پر سے آم ایسے پٹ پٹ گر رہے ہیں، جیسے اولے برس رہے ہوں۔

بعض اوقات حال احتمالی ماضی کے معنی بھی دیتا ہے۔ مثلاً، کسی سے پوچھیں کہ تم نے اُسے کبھی ایسا کرتے دیکھا تو جواب دے کہ 'کرتا ہوگا'، مگر اس سے احتمال کے ساتھ ہمیشہ زمانۂ گزشتہ کی عادت کا اظہار ہوتا ہے۔

حال شرطیہ

حال شرطیہ درحقیقت مضارع ہے لیکن مضارع میں اور حال شرطیہ میں فرق ہوتا ہے۔

یہ فرق پہلے بیان بھی ہو چکا ہے۔ یعنی مضارع سے امکانی حالت معلوم ہوتی ہے اور حال سے واقعی، جیسے:-

ا۔ مینہ برسے تو کھیت پنپے (مضارع)

مینہ برستا ہے تو کھیت پنپتا ہے (حال)

۲۔ اگر وہ آئے تو آنے دو (مضارع)

اگر وہ آتا ہے تو آنے دو (حال)

دوسری مثال میں بھی مضارع سے وہی امکانی حالت معلوم ہوتی ہے۔ مگر حال سے فاعل کی آمادگی ظاہر ہوتی ہے۔

ماضی احتمالی

(۱) اس میں احتمال پایا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی فعل کی تکمیل کے متعلق گمان غالب ہوتا ہے۔ جیسے، آپ نے خبر سنی ہوگی۔ اب تو اس نے کھانا کھالیا ہوگا۔

(۲) بعض اوقات اس سے تشویش بھی پائی جاتی ہے، مثلاً: اتنی رات گئے جو سوار آیا ہے تو نہ معلوم کیا خبر لایا ہوگا۔

(۳) بعض اوقات علامت آخر 'گا' حذف ہو جاتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی معنوں میں بھی فرق ہو جاتا ہے۔ عموماً ذیل کے معنی ظاہر ہوتے ہیں:

(ا) شرطیہ جملوں میں شرط میں واقعیت نہیں ہوتی بلکہ فرضی صورت ہوتی ہے۔ جیسے، اگر اس نے کوئی ایسی حرکت کی ہو۔

(ب) امکان۔ جیسے، ان لڑکوں میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے امتحان دیا ہو اور کامیاب نہ ہوا ہو۔

(ج) شک۔ جیسے، شاید اس نے یوں ہی کہہ دیا ہو۔ ممکن ہے اس نے دل لگی کی ہو۔

(د) تشبیہ کے لیے۔ جیسے، وہ اس سے ایسا جلتا ہے جیسے اس نے اس کا باپ مارا ہو۔

(ہ) آزادی۔ جو کچھ بھی اس نے کہا ہو اور جو کچھ بھی اس نے کیا ہو سب معاف ہے۔

ماضی شرطیہ

(ا) اس سے شرط کے ساتھ ایک ایسے فعل کا اظہار ہوتا ہے جو وقوع میں نہیں آیا۔ جیسے: 'اگر تم اس سے اس کا ذکر کر دیتے تو یہ نوبت نہ آتی'۔ علاوہ اس کے اس سے اور بھی چند معنی پیدا ہوتے ہیں۔

(۲) اکثر اس سے زمانہ گزشتہ میں فعل کا بالمرّہ واقع ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے، جہاں کہیں وہ بیٹھتا مجلس کو گلزار کر دیتا۔ جب کبھی وہ ملنے آتا اپنا دکھڑا ضرور روتا۔

(۳) اس ماضی میں عموماً دو جملے ہوتے ہیں، ایک شرط دوسرا اجزا۔ جزا یہ بتاتی ہے کہ اگر شرط پوری ہو جاتی تو کیا ہوتا۔ جیسے: اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں یہاں کبھی نہ آتا۔ اگر وہ وقت پر نہ پہنچ جائے تو ایک بھی نہ بچتا۔ اگر میں یہاں ہوتا تو اس کی مجال تھی کہ وہ ایسا کرتا۔

کبھی مفرد جملے میں بلاشرط کے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، میں اسے کیوں نہ پیار کرتا۔ وہ اس سے کیوں نہ ملتا۔

(۴) بعض اوقات آرزو کے اظہار کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، کاش وہ آج میرے ساتھ ہوتا۔

ایسے جملوں میں جملۂ آرزو کو جو محذوف ہوتا ہے شرط کی جزا سمجھنا چاہیے یعنی 'تو کیا اچھا ہوتا'۔

(۵) اس فعل سے عموماً تمنا بھی ظاہر ہوتی ہے اور اسی لیے بعض قواعد نویسوں نے اسے ماضی تمنائی بھی لکھا ہے۔ جیسے، میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں ورنہ تمھاری کچھ خدمت کرتا۔ وہ آجاتا تو میں بھی اس سے مل لیتا۔

(۶) ایک صورت اور اس ماضی کی ہے۔ جیسے، 'اگر میں وہاں نہ گیا ہوتا تو اچھا ہوتا'۔ یہاں 'جاتا' کی بجائے 'گیا ہوتا' استعمال ہوا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں فعل ختم ہو چکا

ہے، باقی شرطیہ صورت وہی ہے لیکن ایک ایسے واقعے کا اظہار ہے جس کا ہونا گزشتہ زمانے میں ممکن تھا لیکن وقوع میں نہ آیا اور یہ حالت ماضی شرطیہ کی دوسری صورتوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن جب تکمیل فعل (فرضی) کی اہمیت کا زیادہ خیال ہو تو آخری صورت استعمال کی جاتی ہے۔

افعال مجہول

طور مجہول اُس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کہ فاعل نامعلوم ہو یا خاص طور پر اس کا ذکر نہ کیا جائے۔

اگرچہ یہ اکثر فعل متعدی سے مخصوص ہے مگر بعض اوقات یہ صورت فعل لازم کے ساتھ بھی آتی ہے۔ مثلاً: اس سے جا کر آیا نہ گیا، مجھ سے چلا نہیں جاتا۔ طور متعدی کے ساتھ یہ صورت عام طور پر مستعمل ہے۔

'خط مرا پھینک دیا یہ کہہ کر
ہم سے دفتر نہیں دیکھا جاتا'

ان مثالوں میں 'جانا' کے معنی 'سکنا' کے ہیں۔ اگرچہ اوپر کے جملوں میں فعل کی صورت طور مجہول کی سی ہے مگر وہ درحقیقت طور لازم میں ہیں۔ یہ استعمال ہمیشہ نفی کی حالت میں ہوتا ہے۔

یہاں 'جانا' طور معروف میں بطور فعل امدادی کے آیا ہے۔ اس میں اور طور مجہول میں فرق کرنا ضرور ہے۔ اس کی تشریح ہم پہلے کر چکے ہیں۔

اس موقع پر یہ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ افعال مجہول کی نفی 'نہیں' اور 'نہ' دونوں کے ساتھ آتی ہے اور نفی افعال کے متعلق جو قواعد ہم پہلے بیان کر چکے ہیں وہی اس پر بھی عائد ہوتے ہیں۔ لیکن حرف نفی فعل کی ابتدا یا اصل فعل اور امدادی فعل 'جانا' کے درمیان دونوں طرح آتا ہے۔ جیسے: وہ آج نہیں نکالا جائے گا۔ وہ آج نکالا نہیں جائے گا۔ وہ نہیں پکڑا گیا۔ وہ

پکڑا نہیں گیا۔

تعدیہ افعال

تعدیہ افعال کی مفصل بحث حصہ صرف میں ہو چکی ہے۔ یہاں کسی امر کے خاص طور پر بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

افعال مرکب

افعال امدادی میں چند امور خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہیں:

ا۔ افعال مرکب تاکیدی میں جب امدادی فعل لازم اور خواہ اصل فعل متعدی کیوں نہ ہو، مرکب فعل کی صورت زمانۂ ناتمام میں لازم کی سی ہوگی اور فاعل کے ساتھ 'نے' استعمال نہ ہوگا جیسے، اس نے مٹھائی کھائی۔ لیکن، 'وہ مٹھائی کھا گیا یا کھا چکا'۔ یہاں 'گیا' اور 'چکا' افعال امدادی لازم ہیں، اس لیے باوجودے کہ اصل فعل متعدی ہے مگر فاعل کے ساتھ 'نے' استعمال نہیں ہوا۔

لیکن جہاں فعل امدادی متعدی ہے وہاں 'نے' برابر استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، اس نے پرندے کو مار ڈالا۔

لیکن لینا، دینا کی حالت مستثنیٰ ہے یعنی جب یہ فعل متعدی کے ساتھ آتے ہیں تو 'نے' استعمال ہوتا ہے اور جب لازم کے ساتھ آتے ہیں تو 'نے' نہیں آتا اور صورت لازم کی ہوتی ہے۔ جیسے، وہ میرے ساتھ ہولیا۔ وہ چل دیا۔ میں نے کھانا کھالیا۔ اس نے بات سن لی۔ وہ نہیں دکھائی دیا (اس مرکب فعل میں اگرچہ دونوں جز متعدی ہیں مگر مرکب حالت میں لازم ہیں) اسی طرح، آواز سنائی دی۔

۲۔ 'سکنا' الگ استعمال نہیں ہوتا۔ ہمیشہ کسی دوسرے فعل کے ساتھ آتا ہے۔ 'چکنا' البتہ الگ بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، 'میرا جھگڑا چک گیا'۔ اس کا متعدی 'چکانا' ہے۔ جیسے،

جھگڑا یا قرض چکا دیا۔

۳۔ 'چاہیے' اکثر افعال کے ساتھ فرض وواجبیت کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے، اُسے وہاں جانا چاہیے۔ تمھیں یہ کتاب پڑھنی چاہیے۔ بعض اوقات بجائے مصدر کے حالیہ تمام کے (جو ماضی مطلق کی صورت میں ہوتا ہے) ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے:

میر نہیں پیر تم کاہلی اللہ رے
نام خدا ہو جواں کچھ تو کیا چاہیے

یہ استعمال قدیم ہے، جواب کم ہوتا جاتا ہے اور اس کی جگہ مصدر نے لے لی ہے۔

۴۔ بعض امدادی افعال آخر میں آنے کے بجائے اصل فعل کی ابتدا میں آتے ہیں۔ جیسے، دے مارا۔ دے پٹکا۔ یہاں تانیث وتذکیر کا اثر اصل فعل پر ہوگا۔ 'میں نے کتاب دے پٹکی'، 'اس نے گھڑا دے پٹکا'۔ اسی طرح 'آ' اور 'جا' بھی ابتدا میں آتے ہیں جیسے: آ پہنچا، جا پہنچا، جالیا، آلیا۔ نیز 'لے' کا استعمال بھی اسی طرح ہوتا ہے۔ جیسے، لے بھاگا۔ لے دوڑا۔

۵۔ مرکب افعال کا باقی ذکر صرف میں مفصل ہو چکا ہے۔ البتہ اُن مرکب افعال کے متعلق جو اسما وصفات وغیرہ کی ترکیب سے بنتے ہیں، یاد رکھنا چاہیے کہ ان اسما وصفات کا اثر فعل کی تذکیر وتانیث پر کچھ نہیں پڑتا، مثلاً: وہ میرے کام کو برا کہتی ہے، وہ میرے کام کو برا کہتا ہے، وہ اس حرکت سے باز رہا، وہ اس حرکت سے باز رہی، اس نے فوج کا شمار کیا، اس نے تسبیح کے دانے شمار کیے، اس نے کرسیاں شمار کیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ قاعدہ صرف اِنھیں اسما کے ساتھ برتا جائے گا جو جزوِ فعل ہو کر مفرد فعل کا کام دیتے ہیں جیسے، شمار کرنا، یاد کرنا، شروع کرنا، ختم کرنا وغیرہ۔ مگر جہاں ایسے اسم، مفعول واقع ہوتے ہیں تو فعل جنس وتعداد میں ان کے مطابق ہوتا ہے۔ مثلاً: دلاسا دیا، تسلّی دی، اطلاع دی وغیرہ میں اسم کا اثر برابر فعل پر پڑتا ہے؛ البتہ صفات کا اثر ہرگز فعل پر نہیں پڑتا کیوں کہ وہ تمیز کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔

ہندی مرکب افعال کا بھی یہی حال ہے۔ مثلاً 'نام دھرنا' میں نام کا اثر فعل پر نہیں پڑے گا، مثلاً: وہ میرے کام پر نام دھرتا ہے۔ وہ میرے کام پر نام دھرتی ہے۔ اس نے فضول میری راہ دیکھی۔ اس نے فضول میرا رستہ دیکھا۔ یہاں اسم کا اثر فعل پر ہوا کیوں کہ یہاں اسم مفعول واقع ہوا ہے۔ مگر نام دھرنا، اُدھار دینا یا لینا، ہاتھ آنا، ہاتھ لگنا وغیرہ میں اسم جز فعل ہے اور اس کا کوئی اثر فعل پر نہیں پڑتا۔

مرکب افعال میں انھیں اسما کا اثر فعل پر نہیں پڑتا جو اول تو جز و فعل ہو گئے ہیں، دوسرے جب کہ یہ اسم خود مفعول واقع نہ ہوئے ہوں۔

۶۔ افعال مرکب کے متعلق ایک امر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اکثر اوقات یہ بغرض تعظیم و ادب استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً 'اس نے کہا'۔ اس سے زیادہ تعظیم مقصود ہوئی تو کہیں گے، 'اُنھوں نے فرمایا' اور اس سے بھی بڑھ کر، 'ارشاد فرمایا' یا وہ آئے اور وہ تشریف لائے۔

بعض اوقات متانت و ثقاہت کے لیے مرکب فعل استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً پوچھنے کی جگہ دریافت کیا یا استفسار کیا۔ مانگنے کی جگہ طلب کیا۔ اسی طرح تناول فرمانا، نوش فرمانا، فراموش کرنا، ایسی صورتوں میں عربی اور فارسی الفاظ ہندی کے سادہ مصادر کے ساتھ آتے ہیں۔

تمیز

صَرف میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ بعض الفاظ تمیز حروفِ ربط سے مل کر مرکب صورت میں آتے ہیں۔ مثلاً کب سے، جب سے، اب تک، جب تک، کہاں تک، جہاں تک، وغیرہ۔ اسی طرح تاکیدی صورتوں کے ساتھ بھی یہ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، یہیں سے، کہیں سے، وغیرہ۔ لیکن بعض اوقات تمیز زمانی و مکانی حرفِ اضافت کے ساتھ مل کر صفت کا کام دیتی ہے۔ جیسے، اب کے سال، کس کا روزہ، کہاں کی نماز، وہ کہاں کا باشندہ ہے، وہ ایسا کہاں کا امیر ہے۔

۱۔ 'کہاں' علاوہ استفہام کے جب ایک جملے میں بہ تکرار الگ الگ فقروں کے ساتھ آتا ہے تو اس سے تعجب یا فرق عظیم ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے: کہاں وہ، کہاں میں؛ کہاں ذرّہ، کہاں آفتاب؛ کہاں راجا بھوج، کہاں گنگا تیلی۔

'کہاں کہاں' جب ایک ہی ساتھ آتے ہیں تو اس کے معنی جگہ جگہ اور کس کس جگہ کے ہوتے ہیں جیسے،

اذان دی کعبے میں، ناقوس دیر میں پھونکا
کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا

کہاں کہاں گیا اور کیا کیا دیکھا ایک طویل داستان ہے۔
(سنسکرت میں اسی طرح کوا کوا مستعمل ہے)

'جہاں تہاں'۔ ہر جگہ، جگہ جگہ، ہر کہیں کے معنوں میں۔ جیسے، جہاں تہاں یہی رونا ہے۔

۲۔ 'کہیں' کے معنی کسی جگہ کے ہیں، لیکن بعض اوقات محاورے میں اظہارِ رشک، احتمال یا اندیشے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے: کہیں وہی نہ ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہیں اُس نے راز ظاہر نہ کر دیا ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ چلا جائے۔ کہیں وہ آ گیا تو غضب ہو جائے گا۔

کبھی یہ صفات کے ساتھ آتا ہے اور صفاتی معنوں کے بڑھانے کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ جیسے: وہ اس سے کہیں بڑا ہے۔ یہ درخت اس سے کہیں اونچا ہے۔

'کہیں کہیں' کسی کسی جگہ کے معنوں میں آتا ہے۔ بعض اوقات اس میں حرفِ نفی 'نہ' بھی داخل ہوتا ہے، لیکن اس سے نفی مقصود نہیں ہوتی، بلکہ اس سے اثبات میں زیادہ زور پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے، 'کہیں نہ کہیں ضرور مل جائے گا'۔ یعنی کسی نہ کسی جگہ۔ ان دونوں کے معنوں میں تھوڑا سا فرق ہے۔ 'کہیں کہیں' کے معنی ہیں کسی کسی جگہ یعنی بہت کم۔ مثلاً کوئی کہے "اس ملک میں اکثر پھرا، نیم کا درخت کہیں کہیں نظر آتا ہے۔" یا کوئی کہے "میں اس ملک کے اکثر مقامات میں پھرا مگر نیم کا درخت کہیں نظر نہ آیا۔" دوسرا اس کے جواب میں کہے "ایسا تو نہیں کہ کہیں نہ ہو، آپ کو کہیں نہ کہیں ضرور نظر آئے گا" صورت منفی میں زیادہ زور ہوتا ہے جیسے،

"درد رہ جائے گا کہیں نہ کہیں"

۳۔ 'جہاں جہاں'، جس جس جگہ کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے، جہاں جہاں گیا یہی افتاد پڑی۔

۴۔ 'اِدھر اُدھر'، ایک ساتھ مل کر بھی آتے ہیں اور بالمقابل الگ الگ فقروں میں بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے، کیوں اِدھر اُدھر پھر رہے ہو۔ اِدھر یہ چلّا رہا ہے اُدھر وہ کھڑا رو رہا ہے۔

۵۔ یوں۔ جیسے، یوں کہو۔ یوں تو یہ بھی بُرا نہیں۔

کہتے تھے کہ یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا
سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

یہاں، اس طرح، کے معنی ہیں۔ لیکن کبھی ویسے، اس خیال یا اس لحاظ کے معنوں میں آتا ہے (مگر تو کے ساتھ) جیسے،

یوں تو مجنوں کے بھی چچا ہیں ہم (میر)

یوں تو ہر شخص اپنی رائے کا مختار ہے۔

کبھی یہ کے معنوں میں جیسے،

''یوں کیوں نہیں کہتے کہ مجھے جانا ہی منظور نہیں''

۶۔ پرے، سمت کے ساتھ فاصلے کو بھی بتاتا ہے۔ جیسے، وہ کھیت اُس سے پرے ہے۔

پرے جا یا پرے ہٹ کے معنی 'دُور ہو' کے ہیں۔

اہلِ لکھنؤ اس لفظ کو استعمال نہیں کرتے بلکہ ناپسند کرتے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ان معنوں میں کوئی دوسرا لفظ بھی نہیں۔ اُن کی طرف سے اُدھر کا لفظ پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن اہلِ ذوق جانتے ہیں کہ اُدھر اور پرے میں بہت فرق ہے۔ ورے قریب کے لیے انھیں معنوں میں مستعمل ہے۔

۷۔ 'ویسے'، قریب قریب یوں کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے، ویسے تو یہ بھی اچھا ہے (یعنی معمولی حالت میں)

کیسا، کیسی، کیسے۔ کبھی تعجب کے اظہار کے لیے 'کس قدر' کے معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے: 'بادل آسمان پر کیسے دوڑے پھرتے ہیں'، 'کیسی تلملائی ہوئی پھر رہی ہے' اور کبھی 'کیوں کر' کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ جیسے: پہاڑ سی رات کیسے کٹے گی۔ یہاں کیسے آنا ہوا۔

'اتنا'، 'میں' کے ساتھ مل کر تمیز زماں کا کام دیتا ہے۔ جیسے، 'اتنے میں وہ آ گیا'۔ بعض اوقات قیمت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، 'یہ چیز اتنے میں آئے گی'۔

۸۔ 'ہی'۔ تاکید اور حصر کے لیے آتا ہے۔ جیسے: یہ تو ہے ہی، مگر تلاش اس سے اچھی کی ہے۔ وہ جاتا ہی نہ تھا، بڑی مشکل سے بھیجا ہے۔ میں تو آ ہی چکا تھا، بلانے کی

ضرورت نہ تھی۔ وہ جانتا ہی نہیں۔ وہ اس کے دم میں آ ہی گیا۔

۹۔ 'سہی' (اس کی اصل 'صحیح' بتائی جاتی ہے اور قدیم اُردو میں اس لفظ کو 'صحیح' ہی لکھتے تھے) جیسے، سن تو سہی، کہہ تو سہی۔ اکثر 'تو' کے ساتھ مل کر آتا ہے۔

بعض اوقات اپنے اصل معنوں کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جیسے،

جھڑکی سہی ادا سہی چین جبیں سہی
سب کچھ سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی

کبھی دھمکی کے معنی دیتا ہے۔ جیسے آؤ تو سہی۔ کھاؤ تو سہی (ان معنوں میں ہمیشہ تو کے ساتھ آتا ہے۔) کبھی آمادگی ظاہر کرتا ہے۔ جیسے، 'تم جاؤ تو سہی پھر دیکھا جائے گا'۔ کبھی استغنا ظاہر کرتا ہے۔ لیکن حرف نفی کے ساتھ۔

نہ ستایش کی تمنا نہ صلے کی پروا
نہ سہی گر مرے اشعار میں معنی نہ سہی

۱۰۔ 'تو' بھی تمیز کے لیے آتا ہے۔ جیسے، دیکھوں تو۔ بیٹھو تو۔

۱۱۔ 'کہ' بعض اوقات محاورے میں ایسے موقع پر بولتے ہیں جب کہ ایک فعل کے وقوع میں آنے سے پہلے کوئی دوسرا فعل واقع ہو۔ جیسے، 'میں آواز دینے ہی کو تھا کہ وہ آ گیا'۔ 'وہ بولنے ہی کو تھا کہ میں نے روک دیا'۔ ان جملوں میں 'کہ' تمیز زماں ہے اور 'جب' یا 'اتنے میں' کے معنی دیتا ہے۔

۱۲۔ 'بھی' کبھی ذرا اور، تھوڑا اور، کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے، ٹھیرو بھی چلے جانا۔
کبھی رفعِ تامل کے لیے۔ جیسے، کھا بھی لو۔ لکھ بھی دو۔
کبھی اظہارِ اضطراب کے لیے۔ جیسے، چلو بھی (یعنی بہت بیٹھے اب جلد چلو۔)
اشتراک کے لیے۔ وہ بھی آئے تم بھی آؤ۔

یہ بھی جاری ہے وہ بھی جاری ہے (داغ)
رہا ہوں رند بھی اے شیخ پارسا بھی میں (حالی)

۱۳۔ خیر (’سے‘ کے ساتھ) اچھی حالت کے ظاہر کرنے کے لیے۔ جیسے، خیر سے ہیں یا خیر سے پہنچ گئے۔

کبھی طنزاً۔ جیسے، خیر سے آپ ملک کے بڑے ہمدرد اور بہی خواہ ہیں۔

اکثر ’خیر‘ کا لفظ ابتدائے کلام میں آتا ہے جس سے مقصود گفتگو ختم کرنے کا ہوتا ہے، یا ایک مضمون سے اعراض کر کے دوسرے کے شروع کرنے کا منشا ہوتا ہے۔ جیسے، خیر یہ تو سب کچھ ہوا اب ارادہ کیا ہے۔ خیر اب تشریف لے جائیے پھر دیکھا جائے گا۔

کبھی استغنا کے معنی ظاہر کرتا ہے۔ جیسے، خیر کیا مضائقہ ہے۔

کبھی ’اچھا‘، یا ’بہتر‘ کی بجائے، جیسے: خیر یوں ہی سہی۔ کبھی دھمکی کے لیے۔ جیسے، خیر دیکھا جائے گا۔

۱۴۔ ’اچھا‘، خیر کے تیسرے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے، اچھا یہ تو کہو تم آؤ گے کب۔ اچھا اب چلتے ہو یا نہیں۔

استدرا کی معنوں میں۔ جیسے، اچھا تو تم خواہ مخواہ اس کے پیچھے کیوں پڑے ہو۔

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا
غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے

کبھی اظہارِ تعجب کے لیے، خصوصاً جب کسی ایسے امر کی اطلاع ہو جو خلاف توقع ہے۔ ’اچھا یہ بات ہے‘۔ ’اچھا تو یہ معاملہ یوں تھا‘۔

مخاطب کے جواب میں کسی امر سے اتفاق ظاہر کرنے یا حکم کی تعمیل کے لیے۔ جیسے، اچھا جاتا ہوں۔ اچھا ابھی حاضر ہوا۔

جملے کی ابتدا میں محض تزئین کلام کے لیے۔ جیسے، اچھا یہ تو کہو تمھارے والد کب تک یہاں ٹھیریں گے۔

دھمکی کے لیے۔ جیسے، اچھا سمجھوں گا۔

۱۵۔ 'بھلا'، جملے کی ابتدا میں محض حسنِ کلام کے لیے آتا ہے۔ جیسے، 'بھلا اس کی کس کو خبر تھی'۔ 'بھلا یہ کیوں کر ممکن تھا'۔ 'اچھا' کے معنوں میں۔ جیسے،

بھلا ہوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں (میرؔ)

'کو' کے ساتھ محاورے میں 'اچھا ہوا خیر سے' کے معنوں میں جیسے' بھلے کو وہ وہاں موجود تھے۔

میخانے کے قریب تھی مسجد بھلے کو داغؔ

ہر ایک پوچھتا تھا کہ حضرت ادھر کہاں

(داغؔ)

۱۶۔ بارے، مگر یا لیکن کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے، یہ سب کچھ سہی بارے اُسے کیا جواب دو گے۔

لیکن تمیز کی حالت میں اس کے معنی 'آخر' یا 'بہرحال' کے ہوتے ہیں۔ جیسے' بارے وہ تمھارے کہنے سے مان تو گیا۔ بارے گرتے پڑتے کچھ ہو تو گیا۔

بارے دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو

ایسا کچھ کر کے چلو یہاں کے بہت یاد رہو

(میرؔ)

مگر یہ استعمال کم ہوتا جاتا ہے۔

۱۷۔ 'کیوں'، برائے استفہام۔ جیسے، تم وہاں کیوں گئے؟

کبھی محض اظہار سبب کے لیے۔ یعنی کس لیے، کے معنی میں۔ جیسے، میں وہاں کیوں جاؤں جسے ضرورت ہوگی آپ آجائے گا۔

فعل 'نہ ہو' کے ساتھ کئی طرح استعمال ہوتا ہے:

(۱) کبھی مخاطب کے کلام کی تائید کے لیے۔ جیسے، کیوں نہ ہو، جب آپ جیسے قدردان ملک کے ہوں۔

(۲) کبھی طنزاً بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، کیوں نہ ہو آپ ہی تو خاندان کے چراغ ہیں۔

(۳) کبھی محض زور دینے کے لیے۔ جیسے،

ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

کیسی ہی مشکل کتاب کیوں نہ ہو وہ فرفر پڑھتا چلا جاتا ہے (یہ صورتِ منفی، تاکید اثبات کے لیے استعمال ہوتی ہے۔)

۱۸۔ 'مقرر'، پہلے اکثر لکھا اور بولا جاتا تھا، اب صرف نظم میں رہ گیا ہے۔ اس کے معنی ضرور کے ہوتے ہیں۔ جیسے،

آٹھوں کے میلے مقرر چلو (میر انشاء اللّٰہ خاں)

مسخرہ بن کے بھی آئے گا مقرر کوئی (شبلی)

۱۹۔ 'بلا سے'، یہ فقرہ عموماً اظہارِ بے پروائی کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں ''ہماری طرف سے کچھ بھی ہو جائے''۔

دنیا میں بادشاہ ہو کوئی یا وزیر ہو

اپنی بلا سے بیٹھ رہے جب فقیر ہو

(اس صورت میں ضمیر کی اضافی حالت کے ساتھ آتا ہے۔)

کبھی اس کے معنی 'کم سے کم' کے بھی ہوتے ہیں۔ جیسے: بلا سے یہی ہو جائے (یعنی کم سے کم یا اور کچھ نہیں تو یہی ہو جائے۔)

۲۰۔ 'آگے'، مکان کے لیے جیسے، آگے آؤ۔ زمان کے لیے بہ معنی زمانۂ گزشتہ۔ جیسے،

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی

اب کسی بات پر نہیں آتی

بہ معنی زمانۂ مستقبل۔ آگے حال خدا جانے:

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا

آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

(میر)

۲۱۔ 'ہو نہ ہو'، تاکید کے لیے استعمال ہوتا ہے، جس کے معنی ضرور کے ہوتے ہیں۔ جیسے،

ہو نہ ہو یہ تو وہی معلوم ہوتا ہے۔

۲۲۔ بعض اوقات حالیہ معطوفہ بھی تمیز کا کام دیتا ہے۔ جیسے،

وہ کِھل کِھلا کر ہنس پڑا۔ وہ زندہ کھود کے نکالا گیا۔

نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہہ دو

کہ آتی ہے اُردو زباں آتے آتے

جو مجرے میں بیٹھو تو اُٹھو نہ جب تک

کہ اُٹھ جائیں ساتھی سب ایک ایک کرکے

۲۳۔ بعض اوقات اسم بھی تمیز فعل کا کام دیتا ہے مگر ایسی صورت میں یہ عموماً جمع میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے: اس موسم میں اناج انگلوں بڑھتا ہے۔ وہ گھٹنیوں چلتا ہے۔ خوشی کے مارے اس کا دل بانسوں اچھلنے لگا۔

۲۴۔ اسی طرح صفت بھی بعض اوقات تمیز کا کام دیتی ہے جس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ جیسے: اُن کی بھلی کہی۔ وہ شعر خوب کہتا ہے۔ میں نے بہت سمجھایا۔

۲۵۔ اس کے علاوہ ہندی، فارسی، عربی کے چھوٹے چھوٹے فقرے جو حروف کے ساتھ دو دو تین تین الفاظ سے مل کر بنتے ہیں، تمیز کا کام دیتے ہیں۔ جیسے: کم سے کم، زیادہ سے زیادہ، تاامکان، حتی الوسع، بیٹھے بٹھائے، رفتہ رفتہ، جوں کا توں، ہو بہو، وغیرہ وغیرہ۔

حروف

حروفِ ربط

حروفِ ربط میں سے حروفِ اضافت، حروف فاعل ومفعول کا ذکر مفصل اپنی اپنی جگہ پر کردیا گیا ہے نیز ہندی حروف کے ماخذ واصل سے بھی بحث ہوچکی ہے۔ اب یہاں بعض حروفِ ربط کا صرف استعمال بتایا جائے گا۔

حروفِ ربط (جار) مفصلہ ذیل اسما کے بعد آتے ہیں:

۱۔ اسم کے بعد جیسے احمد سے کہو۔

۲۔ صفت کے بعد (جب بطور اسم مستعمل ہو) جیسے بد سے بچو، نیک سے ملو۔

۳۔ ضمیر کے بعد۔ اس سے کہو۔

۴۔ فعل کے بعد۔ اس کے سننے میں فرق ہے۔

۵۔ تمیز کے بعد۔ آہستہ سے نکل جاؤ۔

”میں“

ظرفِ مکان کے ساتھ۔ جیسے،

عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں۔

وہ مجھے گلی میں ملا۔

جو دل میں ہے وہ زباں پر نہیں۔

ح خالی جیم کے پیٹ میں ایک نقطہ۔

منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت۔

مرد ہو تو میدان میں آؤ۔

سر پر ٹوپی نہ پاؤں میں جوتا۔

شیشے میں پری اتر آئی۔

ظرفِ زمان کے ساتھ۔ جیسے،

آٹھ میں پانچ منٹ باقی ہیں۔
دیر میں آنے سے نہ آنا اچھا۔
سیر کا مزا چاندنی رات میں ہے۔
سال میں ایک بار ہفتے میں چار بار۔
آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے۔
گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ۔
حالت یا کیفیت، طور یا طریقے کے لیے جیسے،

وہ غصے میں ہے۔ رنج میں یا خوشی میں ہے۔ وہ مارے خوشی کے آپے میں نہیں سماتا۔ ہوش میں آؤ۔ اللہ کے نام میں برکت ہے۔ حرکت میں برکت۔ بتیس دانتوں میں ایک زبان۔ نام میں کیا دھرا ہے۔ بات میں بات پیدا کرتا ہے۔ دم میں آ گیا۔ اُس کی زبان میں اثر ہے۔ ہاتھ میں شفا ہے۔ دل میں کھوٹ ہے۔

اظہار نسبت کے لیے۔ جیسے، عمر میں بڑا۔ اپنی گلی میں کتا بھی شیر ہے۔

مقابلے کے لیے۔ جیسے، مجھ میں اس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لاکھ میں ایک ہے۔ آدمی آدمی میں کیا فرق ہے۔

وزن کے لیے۔ جیسے، تول میں کم ہے۔ سیر میں چار چڑھتے ہیں۔

تعداد کے ساتھ۔ جیسے، دس آدمیوں میں تقسیم کرو۔ سو میں کہہ دوں، لاکھ میں کہہ دوں۔
بیس میں کیسے گزر ہوگا۔ تین میں نہ تیرہ میں۔ ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں۔
تمیز کے لیے (کسی دوسرے اسم سے مل کر)۔ جیسے: حقیقت میں، آخر میں، باتوں باتوں میں، ہنسی میں، خوشی میں وغیرہ۔

"سے"

کسی شے کی ابتدا یا ماخذ کو ظاہر کرتا ہے۔ کبھی ابتدا بہ لحاظ مکان۔ جیسے: سر سے پاؤں تک۔ بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینا۔ اِس سرے سے اُس سرے تک۔ زمین سے آسمان تک۔ کہاں سے کہاں تک۔

بہ لحاظ زمان۔ جیسے: چھے بجے سے بیٹھا ہوں۔ صبح سے انتظار کر رہا ہوں۔ کل سے یہی عالم ہے۔ برسوں سے اسی مخمصے میں گرفتار ہوں۔ مدت سے، قدیم سے وغیرہ۔

بہ لحاظ تعداد کے: چھے سے سات تک۔

ماخذ یا اصل۔ جیسے: وہ عالی خاندان سے ہے۔ یہ کہاں سے آیا ہے۔ زمین سے نکلا ہے۔ عین کی آواز حلق سے نکلتی ہے۔

نسبت یا علاقہ۔ جیسے: مجھے کام سے کام ہے۔ اس سے مجھے کیا تعلق۔ اسے پڑھنے سے نفرت ہے۔ آنکھوں سے اندھا، کانوں سے بہرا۔ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔

مقابلہ جیسے: وہ اس سے کہیں بہتر ہے۔ سخی سے شوم بھلا۔

استعانت۔ جیسے: تلوار سے فتح کیا۔ قلم سے لکھا۔ ڈنڈے سے خبر لی۔ شاہ صاحب کی دعا سے اچھا ہوگیا۔

انحراف۔ جیسے: قول سے، بات سے، وعدے سے پھر گیا۔ راستے سے لوٹ گیا۔

علاحدگی یا جدائی۔

جیسے: وہ نوکری سے الگ ہوگیا۔ کام سے گھبراتا ہے۔ شہر سے نکل گیا۔ کام سے جی چراتا ہے۔ دل سے اُتر گیا۔

تمیز (کسی دوسرے اسم سے مل کر) جیسے: خبر سے، شوق سے، دل سے وغیرہ۔

(ف) بعض جملوں میں 'سے' اور 'کے' کے استعمال سے بیّن فرق پیدا ہو جاتا ہے، لہٰذا اس موقع پر اس کا فرق بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً: 'کمرے کے باہر' اور 'کمرے سے باہر' میں فرق ہے۔ 'کمرے کے باہر' کے معنی ہیں کمرے کے باہر کی طرف؛ اور 'کمرے سے باہر' یعنی کمرے کے اندر نہ ہونا۔ جیسے: کمرے کے باہر بیٹھو۔ کمرے سے باہر جاؤ۔

اسی طرح، 'کس لیے' اور 'کس کے لیے' میں فرق ہے۔ 'کس لیے' کے معنی ہیں کیوں یا کس غرض سے، اور 'کس کے لیے' یعنی کس شخص وغیرہ کے واسطے۔

''تک''

انتہا کے لیے۔ بہ لحاظ مکان، جیسے: شہر تک۔ سر سے پاؤں تک۔

بہ لحاظ زمان۔ جیسے: شام تک، مہینا بھر یا سال بھر تک۔ چھے بجے تک۔

عام اشیا اور خیالات کے لحاظ سے۔ جیسے: مجھ تک۔ اس کا نام تک نہ لیا۔ خبر تک نہ ہوئی۔ سلام تک نہ لیا۔ اب یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ خیال تک نہ آیا۔ گمان تک نہ تھا۔

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہوتے تک

''پر''

اصل اس کی اوپر ہے۔ ''پر'' کا مخفف 'پہ' بھی (اہلِ لکھنؤ زبر سے اور اہلِ دہلی زیر سے بولتے ہیں) انھیں معنوں میں آتا ہے۔

'پر' کسی شے کی اوپر کی سطح سے تعلق ظاہر کرتا ہے، خواہ متصل ہو یا منفصل۔ اس کے بعد قربت اور درمیان کے معنوں میں بھی آتا ہے۔

بہ لحاظ مکان۔ جیسے: خدا کا دیا سر پر۔ چھت پر۔ بنارس گنگا پر واقع ہے۔ دروازے پر کھڑا ہے۔

بہ لحاظ زمان۔ جیسے: وقت پر کام آیا۔

انحصار۔ جیسے: میری زندگی اسی پر ہے۔ ایک مجھی پر کیا ہے، سب کا یہی حال ہے۔

خاطر کے معنوں میں جیسے: وہ نام پر مرتا ہے۔ روپے پر جان دیتا ہے۔

واسطے کے معنوں میں۔ جیسے: کام پر گیا ہے۔ مہم پر گیا ہے۔

طرف کے لیے۔ جیسے: اس کی باتوں پر نہ جانا۔ اس پر کسی کا خیال نہ گیا۔

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

"آگے"

مکان کے لیے آتا ہے۔ جیسے:

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے   رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

یعنی میرے سامنے یا مقابلے میں۔

زمان کے لیے۔ (گزشتہ زمانہ۔) جیسے:

آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی   اب کسی بات پر نہیں آتی

آئندہ زمانے کے لیے۔ جیسے:

آگے کو کان ہوئے۔ آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔

"ساتھ"

ایک تو معیت کے عام معنوں میں ہے، دوسرے جب ضمیر کے ساتھ آتا ہے تو باوجود اور باوصف کے معنی دیتا ہے۔ جیسے، اگرچہ اس وقت اس نے صاف جواب دے دیا، لیکن اسی کے ساتھ آئندہ کا وعدہ بھی کیا۔

حروفِ عطف

دو لفظوں یا جملوں کو ملانے کے لیے 'اور' عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے، لیکن اکثر حالیہ معطوفہ اس کی ضرورت کو رفع کر دیتا ہے اور وہ فصیح بھی ہوتا ہے، مثلاً ''وہ کل ہی مجھ سے ملا اور واپس گیا'' کہنے کے بجائے ''وہ کل ہی مجھ سے مل کر واپس گیا'' کہنا زیادہ فصیح ہے۔

ایسے الفاظ میں جو دو دو ساتھ آتے ہیں اور مل کر ایک مفہوم پیدا کرتے ہیں، (خواہ معنوں میں متضاد ہوں یا مترادف) کسی حرفِ عطف کا داخل نہ ہونا ہی درست ہے، بلکہ حرفِ عطف کا لانا خلافِ محاورہ اور غیر فصیح ہوگا۔ جیسے:

ہاتھ پاؤں میں سکت نہیں۔ کھیل کود میں رہتا ہے۔ دن رات یہی مشغلہ ہے۔ برے بھلے میں تمیز نہیں۔ دکھ سکھ میں کام آنے والا۔ چلنے پھرنے سے معذور ہے۔ کام کاج، دوست دشمن، اپنا پرایا، آج کل، کھانا پینا، رونا جھیکنا، لنگڑا لولا، سینا پرونا، لین دین، دُکھ درد، سمجھا بجھا کر، پھٹے پرانے کپڑے، چھوٹے بڑے، امیر غریب، ادنیٰ اعلیٰ وغیرہ وغیرہ۔ (فارسی میں بخلاف اس کے ایسے مقامات پر عموماً حرف عطف استعمال ہوتا ہے۔)

ہندی کا 'اور' اور فارسی کا 'وْ' دونوں ایک ہی معنوں میں آتے ہیں۔ لیکن استعمال میں یہ فرق ہے کہ 'وْ' صرف فارسی عربی الفاظ کے ساتھ آتا ہے، ہندی الفاظ کے ساتھ اس کا استعمال خلافِ فصاحت خیال کیا جاتا ہے۔ جیسے چیخ و پکار وغیرہ میں۔

(الف) بعض اوقات 'اور' جن دو جملوں کو ملاتا ہے، ان کے افعال سے دو کاموں کا، تقریباً ایک ساتھ واقع ہونا ظاہر کرتا ہے۔ جیسے، تم آئے اور وہ چلا۔ تم گئے اور آفت آئی۔ تم اُٹھے اور وہ بھاگا۔

(ایسے جملوں میں ماضی، مستقبل کے معنی دیتی ہے۔)

(ب) کبھی دھمکی کے معنی دیتا ہے۔ جیسے: پھر تم ہو اور میں ہوں۔ اب تم جانو اور وہ جانے۔

(ج) کبھی لزوم کے لیے، یعنی ایسا تعلق ظاہر کرنے کے لیے جس میں جدائی یا علاحدگی ممکن نہ ہو۔ جیسے: تیرا دامن ہے اور میرا ہاتھ۔ میں ہوں اور تیرا در۔ یہ نیلا آسمان ہے اور

میں ہوں۔

(د) ناممکن حالت یا تعجب کے اظہار کے لیے۔ جیسے: تم اور یہ کرتوت! میں اور اس کی خوشامد کروں!

میں اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں!
گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا
(غالبؔ)

۲۔ بعض اوقات 'نیز' بھی 'اور' کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے، اس کا سارا ساز وسامان نیز جائیداد منقولہ وغیر منقولہ اُس کے حوالے کردی گئی۔

۳۔ نہ، نہ... نہ، یا، یا... یا، خواہ، چاہے کے علاوہ 'کہ' بھی حرفِ تردید کا کام دیتا ہے۔ جیسے: کوئی ہے کہ نہیں۔

کیا شکایت کوئی تمھاری کرے
تم کو کیا ہے کوئی جیے کہ مرے

(یہ حرف 'کہ' سنسکرت کے لفظ کینوا یا کنیا بمعنی یا سے بنا ہے۔ مرہٹی میں بھی کینوا ہے، لیکن نیپالی میں مثلِ اُردو یا ہندی کے 'کہ' ہی مستعمل ہے۔ کہ ان معنوں میں اکثر استفہامیہ جملوں میں آتا ہے۔)

بعض اوقات حرف تردید محذوف بھی ہوتا ہے۔ جیسے: ملو نہ ملو، وہاں اس کی پرسش نہیں۔

(یہاں 'یا' محذوف ہے۔)

شرط

۴۔ 'جو'، شرطیہ معنوں میں بھی کبھی کبھی آتا ہے۔ جیسے، 'میں جو وہاں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بے ہوش پڑا ہے'۔ یہ عموماً بول چال اور نظم میں زیادہ تر استعمال ہوتا ہے۔

حروفِ عطف شرطیہ بعض اوقات محذوف بھی ہوتے ہیں۔ جیسے، وہ نہیں مانتا تو میں کیا کروں۔

'جب'، اوّل بمعنی جس وقت۔ جیسے، جب میں آؤں تو انھیں اطلاع کر دینا۔

دوسرے بمعنی اُسی وقت (بطور تمیز)۔ جیسے، یہ کام جب (یا جب ہی) ہو سکتا ہے کہ وہ بھی مدد دے۔

اس صورت میں جب کے ساتھ 'ہی' بھی آتا ہے اور جواب میں بجائے 'تو' کے 'کہ' استعمال ہوتا ہے۔

تیسرے بمعنی تب۔ جیسے: لکھنے پڑھنے میں بڑی سخت محنت کرنی پڑتی ہے، جب کچھ آتا ہے۔

جب اکثر تک سے مل کر آتا ہے اور شرطیہ معنی دیتا ہے، جیسے، 'جب تک میں نہ آؤں تم وہاں سے نہ ہلنا'، یہ استعمال حرفِ نفی (نہ یا نہیں) کے ساتھ ہوتا ہے۔ بعض اوقات بغیر حرفِ نفی کے بھی استعمال ہوتا ہے اور اُس وقت اس کے معنی 'جس وقت تک' کے ہوتے ہیں۔ جیسے: جب تک میں یہاں ہوں، تمھیں کوئی اندیشہ نہیں۔

۵۔ 'تب'، اور 'تو' شرطیہ جملوں میں شرط کے جواب میں آتے ہیں۔ اس لیے ان کو حرفِ جزا کہتے ہیں۔ 'تب' کا استعمال جزا کے لیے بہت کم ہو گیا ہے۔

نہیں تو، وگرنہ اور ورنہ، بھی شرطیہ معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے: آتے ہو تو آؤ، نہیں تو میں جاتا ہوں وغیرہ۔

استدراک

۶۔ گو، اگرچہ، مگر، لیکن، بلکہ، پر، استدرا کی معنوں میں آتے ہیں۔ اس کی تین حالتیں ہوتی ہیں یا تو

(۱) قولِ ماقبل کی مخالفت، یا

(۲) اس میں تغیر بوجہ توسیعِ معانی، یا

(۳) قولِ ماقبل کے محدود کرنے کے لیے۔

حروف مندرجۂ بالا میں سے مگر، لیکن، پر، عام طور سے 'گو' اور 'اگرچہ' کے جواب میں آتے ہیں۔ جیسے: جانتے سب ہیں، پر زبان سے کوئی نہیں نکالتا۔ اگرچہ تم ہر فن میں کمال رکھتے ہو لیکن قسمت کا لکھا کون مٹا سکتا ہے۔ اگرچہ وہ پشتینی امیر ہے، مگر مزاج فقیروں کا سا پایا ہے۔ گو وہ بظاہر خوش ہے لیکن دل کا مالک اللہ ہے۔

چکور اور شہباز سب اوج پر ہیں
مگر ایک ہم ہیں کہ بے بال و پر ہیں

کم تو کیا ہوتا بلکہ اور بڑھ گیا۔

ولے، ولیک، لیک: بجائے 'لیکن' کے، صرف نظم میں استعمال ہوتے ہیں۔

پر کا مخفف 'پہ' بول چال کے فقروں اور نظم میں اکثر آتا ہے۔ جیسے،

سمجھ ہم کو آئی پہ نا وقت آئی

اگرچہ اور گو کے جواب میں 'تو' بھی اور 'تاہم' بھی استعمال ہوتے ہیں۔

سو، بھی کبھی ان معنوں میں آتا ہے۔ جیسے،

ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

استثنا

۷۔ حروفِ عطف جو استثنا کے لیے آتے ہیں یہ ہیں، 'اِلّا'، 'مگر' اور بعض اوقات 'لیکن'۔

جیسے: سب آئے مگر احمد نہ آیا۔ سب نے ہامی بھری اِلّا اس بندے نے۔

علّت

۸۔ حرفِ علّت، جو علّت یعنی سبب کے ظاہر کرنے کے لیے عموماً استعمال ہوتے ہیں یہ ہیں:

کہ، کیوں کر، اس لیے کہ، اس واسطے کہ، تا کہ، لہٰذا۔ جیسے: کوشش کیے جاؤ کہ اسی میں کامیابی کا راز ہے۔ محبت پیدا کرو کیوں کہ عالم اسی پہ قائم ہے۔ اُن سے ضرور ملو، اس لیے کہ ان سے ملنا باعثِ سعادت ہے۔ وہ خود گیا، تا کہ سارا معاملہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

اس لیے اور لہٰذا 'چوں کہ' کے جواب میں آیا کرتے ہیں۔ جیسے: چوں کہ وہ ناراض ہیں لہٰذا میں بھی اُن سے نہیں ملتا۔

کبھی 'جو' بھی علت کے لیے آتا ہے۔ جیسے: فقیروں کے دل میں اُس کی کچھ ایسی ہی محبت ہے جو ایسے وقت میں بھی اسی کا دم بھرتا ہے۔

مقابلہ

۹۔ 'جیسا' (جیسے) اور 'گویا' بعض وقت عطف کا کام دیتے اور صرف تشبیہ یا مقابلے کے لیے آتے ہیں۔ جیسے: وہ لکڑی اس طرح رکھی تھی جیسے کوئی انسان کھڑا ہو۔ ہرگز ہوا اس کو نہیں لگتی گویا فانوس اُس کی آسمان ہے؛ (باغ و بہار)

بیانیہ

۱۰۔ 'کہ' حرفِ بیانیہ ہے، اور ہمیشہ دو جملوں کے ملانے کے لیے آتا ہے۔ جیسے: میں سمجھا کہ اب وہ نہ آئے گا۔

یہ حرف عموماً مقولے کے بعد آتا ہے؛ یا مقصد، ارادہ، امید، خواہش، رجحان، حکم، نصیحت یا مشورہ، ڈر، اجازت، کوشش، ضرورت یا فرض کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

جیسے، میرا ارادہ ہے کہ اب یہاں سے چل دوں۔

میں نے کہا تھا کہ تمھارے یہاں رہنے کی ضرورت نہیں۔

میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیے غیر سے تہی
ہنس کے ستم ظریف نے مجھ کو اُٹھا دیا کہ یوں

تم کو لازم ہے کہ اب وہاں نہ جاؤ۔ اُسے چاہیے کہ ایسا نہ کرے۔ اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ خانہ نشین ہو جائے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ آ نہ جائے۔ اگر اس کی یہ آرزو ہے کہ اس بارے میں کامل تحقیق کرے تو کسی ماہرِ فن سے ملنا چاہیے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم اب چل دو وغیرہ۔

کبھی ضمیر موصولہ کے بعد آتا ہے۔ جیسے: جو رائے کہ تم نے ظاہر کی وہ صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح 'جب' کے ساتھ بھی مل کر آتا ہے۔ جیسے: جب کہ وہ یہاں نہیں ہے تو تمھیں ایسا کرنا لازم نہیں۔ ان دو صورتوں میں وہ حرف بیانیہ نہیں ہے۔

حروفِ تخصیص

حروف تخصیص یا حصر میں 'ہی' کا مفصل ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ 'تو' کے متعلق البتہ یہاں کسی قدر بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

(۱) تاکید فعل۔ جیسے، سنو تو۔ کہو تو وغیرہ۔

(۲) تکمیلِ مقصد۔ جیسے، یہ کہہ کر وہ تو چلے گئے۔ سارا سامان مہیا کر کے وہ تو الگ ہو گئے۔ (یعنی جو کام ان کے ذمّے تھا اس کی تکمیل کر دی۔)

(۳) خاص قسم کا زور ظاہر کرتا ہے۔ جیسے، جسے تم تلاش کرتے تھے وہ میں ہی تو ہوں۔ جس کے سامنے ایک عالم سر جھکا تا ہے وہ یہی تو ہے۔

(۴) دھمکی کے لیے۔ جیسے، دیکھوں تو وہ کیسے کرتا ہے۔

ان معنوں میں اکثر 'سہی' کے ساتھ مل کر آتا ہے۔ جیسے، آئے تو سہی۔

'ہی' حرف تخصیص ہمیشہ ان الفاظ کے متصل آتا ہے جن کی تخصیص یا تاکید مقصود ہوتی ہے سوائے ضمیر متکلم 'میں' کے، جب کہ اس کے ساتھ علامت فاعل 'نے' آئے۔ اس صورت میں 'نے' ان کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ جیسے، میں نے ہی کہا تھا۔ باقی حالتوں میں ہمیشہ متصل آتا ہے۔ جیسے، اسی نے کہا تھا وغیرہ۔

'تو' بھی ہمیشہ اُسی لفظ کے ساتھ آتا ہے جس کی تخصیص کرتا ہے، مگر جب فاعل و مفعول اور اضافت کی علامتیں یا حرف ربط آتے ہیں تو ان کے بعد آتا ہے۔ جیسے، تم کو تو خبر تک نہ ہوئی میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ اس کا تو کام ہی تمام ہو گیا۔

جب 'تو' اور 'ہی' مل کر آتے ہیں تو کلام میں مزید قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے: یہ میں ہی تو تھا۔ تم ہی تو تھے۔

فعل کی تکرار کے درمیان تو آئے اور جملے میں ہی بھی ہو تو خاص معنی پیدا ہو جاتے ہیں، یعنی کسی امر آخری چارۂ کار کا انحصار بتانا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے: میں ہی کروں تو کروں۔ وہی سمجھائیں تو سمجھائیں ورنہ دوسروں کی کیا مجال جو کچھ کہے۔

موت ہی سے کچھ علاجِ دردِ فرقت ہو تو ہو

غسلِ میت ہی ہمارا غسلِ صحت ہو تو ہو

—

تکرار الفاظ

تکرار لفظی اُردو زبان کی بڑی خصوصیات میں سے ہے۔ اِس لیے ہم نے یہ مناسب خیال کیا کہ اس خصوصیت کا ذکر مختصر طور پر علاحدہ کیا جائے۔

اُردو میں تمام اجزائے کلام (یعنی اسم، صفت، ضمیر، فعل، تمیز) سوائے حروف ربط وعطف کے ایک ہی ساتھ مکرر استعمال ہو سکتے ہیں۔ الفاظ کے دُہرانے سے اکثر 'ہر ایک' کے معنی پیدا ہوتے ہیں نیز اختلاف، زور، تاکید یا مبالغے کا اظہار ہوتا ہے۔

۱۔ اسم کی تکرار سے 'ہر ایک' کے معنی پیدا ہوتے ہیں، مگر وہ سب پر شامل ہوتا ہے۔ جیسے، 'گھر گھر عید ہے'۔ یعنی ہر گھر میں۔

کبھی یہ اضافت کے بعد آتا ہے؛ یعنی وہ اسم جس کی تکرار ہوتی ہے وہ مضاف واقع ہوتا ہے۔ جیسے، 'میرا رُواں رُواں اس کو دعا دے رہا ہے'۔ یعنی ہر ایک رواں۔

بعض وقت اضافت کے ساتھ بھی 'ہر ایک' کے معنی میں آتا ہے مگر سب پر شامل نہیں ہوتا۔ مثلاً: 'وہ برس کے برس آتا ہے' یعنی ہر برس۔

۲۔ کبھی 'مختلف' کے معنی نکلتے ہیں۔ جیسے، 'ملک ملک کا جانور وہاں جمع تھا' (یعنی مختلف ملکوں کے جانور)۔ کبھی اسم کی تکرار سے زور مبالغہ یا تاکید نکلتی ہے۔ جیسے، دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ لیلیٰ ہی لیلیٰ پکارتا رہا۔

(الف) یہ استعمال جو اکثر 'ہی' کے ساتھ ہوتا ہے، بعض اوقات جب پہلا اسم جمع ہو تو بغیر 'ہی'

کے بھی آتا ہے۔ جیسے: ہاتھوں ہاتھ، راتوں رات۔

(ب) بعض اوقات پہلے اسم کے بعد اضافت کا حرف آتا ہے یعنی دونوں کے بیچ میں حرف اضافت ہوتا ہے۔ جیسے، اتنا پڑھا مگر بیل کا بیل ہی رہا۔ یا جاہل کا جاہل ہی رہا۔ آدمی کیا ہے دیو کا دیو ہے یا ڈھو کا ڈھو ہے۔

(ج) بعض اوقات اس قسم کے تکرار سے کُل کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے: خاندان کا خاندان (یعنی کل خاندان)، قوم کی قوم، شہر کا شہر، اسی میں مبتلا ہے۔ آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ ایک شعر کیا غزل کی غزل مرصّع ہے۔

(د) کثرت کے معنی بھی آتے ہیں۔ جیسے: درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ کھڑے تھے۔ دیوان کے دیوان پڑھ ڈالے۔ جنگل کے جنگل کاٹ ڈالے۔ خم کے خم پی گیا۔ ہرنوں کی قطاریں کی قطاریں کھڑی تھیں۔

(ہ) کبھی اس تکرار سے کام کا تسلسل پایا جاتا ہے۔ جیسے: سڑک کے کنارے کنارے چلا جا۔ ہاتھی آگے آگے جا رہا تھا۔ اور بھیر پیچھے پیچھے۔

(و) بعض اوقات تکرارِ لفظی سے (اضافت کے ساتھ) تقلیل ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے، رات کی رات ملاقات رہی۔

قلزم کو لے قطرے کا قطرہ رہا   بل لے سمائی تری اُف رے سمندر کے چور

وہ بات کی بات میں بگڑ گیا (یعنی ذرا سی بات میں)۔ وقت کے وقت یعنی فی الفور۔

(ز) کبھی ایک جملے میں دو لفظوں کا تکرار ہوتا ہے اور اس سے ہر دو کی شمولیت ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے، روپیہ کا رُوپیہ گیا اور عزّت کی عزّت (یعنی روپیہ اور عزّت دونوں گئے۔) 'وہ آدمی کا آدمی ہے اور بندر کا بندر' یعنی آدمی بھی ہے اور بندر بھی۔ آم کے آم کھائے اور سیر کی سیر ہوئی۔

(ح) مثل ہے کہ "دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی" یعنی دودھ الگ اور پانی الگ (پورا انصاف کھوٹے کھرے کی پوری پرکھ۔ کبھی ایک اسم کا تکرار اس طرح ہوتا ہے کہ اس کے بیچ

میں 'الف' بطور حرف ربط کے آتا ہے اور معنی مبالغے یا زیادہ یا جاری رہنے کے ہوتے ہیں جیسے، مارامار۔ دوڑا دوڑ۔

۴۔ صفات کے تکرار سے بھی یہی معنی پیدا ہوتے ہیں یعنی اسم کی طرح کُل کے معنی دیتے ہیں۔ جیسے: شہر کے بڑے بڑے لوگ موجود تھے۔ چھوٹے چھوٹے ایک طرف ہو جائیں اور بڑے بڑے ایک طرف۔

(۱) بعض اوقات اختلاف (یعنی مختلف ہونا) ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے، نئے نئے کام۔ انوکھی انوکھی باتیں (مختلف قسم کے نئے کام یا طرح طرح کی انوکھی باتیں۔)

(۲) اظہار مبالغہ یا امتیاز کے لیے۔ جیسے، میٹھی میٹھی باتیں۔ کھٹّے کھٹّے آم۔ سفید سفید دانے۔ اُجلے اُجلے کپڑے۔ مثلاً اُس کی میٹھی میٹھی باتوں نے دل موہ لیا۔ سفید سفید دانے ایک طرف کر دو اور کالے کالے ایک طرف۔ اُجلے اُجلے کپڑے الگ نکال لو۔

کبھی بیچ میں اضافت بھی آتی ہے جیسے۔ ننگے کا ننگا، بھوکے کا بھوکا وغیرہ۔

(۳) تقلیل کے لیے۔ جیسے، دال میں کچھ کالا کالا ہے۔ اس میں مجھے کچھ سفید سفید دکھائی دیتا ہے۔

(۴) اسی طرح اعداد بھی بہ تکرار آتے ہیں۔

(الف) ہر ایک کے معنی میں۔ جیسے، 'ان کو چار چار روپے ملے'۔ یہ استعمال جب حالیہ معطوفہ 'کرکے' کے ساتھ ہوتا ہے تو اُس کے معنی میں الگ الگ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جیسے دو دو کر کے گئے۔ ایک ایک کرکے آئے۔ چار چار کی ٹولی بن گئی۔

(ب) جب عدد مرکب ہو تو صرف آخری حصّے کا تکرار ہوتا ہے۔ جیسے، ایک روپیہ آٹھ آٹھ آنے دیے۔

(ج) 'آٹھ روپیہ دے دو' اور 'آٹھ آٹھ روپے دے دو'۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ پہلے جملے کا مطلب ہے کہ کل روپے جو دینے ہیں آٹھ ہیں۔ دوسرے جملے کے یہ معنی ہیں کہ فی کس آٹھ روپے دو۔

اسی طرح 'چار چار پہر بیٹھا رہتا ہے'۔ یعنی ہر دفعہ جب وہ آتا ہے تو چار پہر گزار دیتا ہے۔ 'تین تین گھنٹے کے بعد کھاؤ' یعنی ہر تین گھنٹے کے بعد۔ 'آٹھ آنے کے ٹکٹ لاؤ' اور 'آٹھ آٹھ آنے کے ٹکٹ لاؤ'۔ ان دو جملوں کے معنوں میں بھی فرق ہے۔ پہلے کے یہ معنی ہیں کہ کل آٹھ آنے کے ٹکٹ لاؤ۔ دوسرے کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک ٹکٹ آٹھ آنے کا ہو۔

۶۔ ضمائر بھی بہ تکرار آتی ہیں:-

(۱) الگ الگ کے معنوں میں۔ جیسے، وہ اپنے اپنے گھر سدھارے۔

(۲) مختلف کے معنوں میں۔ جیسے، جو جو جس کا طالب ہو حاضر ہو جائے۔ اس نے کیا کیا نہ کہا اور میں نے کیا کیا نہ سنا۔

(۳) 'کوئی' اور 'کچھ' کی تکرار سے کمی یا تقلیل ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے، اب بھی کوئی کوئی مل جاتا ہے۔ کچھ کچھ درد باقی ہے۔

کبھی بیچ میں 'نہ' حائل ہوتا ہے۔ جیسے، کوئی نہ کوئی مل ہی رہے گا۔ کچھ نہ کچھ ضرور کہتے رہتے ہیں۔

۷۔ افعال کا تکرار حالیہ تک محدود ہے اور اُردو زبان کے محاورے میں اس کا استعمال بکثرت ہے:-

(۱) فعل کے تکرار سے فعل کا متواتر ہونا پایا جاتا ہے۔ جیسے، یہ لکڑیاں بہہ بہہ کر آتی ہیں۔ وہ پوچھتے پوچھتے یہاں تک پہنچ گیا۔ مکھیاں پھولوں پر آ آ کر بیٹھتی ہیں۔

(۲) بعض اوقات تکرار سے مبالغہ یا کثرت ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے، میں کہتے کہتے تھک گیا۔ روتے روتے اس کی آنکھیں سوج گئیں۔ رو رو کر اپنا حال کہنے لگا۔ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ پانی پیتے پیتے پیٹ اپھر گیا۔

مرے آشیاں کے تو تھے چار تنکے
مکاں اُڑ گئے آندھیاں آتے آتے

تن تن کے بیٹھا تھا۔ پڑھتے پڑھتے اندھا ہو گیا۔

حالیہ، تمام کبھی کبھی اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، وہ دوڑا دوڑا پھر رہا ہے۔ وہ مارا مارا پھر رہا ہے۔

(۳) کبھی فعل کی مدت طوالت اور جاری رہنے کو بتاتا ہے۔ جیسے، اسی طرح چلتے چلتے منزل مقصود کو پہنچ گئے۔ آم پڑے پڑے سڑ گئے۔ سیکھتے سیکھتے آ ہی جاتا ہے۔ لکھتے لکھتے خط اچھا ہو ہی جاتا ہے۔

(۴) کبھی مختلف یا کثرت کے معنی دیتا ہے۔ جیسے، وہ پیترے بدل بدل کر آتا ہے یا نام بدل بدل کر یا بھیس بدل بدل کر آتا ہے۔ شعر یا قصے سنا سنا کر خوش کرتا ہے۔ کھانے کھلا کھلا کر ہلا لیا۔

(۵) بعض اوقات آہستہ آہستہ یا رفتہ رفتہ کے معنی ہوتے ہیں، خاص کر ''ہوتے ہوتے'' تو ان معنوں میں بہت آتا ہے۔ علاوہ اس کے دوسرے افعال بھی ان معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے،

نہیں کھیل اے داغؔ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اُردو زباں آتے آتے

(۶) 'دیکھتے دیکھتے' دفعتاً یا بہت کم عرصے کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے، وہ دیکھتے دیکھتے بڑا آدمی ہو گیا۔ (یعنی ہمارے دیکھتے دیکھتے یعنی بہت کم عرصے میں، یکایک۔)

(۷) کبھی تکرار سے یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ ابھی ایک کام ہونے نہیں پایا تھا کہ دفعتاً کوئی اور واقعہ ہو گیا۔ جیسے وہ کہتے کہتے رک گیا۔ وہ جاتے جاتے رہ گیا۔ سنبھلتے سنبھلتے گر پڑا۔

(۸) جب کسی کام کے اثنا میں رکاوٹ ہو جاتی ہے تو بھی حالیہ کا تکرار آتا ہے۔ جیسے، وہ پڑھتے پڑھتے سو گیا۔ وہ قصہ سناتے سناتے یک بارگی چپ ہو گیا۔ مرتے مرتے بچا۔

''اجل مر رہی تو کہاں آتے آتے''

(۹) بعض اوقات پہلا فعل مذکر ہوتا ہے اور دوسرا مؤنث جیسے، دیکھا دیکھی، روا روی۔

(۱۰) بعض اوقات فعل لازم اور اسی کے متعدی کا حالیہ محاورے میں مل کر آتے ہیں جیسے، خواہ مخواہ بیٹھے بٹھائے مصیبت میں پھنس گئے۔ مگر یہ سماعی ہے ہر فعل کا استعمال اس طرح نہیں ہو سکتا۔

دونوں مل کر کبھی صفت کا کام بھی دیتے ہیں۔ جیسے، سنی سنائی باتوں پر نہ جاؤ۔ بنی بنائی عزّت کو کیوں بگاڑتے ہو۔

(۱۱) بعض اوقات لازم یا متعدی کا حالیہ دوسرے فعل لازم کے ساتھ آتا ہے اور ان کے درمیان 'نہ' حرف نفی واقع ہوتا ہے۔ جیسے، مارے نہ مرے۔ مٹائے نہ مٹے۔ اس سے بھی کلام میں زور پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔

(۱۲) کبھی زور اور تاکید کے لیے ماضی بھی مثبت اور منفی صورت میں بہ تکرار آتی ہے۔ اور حرف 'پر' بیچ میں آتا ہے۔ جیسے، گیا پر گیا۔ نہ ہوا پر نہ ہوا۔

(۱۳) کبھی خاص طور پر متوجہ کرنے کے لیے امر کو بہ تکرار بولتے ہیں۔ جیسے، دیکھو دیکھو یہ کیا ہو رہا ہے۔ سُنو سُنو کوئی گا رہا ہے۔ اسی طرح ہٹو ہٹو، بچو بچو!

۸۔ تمیز کے الفاظ بھی زور اور تاکید کے اظہار کے لیے بہ تکرار آتے ہیں، جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ جیسے، جہاں جہاں، جوں جوں، روز روز، ہمیشہ ہمیشہ، کہیں کہیں۔ کبھی نفی کے ساتھ جیسے کہیں نہ کہیں، کبھی نہ کبھی۔

(۱) انھیں معنوں میں حرف اضافت کے ساتھ بہ تکرار آتے ہیں۔ جیسے، وہاں کا وہیں رہ گیا۔ اسی طرح یہاں کا یہیں یا جہاں کا تہاں۔ یہ سب تکرار زور پیدا کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

اسی طرح جیسے جیسے، کیسے کیسے وغیرہ بھی مستعمل ہیں۔

(۲) مبالغے کے لیے۔ جیسے: وہ مجھ سے دور دور رہتا ہے۔ وہ ہم سے الگ الگ پھرتا ہے۔

۹۔ حروف ربط بھی اسی طور پر محاورے میں بہ تکرار آتے ہیں اور ان سے معنوں میں ایک خفیف سا تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے اِدھر اُدھر وہ تھے اور بیچ بیچ میں ہم۔

کبھی زیادہ زور دینے کے لیے اور عین وسط کے ظاہر کرنے کی خاطر پہلا بیچ جمع میں لاتے ہیں۔ یعنی بیچوں بیچ۔ جیسے، صحن کے بیچوں بیچ یا تالاب کے بیچوں بیچ۔

اسی طرح، میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ وہ آگے آگے جا رہے تھے۔ وہ اُن کے ساتھ ساتھ تھے۔

نحو ترکیبی

جملوں کی ساخت کے باب میں

مفرد جملے

(جملے کے اجزا)

اُردو میں بھی دنیا کی اور زبانوں کی طرح جملے کے اصل عنصر دو ہیں۔ ایک مبتدا دوسرا خبر۔ ان میں مبتدا، وہ شخص یا شے ہے جس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

خبر، جو کچھ اس شخص یا شے کی نسبت ذکر کیا جائے۔ اُردو میں مبتدا مفصلۂ ذیل اجزائے کلام ہو سکتے ہیں:

(۱) اسم یا ضمیر فاعلی حالت میں۔

(۲) دو یا دو سے زائد اسم یا ضمیریں فاعلی حالت میں۔

(۳) صفت یا اعداد بطور اسم کے فاعلی حالت میں۔

(۴) مصدر۔

(۵) کوئی فقرہ یا جملہ۔

مثالیں

(۱) احمد آیا۔ وہ گیا۔

(۲) شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں۔ ہم تم مل کر جائیں گے۔

(۳) دو وہاں ہیں چار یہاں۔ کوئی شریف ایسی بات نہ کہے گا۔

(۴) رونا اچھا نہیں۔ لکھنا پڑھنے سے مشکل ہے۔

(۵) دہلی پہنچنا آسان نہیں۔ اس سے معاملہ کرنا مشکل ہے۔

کامل جملہ جو بطور مبتدا کے استعمال ہوتا ہے، اس کا ذکر مرکب جملے کے بیان میں آئے گا۔

بعض اوقات اسم جو 'تک' کے ساتھ آتا ہے مبتدا ہوتا ہے۔ جیسے، تنکا تک نہ رہا۔ گھر تک جل گیا۔

بعض اوقات مبتدا محذوف ہوتا ہے:

(۱) جہاں قرینے سے آسانی کے ساتھ مبتدا معلوم ہو سکتا ہے، مثلاً خطاب یا استفہام میں۔ جیسے، کیا وہ آ گیا؟ ہاں گیا۔ بھائی جان! یہ کیا صورت بنائی ہے۔

(۲) جب کہ صورت فعل سے فاعل ظاہر ہو جیسے، سید ہوں، مظلوم ہوں، میرے حال پر رحم کرو۔ جاؤ اپنا کام کرو۔

(۳) ضرب الامثال اور اسی قسم کے دوسرے جملوں میں اختصار کے خیال سے۔ جیسے، ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔

خبر، مفصلۂ ذیل اجزائے کلام ہو سکتے ہیں:

(۱) فعل۔ جیسے، میں کہتا ہوں۔

۲) اسم یا ضمیر۔ فاعلی یا اضافی حالت وغیرہ میں۔ جیسے، اس کا نام احمد ہے۔ وہ ملکہ کا بیٹا ہے۔ وہ چھت پر ہے۔ یہ گھر کس کا ہے۔ یہ رعب وداب کسی میں نہیں۔

(۳) صفت۔ جیسے، وہ شخص بڑا جری اور دلیر ہے۔

(۴) عدد۔ جیسے، میرا نمبر سولہ ہے۔

(۵) کوئی لفظ یا فقرہ جو بطور اسم استعمال کی جائے۔ جیسے، میں شاہ ایران کا بھیجا ہوا ہوں۔

بعض اوقات فعل جو بطور خبر کے آتا ہے، محذوف ہوتا ہے۔ جیسے، وہ جہاں جہاں گیا لوگوں نے سر اور آنکھوں پر بٹھایا، کسی نے مذہبی پیشوا سمجھ کر اور کسی نے محبّ وطن مان کر۔ تیرے سر پر خاک۔

فعل ناقص بھی جسے بعض قواعد نویسوں نے ربط سے بھی تعبیر کیا ہے، کبھی کبھی محذوف ہوتا ہے:

(الف) مفرد بیان میں جہاں اس کا حذف آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ جیسے، اُسے نہ کسی کے نفع سے غرض نہ ضرر سے کام۔ تیرے سر پر خاک۔ ایک کا نام احمد دوسرے کا نام محمود۔

(ب) مقابلے میں بھی اکثر محذوف ہوتا ہے۔ جیسے، ایسی بنی سنوری جیسے دلہن۔

(ج) منفی جملوں میں۔ جیسے، اُسے خبر نہیں۔

ف۔ ایسے جملوں میں فعل ناقص کا حذف صرف بظاہر ہے کیوں کہ 'نہیں' جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے، نہ اور فعل ناقص کی قدیم صورت 'آہیں' سے مرکب ہے۔

ضرب الامثال وغیرہ میں عموماً محذوف ہوتا ہے۔ جیسے: غریب کی جورو سب کی بھابھی۔ چوری کا گڑ میٹھا۔

(د) نظم میں بھی عموماً محذوف ہوتا ہے:

'ہونا' اگرچہ فعل ناقص ہے لیکن کبھی کبھی بطور فعل لازم یعنی فعل صحیح بھی آتا ہے۔ جیسے، خدا ہے۔ اس فعل کا تمام زبانوں میں یہی حال ہے، اور اس لیے اس کا ان دو صورتوں میں امتیاز کرنا ضرور ہے۔

جیسا کہ اور زبانوں میں ہے اسی طرح اُردو میں بھی مبتدا اور خبر کی توسیع مختلف الفاظ کے اضافے سے ہوتی ہے۔ یہ الفاظ ازروئے قواعد ان کے متعلقات ہوتے ہیں۔ جس طرح ان کی توسیع ہوتی ہے اسی طرح الفاظ کے اضافے سے بعض اوقات ان کے معنی محدود بھی ہو جاتے ہیں۔

مبتدا کی توسیع

۱۔ اسم سے یا ایسے اسم سے جو بطور بدل کے آتا ہے، ہوتی ہے۔ مثلاً:

(الف) دہلی شہر بہت قدیم ہے۔ ڈاکٹر صدیقی پرنسپل کلیۂ جامعۂ عثمانیہ تشریف لائے۔

(ب) 'سب گھر والے کیا چھوٹے کیا بڑے اس سے محبت کرتے ہیں'۔ یہاں 'کیا' محاورے میں توضیح و توسیع کے لیے استعمال ہوا ہے۔

(ج) 'میں آپ کا ادنیٰ غلام، ہر وقت آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوں'۔ یہاں 'میں' کا بدل 'آپ کا ادنیٰ غلام' ہے۔

۲۔ مبتدا کی توسیع صفت سے بھی ہوتی ہے۔ اس صورت میں ہمیں صفت کی دونوں صورتیں (جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) یعنی توصیفی اور خبری میں امتیاز کرنا ضرور ہے:

(الف) توصیفی صورت میں صفت اسم کے قبل آتی ہے اور دونوں مل کر ایک خیال قائم کرتے ہیں۔ جیسے،

یہ خوب صورت تصویر ملکہ کی ہے۔

(ب) خبری صورت میں صفت اسم کے بعد آتی ہے اور اسم سے الگ خیال کی جاتی ہے، گویا جملے کی خبر ہے۔ جیسے،

وہ گمراہ ہو گیا ہے۔ اس کا بھائی بڑا طاقت ور ہے۔

۳۔ مبتدا کی توسیع ایسی ضمیر سے بھی ہوتی ہے جو بطور صفت کے آتی ہے۔ جیسے،

یہ بچہ بڑا شریر ہے۔ جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی۔

۴۔ اعداد سے۔ جیسے، دو سو آدمی آ کھڑے ہوئے۔ اتنے میں دونوں بھائی آ پہنچے۔

۵۔ اضافی حالت سے۔ جیسے، اب میرے دل کا ارمان نکلا۔ مدرسے کے سارے لڑکے حاضر کیے گئے۔

بعض اوقات مضاف الیہ محذوف بھی ہوتا ہے۔ جیسے،

بڑی فکر تھی کہ اتنی تھوڑی تنخواہ میں تمھاری گزر کیسے ہوگی (یعنی اس کی بڑی فکر تھی۔)

۶۔ حالیہ سے۔ جیسے، اجڑا گاؤں۔ اُڑتا ہوا پرندہ۔ مرا ہوا جانور۔

بعض اوقات اس کا استعمال بھی بطور خبر کے ہوتا ہے۔ جیسے،

سڑک پر ایک جانور سسکتا ہوا پڑا ہے۔

خبر کی توسیع

۱۔ اسم، ضمیر یا کسی لفظ یا فقرے سے جو بطور اسم کے استعمال ہو۔

(الف) مفعول قریب سے۔ جیسے، تم میری بات سنو۔ اس نے کچھ نہ کہا۔

بعض اوقات فقرہ یا جملہ بھی مفعول ہوتا ہے، مثلاً حالیہ معطوفہ کے ساتھ۔ جیسے، وہ مال واسباب لٹتا دیکھ کر جان سلامت لے گیا۔ شہزادے کو قریب آتے دیکھ کر استقبال کے لیے چلا (جس طرح مبتدا کی توسیع ہوتی ہے اسی طرح مفعول کی بھی ہوسکتی ہے۔ مثلاً، آپ میرے کپڑوں کو ہاتھ نہ لگائیے۔ ان کو گھر میں اکیلا نہ چھوڑیے۔)

(ب) مفعول بعید سے۔ جیسے، اس نے بیٹے کو پیغام کہلا بھیجا۔

(ج) اسم یا ضمیر کی حالت سے، جس سے خبر کی بلحاظ وقت، مقام، طریقہ وغیرہ توسیع ہوتی ہو۔ جیسے، اس کے دل سے سب کدورت رفع ہوگئی۔ اس نے یہودی کو مسجد میں آنے دیا۔ وہ درخت کی پُھننگ تک چڑھ گیا۔

(د) بعض اوقات فاعل کا بدل خبر کی توسیع ہوتا ہے۔ جیسے اس کا چھوٹا بھائی تیرا معاون ہوگا۔

۲۔ خبر کی توسیع صفت سے بھی ہوسکتی ہے۔ جیسے، اس صراحی کا پانی ٹھنڈا کیجیے۔ میرے کپڑے صاف کرو۔

جب خبر اسم ہوتی ہے تو اعداد سے توسیع ہوسکتی ہے، جیسے، احمد نے چار آم کھائے۔ یہ مکان ۱۶ فٹ اونچا ہے۔

۳۔ حالیہ معطوف سے۔ جیسے، اس نے پریشان ہو کر گھر چھوڑ دیا۔

۴۔ حالیہ سے۔ جیسے، اُسے شہر میں رہتے ہوئے کئی سال گزرے۔ حامد اسے ساتھ لیے ہوئے پہنچا۔ وہ کھیلتا کودتا گھر پہنچ گیا۔

۵۔ حروف ربط سے مع اس کے اسم کے۔ جیسے، سب کے سب کوتوال کے پاس حاضر ہوئے۔

۶۔ تمیز فعل سے۔ جیسے، وہ بہت ناراض ہوا۔ وہ سہج سہج چلتا ہے۔ میں نے جلدی جلدی لکھ دیا۔

مطابقت

مطابقت تین قسم کی ہے:

۱۔ صفت کی (جو توصیفی ہو) اپنے اسم سے۔

۲۔ صفت کی (جو جزوِ خبر ہو) اسم سے۔

۳۔ جملے کی خبر کی (خواہ فعل ہو یا صفت) مبتدا سے۔

۱۔ صفت (توصیفی) کی مطابقت موصوف سے پہلے بیان ہو چکی ہے۔ سوائے ان صفات کے جن کے آخر میں 'الف' ہوتا ہے اور جن میں تبدیلی واقع ہوتی ہے (مؤنث میں صرف ایک ہی صورت ہوتی ہے) باقی تمام صفات ہر حالت میں ویسی ہی رہتی ہیں اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی اور صفت موصوف کے مطابق ہوتی ہے۔ اسی طرح حرفِ اضافت کی تذکیر و تانیث و وحدت و جمع عموماً مضاف کے مطابق ہوتی ہے۔

لیکن جب ایک صفت کئی مختلف الجنس اسما کی تعریف کرے یا ان کے ساتھ آئے تو مطابقت میں اختلاف ہوتا ہے۔

(ا) صفت (یا مضاف) جنس میں قریب کے اسم سے مطابق ہوتا ہے۔ جیسے، اس کی بہو اور بیٹے۔ تمھارا نام اور ننگ و ناموس۔ مجھے اس کی چھچھوری باتوں اور کاموں سے کچھ غرض نہیں۔

(۲) بعض اوقات اگرچہ قریب تر کا اسم مؤنث ہوتا ہے چوں کہ مذکر کی شان بڑی سمجھی جاتی ہے، اس لیے مطابقت مذکر سے ہوتی ہے۔ جیسے، اس کے بی بی بچے آ گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں "بی بی بچے" مل کر ایک کلمے کا کام دیتے ہیں۔

۲۔ لیکن صفت جب اسم کے ساتھ بطور خبر کے آئے، بشرطیکہ اسم کے ساتھ علامت مفعول موجود ہو، تو اسم بلالحاظ جنس و تعداد واحد استعمال ہوگا۔ جیسے، 'میں نے ان لوگوں کو بہت کالا پایا'۔ اگر 'کو' نہ ہوتا تو صفت جمع میں آتی، جیسے، میں نے یہاں کے آم میٹھے دیکھے۔ یہاں کے لوگ کالے پائے۔ میں نے یہاں کی عورتیں کالی پائیں۔ میں نے یہاں کی عورتوں کو کالا پایا۔

صفت جو تمیز کے طور پر ہوتی ہے اس کا اثر فعل کی تذکیر و تانیث پر نہیں ہوتا۔ جیسے، تم نے اچھا کیا۔ تم نے خوب کیا۔ یہاں 'خوب' اور 'اچھا' کی تذکیر و تانیث سے کچھ بحث نہیں ہے۔

تم نے مجھ نگمی کو کیوں دکھ دے رکھا ہے۔

لیکن یہاں نگمی مجھ کا بدل ہے اور بدل جملے کی ترکیب سے متاثر نہیں ہو سکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ جملے کی باقی حالت میں فرق نہیں آیا اور فعل حسب معمول واحد مذکر ہے۔ لیکن خبر کی حالت دوسری ہے جو بیان ہو چکی ہے۔

حالیہ کی مطابقت کے متعلق اس سے پہلے حالیہ کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے۔

۳۔ خبر یہ فعل یا اسم جہاں جہاں ممکن ہو جنس و تعداد میں مبتدا کے مطابق ہونا چاہیے۔ جیسے، سب دولت ڈھونڈھتے ہیں۔ لکھنے پڑھنے کا سامان نہیں ہے۔ علم اور نیک چلنی یہ دونوں انسان کا درجہ بڑھا دیتے ہیں۔

اُن متعدی افعال کی جن کے افعال ماضی کے ساتھ 'نے' آتا ہے دوسری حالت ہے۔ اس کا ذکر پہلے مفصل ہو چکا ہے۔

جب کسی فعل کا مبتدا جملہ یا جزو جملہ ہوتا ہے تو خبر ہمیشہ واحد ہوتی ہے جیسے، سانچ کو

آنچ نہیں، بالکل صحیح ہے۔اسے دیکھ کر میری زبان سے بے اختیار **کل طویل احمق نکل** جاتا ہے۔

جب مبتدا تعظیمی ضمیر، تعظیمی جمع یا تعظیمی لفظ ہو، اگرچہ مقصود اس سے فرد واحد ہے، خبر نیز تمام توصیفی تکملے جمع ہی ہوں گے۔ جیسے، آپ کب تک قیام فرمائیں گے۔ یہی مولوی صاحب ہیں جن کا میں نے ذکر کیا تھا۔ ہمارے پیر و مرشد یہاں نہیں ہیں۔

جب فاعل ضمیر ہو اور مذکر و مؤنث دونوں کی طرف راجع ہو، تو خبر مذکر ہوگی۔ جیسے، زینب نے اپنے شوہر سے کہا اب ہم یہاں نہیں ٹھیر سکتے۔ اس نے میاں بیوی سے صاف کہہ دیا کہ اب تم چلے جاؤ۔

جب مبتدا دو سے زائد اسما یا ضمائر مختلف الجنس پر مشتمل ہو تو خبر عموماً سب سے قریب کے اسم سے مطابق ہوگی۔ جیسے، آدمی کے دو کان، دو آنکھیں اور ایک منہ ہے۔

اگر سب کے سب واحد اور ایک جنس کے ہیں تو خبر ان لفظوں کی جنس کی تابع ہوگی۔ جیسے، اس سے کم ہمتی اور بزدلی پیدا ہوتی ہے۔ ایسی باتوں سے رعب اور وقار جاتا رہتا ہے۔

لیکن اگر ان میں سے کوئی ایک یا ایک سے زیادہ جمع ہیں تو خبر جمع ہوگی (ایسی حالت میں جمع خبر کے متصل ہونی چاہیے) جیسے، اس کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ میز اور کرسیاں گر پڑیں۔

(۵) لیکن جب دو اسم ہوں اور آخر میں لفظ 'دونوں' یا 'دونوں کے دونوں' آئیں تو فعل جمع آئے گا۔ جیسے، ماں اور بچہ دونوں مر گئے یا دونوں کے دونوں مر گئے۔

مگر جب دو یا دو سے زائد اسما فاعل یا مبتدا ہوں اور آخر میں 'سب' آئے تو فعل جنس و تعداد میں آخر اسم کے مطابق ہوگا۔ جیسے، اس کا مال و اسباب، جاگیر، مکانات سب بک گئے۔ اس کا مال و اسباب گھربار سب بک گیا۔

مگر جب 'سب' کا تکرار حرف اضافت کے ساتھ ہو تو سب کا سب واحد، سب کے سب جمع مذکر اور سب کی سب مؤنث واحد و جمع کے لیے ہوگا۔

لیکن جب 'سب کچھ' آخر میں میں آئے تو فعل ہر حالت میں واحد ہوگا۔ جیسے، مال و اسباب، جاگیر، مکانات سب کچھ بک گیا۔

آخر میں جب 'کوئی' یا 'کچھ' ہو تو بھی فعل واحد مذکر ہوگا۔ جیسے، باپ بیٹا جورو بھائی بہن کوئی ساتھ نہ جائے گا۔ مال و اسباب باغ و جاگیر کچھ نہ رہا۔

(۶) عام طور پر فعل جنس و تعداد میں مبتدا کے مطابق ہوتا ہے۔ جیسے، یہ آلات اور کتابیں میری ساری پونجی ہیں۔

(۷) جب مبتدا دو یا زائد ایسی ضمیروں پر مشتمل ہو جن کی نوعیت الگ الگ ہو یعنی کوئی متکلّم ہو کوئی مخاطب اور کوئی غائب تو خبر جمع ہوگی۔

جیسے، ہم تم وہاں گئے تھے۔ وہ اور میں راستہ بھول گئے۔ میں اور تم وہاں مل کر چلیں گے۔ میں اور وہ ساتھ ساتھ آئے۔

(ایسی صورت میں جہاں تک ممکن ہو ضمیر جمع آخر میں لانی چاہیے۔)

(۸) جب مبتدا اسم جمع ہو تو خبر واحد ہوگی۔ فوج جا رہی ہے۔ وغیرہ۔

(۹) کتابوں، اخباروں اور رسالوں کے نام گو جمع ہوں مگر وہ مثل واحد کے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے: 'تعزیراتِ ہند' چھپ گئی (کتاب چوں کہ مؤنث ہے اس لیے فعل مؤنث آیا)۔ میں نے 'قصصِ ہند' ختم کر دی۔

(۱۰) افعالِ ناقص میں جب مبتدا اور خبر دونوں اسم ہوں تو فعل مبتدا کے مطابق ہونا چاہیے۔ اگرچہ بعض اساتذہ نے اس کے خلاف بھی کیا ہے لیکن وہ قابلِ تقلید نہیں۔ جیسے:

"ظلمت عصیاں سے میرے بن گیا شب روز حشر"

یہاں روز حشر بن گئی کہنا صحیح نہ ہوگا۔ اگرچہ اسی استاد نے دوسری جگہ فرمایا ہے:

"تیغ خمیدہ یار کی لوہے کا پل ہوا"

مگر اس کی تقلید درست نہیں ہے۔ قاعدہ یہی ہے کہ فعل مبتدا کے مطابق ہوگا۔

(۱۱) بعض اوقات دو واحد اسم ہم جنس یا مختلف الجنس بلا حرفِ عطف مل کر جمع کی

حالت پیدا کرتے ہیں، تو ایسی حالت میں فعل جمع مذکر آئے گا۔ جیسے: میاں بیوی ہنسی خوشی بسر کرتے ہیں۔ اب تو دن رات چین سے گزر رہے ہیں۔ گھوڑا گھوڑی کلیلیں کر رہے ہیں۔ باپ بیٹا جا رہے ہیں۔

(۱۲) بعض صورتوں میں جب دو لفظ بلا حرف عطف مل کر آتے ہیں اور ایک کلمہ کا حکم رکھتے ہیں تو فعل واحد آتا ہے اور عموماً تذکیر و تانیث آخر لفظ کے لحاظ سے قرار دی جاتی ہے۔ جیسے:

گھوڑا گاڑی بک گئی۔ قلم دوات رکھی ہے۔ دوات قلم رکھا ہے۔ لیکن کبھی کبھی اس کے خلاف بھی آتا ہے، جیسے، تمھارے کھانے میں نمک مرچ زیادہ ہوتا ہے۔

فارسی میں ایسے لفظوں کے درمیان حرف عطف 'وٗ' آتا ہے۔ جیسے کھانے میں آب و نمک ٹھیک ہے۔

لیکن نشو ونما اور آب و گل مذکر اور مؤنث دونوں طرح مستعمل ہیں۔ جیسے:

خاکساری نے اسی دن روشنی پائی تھی ذوقؔ

آدم خاکی کا جس دم آب و گل پیدا ہوا

"شرافت تھی جو آب و گل میں اس کی"

"چشمِ پر آب سے ہے نشو ونما ساون کی" (وزیرؔ)

"خط کو روے یار پر نشو ونما ہوتا نہیں" (ناسخؔ)

لیل و نہار (زمانے کے معنوں میں) واحد اور جمع دونوں طرح مستعمل ہے۔

اگر یہی لیل و نہار ہے۔ یا اگر یہی لیل و نہار ہیں۔ مگر واحد کو ترجیح ہے۔

دن رات، روز و شب جمع استعمال ہوتے ہیں۔

(۱۳) ایک صورت خاص رشتے داروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی رشتے کے دو اسم بلاحرفِ عطف آتے ہیں، ہوتے دونوں واحد ہیں، مگر چوں کہ دو کے ملنے سے جمع کی صورت پیدا ہوتی ہے، دوسرا لفظ باوجود واحد ہونے کے جمع کی صورت میں آتا ہے اور فعل کو بھی اس کی مطابقت لازم ہوتی ہے۔ گویا یہ دونوں مل کر ایک لفظ ہیں جس کی جمع بنائی گئی ہے۔ جیسے:

ماموں بھانجے لڑ پڑے۔ چچا بھتیجے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ یہ باپ بیٹے ذرا سی بات پر اڑ بیٹھتے ہیں۔ مدت ہوئی باپ بیٹوں کا انتقال ہو گیا۔

جب آخر میں دونوں کا لفظ آتا ہے تو واحد یا جمع دونوں صورتیں جائز ہیں۔ جیسے، مدت ہوئی باپ بیٹا دونوں مر گئے یا باپ بیٹے دونوں مر گئے۔

ایک دقّت یہ ہے کہ جمع کی حالت میں بھی یوں ہی بولتے ہیں اور اس لیے واحد اور جمع میں تمیز کرنا دشوار ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ "چچا بھتیجے بیٹھے حقہ پی رہے ہیں" تو اگر ایک بھتیجا ہے تو بھی یونہی کہیں گے اور ایک سے زیادہ ہیں تو بھی یوں ہی۔ مگر عام طور پر واحد ہی مقصود ہوتا ہے۔

ہماری رائے میں جب مراد جمع ہو تو حرف عطف 'اور' لانا چاہیے۔ مثلاً جب کہیں "چچا بھتیجے بیٹھے حقہ پی رہے تھے" تو اس سے مراد واحد ہو۔ لیکن جب تخصیص کے ساتھ بھتیجوں کا جتانا مقصود ہو تو یوں کہنا چاہیے کہ "چچا اور بھتیجے بیٹھے حقہ پی رہے ہیں" اس میں کسی قدر تکلّف تو ہے مگر ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔

(۱۴) جب خبر مصدر ہو اور مبتدا مؤنث تو مصدر کا الف یائے معروف سے بدل جاتا ہے اور اگر مبتدا مذکر ہے تو الف قائم رہتا ہے۔ متاخرینِ لکھنؤ ہر حالت میں مصدر کو اصلی ہی صورت میں رکھتے ہیں۔ اگرچہ اساتذۂ لکھنؤ اس کے پابند نہیں۔ جیسے:

جانا یہ زلف کف میں لینی
ہے سانپ کے منہ میں انگلی دینی

(نسیم لکھنوی)

سرشک دیدہ ہائے تر سے دھوڈالوں گا عصیاں کو
انھیں چشموں سے اے دل آبروئے محشر میں پانی ہے

(امانتؔ)

خواب میں وہ آنے کا کیوں نہ اب کرے وعدہ
یعنی کب جدائی میں مجھ کو نیند آتی ہے

(ناسخؔ)

اب تو میرے حال پر لطف و کرم فرمایئے
ہو چکی ہونی جو تھی جور و جفا دو چار دن

(صباؔ)

(۱۵) بعض عربی اسما ہندی مصادر کے ساتھ اس طرح مل کر آتے ہیں کہ وہ بالکل ان کا جز ہو جاتے ہیں، لہٰذا ان اسما کو فعل کی تذکیر و تانیث میں مطلق دخل نہیں ہوتا، فعل مبتدا کے مطابق ہوگا اور اگر خبر (یا مفعول) موجود ہے تو خبر (یا مفعول) کے مطابق ہوگا۔ جیسے، یہ قرار پایا، یہ بات قرار پائی، یہ امر قرار پایا۔ میں نے یہ امر تجویز کیا۔ میں نے یہ بات تجویز کی، میں نے یہ عرض کیا۔ میں نے یہ بات عرض کی، یہ امر طے پایا، یہ بات طے پائی، یہ طے پایا۔

ان مثالوں میں تجویز، قرار، طے، عرض کو فعل کی تذکیر و تانیث میں کوئی دخل نہیں۔

اسی طرح مثلاً 'یاد کرنا' ایسا مصدر ہے جو اُردو کا ٹھیٹ مصدر ہو گیا ہے اور اس کا استعمال بھی ہندی مصادر کی طرح ہوتا ہے۔ میں نے اُسے یاد کیا، ہم نے ان کو یاد کیا، میں نے سبق یاد کیا، اس نے کہانی یاد کی۔ یہاں 'یاد' کا فعل کی تذکیر و تانیث پر کچھ اثر نہیں۔

لیکن تدبیر کرنا، تاثیر کرنا، تاخیر کرنا، فریاد کرنا، صبر کرنا، تعمیل کرنا، شور مچانا، ہدایت کرنا، سزا دینا وغیرہ مصادر میں جزوِ اوّل الگ لفظ ہے اور اسی لحاظ سے فعل کی تذکیر و تانیث آتی ہے، کیوں کہ یہ لفظ یہاں خود مفعول واقع ہوئے ہیں۔

(۱۶) جس طرح افعالِ ناقصہ میں فعل مبتدا کے مطابق ہوتا ہے، اسی طرح افعال

قلوب میں بھی فعل مبتدا کے مطابق ہوتا ہے۔اس کے مفعول یا خبر کو فعل کی تذکیر و تانیث میں کچھ دخل نہیں۔ جیسے، میں اس عورت کو ہیجڑا سمجھا۔ میں نے اسے بیوقوف خیال کیا۔ کیوں کہ ان افعال کے مفعول کے ساتھ ہمیشہ 'کو' آتا ہے یا مفعولِ ضمیر آتی ہے، اس مبتدا کا فعل پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔

(۱۷) کبھی مبتدا مذکور نہیں ہوتا، قرینے سے معلوم ہو جاتا ہے، لہٰذا خبر اس لحاظ سے تعداد و جنس میں محذوف مبتدا کے مطابق ہوتی ہے۔ جیسے، اب تو آرام سے گزرتی ہے۔(یعنی زندگی۔) کب آئے؟ (یعنی آپ یا وہ۔)

مرکب جملے

جب دو یا دو سے زیادہ جملے مل کر کسی ایک مفہوم یا خیال کو ادا کریں تو وہ مرکب جملہ کہلائے گا۔

اگر یہ جملے نحوی لحاظ سے جداگانہ اور برابر کی حیثیت رکھتے ہوں تو ایسے جملوں کو "ہم رتبہ" جملے کہیں گے۔

ا۔ ہم رتبہ جملے

ہم رتبہ جملے حروفِ عطف کے ذریعے سے باہم ملے ہوتے ہیں۔ اُردو میں مثل دوسری زبانوں کے ان کی چار قسمیں ہوسکتی ہیں:

(۱) وصلی (۲) تردیدی (۳) استدراکی اور (۴) سببی

(۱) وصلی جملے:۔ دو ہم رتبہ جملوں کو باہم وصل کرنے کے لیے حروفِ عطف "اور" آتا ہے۔ ان میں سے ہر جملہ برابر کی حیثیت کا اور ایک دوسرے سے آزاد ہوتا ہے۔

جیسے، میں آیا اور وہ چلا گیا۔ سورج صبح کو نکلتا اور شام کو غروب ہو جاتا ہے۔

بعض اوقات ''پھر'' بھی یہ کام دیتا ہے۔ جیسے، پہلے تو وہ اسباب جمع کرتا رہا، پھر چل دیا۔

(۲) تردیدی جملے:۔ یہ وصلی جملوں کی ضد ہیں، یعنی یہاں حرف عطفِ تردید دو جملوں کو معناً جدا کرتا ہے۔ اس کے لیے عموماً حرف ''یا'' استعمال ہوتا ہے۔ 'اُسے گھر بھیج دو یا باہر نکال دو'۔

کبھی ''کہ'' ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، تم نے کچھ دیا کہ نہیں۔ وہ گیا کہ نہیں۔

کبھی ''نہیں تو'' اور ''ورنہ'' بھی حروفِ تردید کا کام دیتے ہیں۔ جیسے، حاکم ہمدرد ہونا چاہیے، ورنہ رعایا تباہ ہو جائے گی۔ اُسے جلدی چھوڑ دو، نہیں تو بہت مشکل پڑے گی۔

بعض اوقات 'خواہ... خواہ' اور 'چاہے... چاہے' بھی تردید کے لیے آتے ہیں۔ جیسے، چاہے رہے چاہے جائے۔ خواہ خود آ جائیں، خواہ مجھے بلا لیں۔

'نہ... نہ' بھی تردید کے لیے آتے ہیں۔ جیسے، نہ خود گیا نہ مجھے جانے دیا۔

اس قسم کے جملوں میں عموماً پہلا ''نہ'' محذوف ہوتا ہے۔ جیسے: خود گیا نہ مجھے جانے دیا۔ وہاں آقا تھا نہ نوکر۔

(۳) استدراکی جملے:۔ ہم رتبہ استدراکی جملوں میں دو بیانات کا باہم مقابلہ ہوتا ہے۔ یہ جملے تین قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) دوسرا بیان پہلے بیان کے مخالف یا اس سے خارج ہو۔

(۲) دوسرا بیان پہلے بیان کو صرف مقید یا محدود کرتا ہو۔

(۳) یا پہلے بیان کی توسیع یا ترقی ہو۔

ان کے لیے عموماً حروف، لیکن، مگر، پر، سو، بلکہ، استعمال ہوتے ہیں۔ مثالیں اُسی ترتیب سے دی گئی ہیں، جس ترتیب سے تقسیم کی گئی ہے۔

(۱) چکور اور شہباز سب اوج پر ہیں
مگر ایک ہم ہیں کہ بے بال و پر ہیں

وہ تمھارے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہے، مگر تم چاہو کہ روپیہ ہاتھ آئے تو اس سے

ہاتھ دھو رکھو۔

(۲) وہ وعدے تو بہت کرتا ہے، لیکن یاد نہیں رکھتا۔ وہ ساتھی تو ہے، پر مصیبت کا ساتھی نہیں۔ دوست ہے مگر وقت پر کام نہیں آتا۔

(۳) خوشامد سے ایک دنیا ہی نہیں ملتی، بلکہ خدا بھی اس سے ملتا ہے۔ یہ ایک کیا بلکہ ایسے سو ہوں تو مار ہٹاؤں۔

اس نے صرف طوطا چشمی ہی نہیں کی بلکہ طرح طرح کی تکلیفیں بھی پہنچائیں۔

ان مثالوں سے 'مگر'، 'لیکن' (پر) اور 'بلکہ' کے استعمال میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے اور قابلِ لحاظ ہے، کیوں کہ ان کے استعمال میں اکثر غلطی ہو جاتی ہے۔

نظم میں 'پر'(۱) کی بجائے 'پہ' بھی استعمال ہوتا ہے۔ کبھی 'سو' بھی ان معنوں میں آتا ہے مگر بہت کم۔ جیسے،

ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں، سو وہ بھی نہ ہوا

بعض اوقات 'اور' بھی محاورے میں مگر کے معنی دے جاتا ہے۔ جیسے، ایسا فاضل اور نکما۔ اتنا بڑا باکمال اور اس قدر تنگ دل۔

بعض اوقات مگر اور لیکن، گو اور اگرچہ کے جواب میں آتے ہیں۔ جیسے، اگرچہ وہ بہت بڑا دولت مند ہے، لیکن دل کا چھوٹا ہے۔

(۴) سببی جملے:- ان جملوں کے ایک جز میں دوسرے جز کے سبب، وجہ، یا نتیجے کا ذکر ہوتا ہے۔ جو جملہ کہ علت یا سبب کو ظاہر کرتا ہے وہ عموماً 'کیوں کہ'، 'اس لیے کہ'، 'اس واسطے کہ' سے شروع ہوتا ہے۔ جیسے، میں ان کا ساتھ دوں گا کیوں کہ (اس لیے کہ یا اس واسطے کہ) مصیبت کے وقت اُنھوں نے میرا ساتھ دیا تھا۔

جو جملہ نتیجے یا اثر کو ظاہر کرتا ہے اس کے شروع میں 'اس لیے'، 'پس' یا عربی کا 'لہٰذا'

---

(۱) 'پر' سنسکرت کے 'پران' سے بنا ہے اور پہ 'پر' کا مخفف ہے۔ اہلِ لکھنؤ بالفتح بولتے اور لکھتے ہیں۔ لیکن صحیح زیر سے ہی معلوم ہوتا ہے کیوں کہ برج بھاشا میں بالکسر ہی آتا ہے۔

آتا ہے۔ جیسے، اس نے میرا کہنا نہ مانا اس لیے (لہٰذا) میں اس سے قطع تعلق کرتا ہوں۔

ایسے مرکب جملے میں جز اوّل کے ساتھ عموماً 'چوں کہ' استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، چوں کہ وہ بہت شریر اور نااہل ہے اس لیے میں اسے منہ نہیں لگاتا۔

کبھی 'پس' بھی ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، چوں کہ اس نے بلا اجازت ایسا کام کیا ہے پس (یا لہٰذا) اسے سزا بھگتنی چاہیے۔

تابع جملے

تابع جملوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) اسمی (۲) وصفی (۳) تمیزی

اصل جملے کو خاص اور اس کے ماتحت جملے کو تابع جملہ کہیں گے۔

(۱) اسمی جملہ:- اسمی جملے سے ہماری مراد ایسا جملہ ہے جو بجائے خود ایک اسم کا کام دے اور جملے کی ترکیب میں بجائے ایک اسم کے ہو۔ جیسے، میرا ایمان ہے کہ خدا ایک ہے۔ یہاں "خدا ایک ہے" بجائے ایک اسم کے ہے۔ یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ توحید میرا ایمان ہے۔ اسمی جملہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ، جو اصل جملے کے فعل سے مبتدا کا تعلق رکھتا ہو یا جو مبتدا کا بدل ہو۔ دوسرا وہ، جو اصل جملے کے فعل کو یا خبر کے کسی تابع کو محدود کرے، یا اس پر اثر ڈالے۔

تمام اسمی جملوں کی ابتدا عموماً حرف "کہ" سے ہوتی ہے۔ جیسے، اس نے کہا کہ میں بیمار ہوں۔ کون نہیں جانتا کہ میرا نام احمد ہے۔ وہاں وہ چہل پہل تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ (یہاں تابع جملہ خاص جملے کے مبتدا سے متعلق ہے۔) یہ صاف ظاہر ہے کہ وہ اس کا کام نہیں ہے (یہاں تابع جملہ مبتدا 'یہ' کا بدل ہے۔)

جب خاص جملے میں الفاظ 'مناسب ہے'، 'لازم ہے'، 'چاہیے' وغیرہ آئیں اور فرض واجبیت وغیرہ ظاہر کریں تو تابع جملے میں مضارع آئے گا۔ جیسے، مناسب ہے کہ آپ خود

چلے جائیں۔ لازم تو یہ ہے کہ خود آ کر معافی مانگے۔ ان کو چاہیے کہ ابھی بھیج دیں وغیرہ۔

اسمی جملہ جس کا تعلق خبر سے ہوتا ہے۔ وہ جملے کے فعل کا مفعول واقع ہوتا ہے۔ جیسے، اس نے کہا تم گھبراؤ نہیں۔ وہ گلی گلی کہتا پھرتا تھا آگ لگی رے آگ لگی۔ تم دیکھ کر آؤ کہ سامنے کون چلا آ رہا ہے۔

کبھی کبھی اور خاص کر چھوٹے فقروں اور مقولوں کے قبل 'کہ' محذوف ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا جاؤ اب نہ آنا۔ اس نے کہا دوست یہاں آؤ۔

کبھی تابع جملہ خاص جملے سے قبل بھی آ جاتا ہے۔ جیسے، ''چلو مدینے، چلو مدینے'' ہر طرف سے یہی صدا آ رہی تھی۔

کبھی 'جو' بھی 'کہ' کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، اپنا باوا سے کیوں نہیں کہتے جو تمھیں بھجوا دیں۔

کبھی 'کہ' خاص جملے کے فعل کی وجہ یا مقصد کے اظہار کے لیے آتا ہے جیسے، 'میں تمھیں اس لیے پہلے بھیجتا ہوں کہ تم ان سے مل سکو'۔ ایسے موقع پر 'کہ' تاکہ کے معنوں میں آتا ہے۔ اظہارِ مقصد کے لیے 'اس لیے' اور 'کیوں' کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے، وہ اس لڑکے سے محبت کرتا ہے اس لیے کہ وہ اس کا اکلوتا بیٹا ہے۔ وہاں جاتے ہوئے ڈرتا ہوں کیوں کہ وہ میرا جانی دشمن ہے۔

بعض اوقات منفی فقرہ 'ایسا نہ ہو' کے ساتھ اظہارِ غرض کے لیے آتا ہے۔ جیسے، ان سے زیادہ باتیں نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ وہ خفا ہو جائیں۔

جب اسمی جملہ کسی نتیجے کو ظاہر کرتا ہے تو:

(۱) توقع، تمنا یا دعا کے اظہار کے موقع پر فعل مضارع آتا ہے۔ جیسے، ایسی تقریر کرو کہ ہزاروں کا چندہ ہو جائے۔ خدا کرے کہ وہ کامیاب ہو جائے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ یہاں آئے۔

(۲) ناممکن یا محال کا اظہار ہوتا ہے تو زمانہ حال کے لیے مضارع اور زمانہ گزشتہ کے

لیے ماضی شرطیہ (یا تمنائی) آتی ہے۔ جیسے، اس کی کیا طاقت ہے جو یہاں ایسا کرے۔ اس کی کیا طاقت تھی جو ایسا کرتا۔

(۲) وصفی جملے:۔ وصفی جملہ وہ ہے جو صفت کا کام دے اور خاص جملے کے کسی لفظ یا فقرے کی تعریف کرے۔ جیسے، 'اُس نے اُنھیں لڑکوں کے نام پکارے جو کتاب میں درج تھے'۔ یہاں 'جو' کے بعد کا جملہ ''کتاب میں درج تھے'' نام کی تعریف کرتا ہے۔

تمام وصفی جملے موصولہ یا اشاری ضمیروں کے ساتھ آتے ہیں۔ جیسے، وہ کام جو آپ سے نہ ہوسکا میں کیسے کرسکتا ہوں۔

جب تاکید یا زور دینا مقصود ہوتا ہے تو اس اسم کو جس کی تعریف جملہ وصفیہ کرتا ہے بہ تکرار استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے، جو کام آپ نہیں کرنا چاہتے تھے آخر وہی کام آپ کو کرنا پڑا۔

وصفی جملوں کے ساتھ عموماً ضمیر موصولہ یا اشارہ آتی ہے اور اس کے جواب میں دوسرے جملے میں دوسری ضمیر آتی ہے جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہے۔ لیکن بعض اوقات خاص کر نظم میں دوسری ضمیر محذوف ہو جاتی ہے۔ جیسے، جو مجھ پر گزرتی ہے، تم کیا جانو۔

بعض اوقات ضمیر موصولہ محذوف ہوتی ہے۔ جیسے: ڈرا سو مرا۔ ہو سو ہو۔ تم کرو گے سو اچھا ہی کرو گے۔

کبھی مرجع اور ضمیر موصولہ دونوں محذوف ہوتے ہیں۔ جیسے، 'خوب سانپ مارا'۔ ایسا عموماً بول چال کے فقروں اور نظم میں ہوتا ہے۔

بعض اوقات اس حالت میں جہاں تعلق صاف ظاہر ہے دونوں ضمیریں محذوف ہو جاتی ہیں۔ جیسے، اچھا کیا نفس مارا۔

جب اظہارِ واقعہ صاف طور پر ہوتا ہے تو افعال مطلق آتے ہیں جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہے۔ مگر دوسری حالتوں میں مضارع یا افعال احتمالی وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے:

(۱) مثلاً جب وصفی جملہ کسی فعل کے مقصد، غرض یا نتیجے کو ظاہر کرے۔ جیسے، یہ درخت

اتنا مضبوط نہیں ہے جو وہ آسانی سے اس پر چڑھ جائے۔ وہ شریف نہیں ہے جو میں اسے منہ لگاؤں۔

(۲) جہاں تعداد، کیفیت وکمیت کی تعین نہ ہو اور خاص افراد مقصود نہ ہوں۔ جیسے، وہ کتابیں جن میں اس مضمون کی پوری تشریح ہو۔ ایسا پانی جس میں نام کو غلاظت نہ ہو۔ ایسی تدبیر کرو جو سب کو مار رکھے۔ ایسا واعظ بلاؤ جو سب کو تڑپا دے۔

کبھی تابع جملے میں بھی اسی قدر ضمیریں ہوتی ہیں جتنی خاص جملے ہیں۔ جیسے، جو جسے پسند آئے وہ ویسا ہی کرے۔

کبھی ''جہاں'' بجائے اسم یا ضمیر کے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، مبارک ہے وہ شہر جہاں سے تم آئے۔

کبھی 'کہ' بجائے 'جو' کے وصفی جملے کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے، ایسی چیز تو میرے پاس ایک بھی نہیں کہ آپ پسند فرمایں۔ یہ ایسا آدمی نہیں ہے کہ میں اس پر اعتماد کر سکوں۔

(۳) تمیزی جملے:۔ تمیزی جملہ درحقیقت تمیز کی طولانی صورت ہے۔ یہ خاص جملے کی خبر کی بلحاظ وقت و مقام طور طریقے کے تعریف کرتا ہے یا کسی دوسری تمیز کی۔

وقت کے لیے جو تمیزی جملے آتے ہیں ان کی ابتدا میں 'جو' یا 'جب' آتے ہیں اور ان کے جواب میں 'تو' (یا کبھی تب)۔ جیسے، جب میں ہی نہ رہا تو مجھے اس سے کیا۔ جب تک میں ہوں تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔

کبھی وقت کے تمیزی الفاظ کے ساتھ بعض اوقات 'سے' اور 'تک' مل کر بھی آتے ہیں۔ جیسے، جب تک۔ کب سے وغیرہ۔

بعض دوسرے اسم مثلاً وقت، دم، دن وغیرہ جو وقت کو ظاہر کرتے ہیں، ان ضمائر موصولہ کے ساتھ جملے میں آتے ہیں اور ان کا جواب خاص جملے میں ہوتا ہے۔ جیسے، جس وقت وہ پہنچا اس وقت میں سو رہا تھا۔

کبھی کبھی ایسا تمیزی جملہ ''کہ'' سے شروع ہوتا ہے۔ جیسے، 'وہ بہت اداس بیٹھا تھا کہ

یہ خوش خبری پہنچی'۔ کبھی 'جو' ان معنوں میں آتا ہے۔ جیسے، سب سوچ میں بیٹھے تھے جو اس نے یہ کہا۔ (یہاں جو کے معنی 'کہ اتنے میں' کے ہیں)۔

بعض اوقات تمیز زمانی محذوف ہوتی ہے۔ جیسے، سب نے چیخنا چلّانا شروع کیا تو وہ بھاگ گیا۔

تمیزی جملہ مکانی، 'جہاں' اور 'جدھر' کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے، جہاں وہ جاتا ہے وہیں تم جاتے ہو۔ جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے۔

کبھی جوابی 'وہاں' یا 'ادھر' محذوف بھی ہوتے ہیں۔ جیسے، جہاں سینگ سمائیں چل دو۔

تمیزی جملہ کبھی طور وطریقے کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے ساتھ 'جونہیں' یا 'جیسے' آتا ہے۔ مثلاً، 'جونہیں وہ دروازے سے نکلا تھا کہ میں پہنچا'۔ پہلے ''جونہیں'' کے جواب میں ''وو ہیں'' استعمال ہوتا تھا مگر آج کل متروک ہے۔ اگر ایسی ہی ضرورت ہوتی ہے تو 'کہ' یا 'جو' لے آتے ہیں۔ اور 'جیسے' کے جواب میں 'ویسے'۔ مثلاً، جیسے آپ مجھ پر مہربانی فرماتے ہیں ویسے اس پر بھی نظرِ کرم رکھیے گا۔

اکثر 'ویسے' محذوف ہوتا ہے۔ مثلاً: جیسے آپ کہیں میں کرنے کو تیار ہوں۔ جیسے بنے انھیں ساتھ لیتے آؤ۔

بعض اوقات 'جوں جوں' اور 'جیسے جیسے' بھی استعمال ہوتے ہیں اور ان کے جواب میں 'ووں ووں' تو شاذ و نادر اور 'ویسے ویسے' بہت کم آتے ہیں۔ جیسے:

''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی''۔

جیسے جیسے وہ خط پڑھتا جاتا تھا اس کا رنگ متغیر ہوجاتا تھا۔

'جوں جوں' اور 'جیسے جیسے' والے تمیزی جملوں میں جب کہ گزشتہ زمانہ ہو، ہمیشہ افعالِ ماضی ناتمام کی کوئی نہ کوئی صورت استعمال ہوتی ہے۔ مثلاً جوں جوں میں اُسے سمجھاتا تھا وہ اور بگڑتا تھا۔ جیسے جیسے وہ قریب آتا گیا میں دور ہوتا گیا وغیرہ وغیرہ۔

'جب'، 'جیسے' اور 'ایسے' محض تشبیہا استعمال ہوتے ہیں اور تشبیہہ خیالی اور فرضی ہو تو فعل

مضارع استعمال ہوگا۔ جیسے، یہ حرف تو ایسا لکھا ہے، جیسے انگوٹھی میں نگینہ جڑا ہو۔ وہ اس طرح دفعتاً اس پر آ گرا جیسے آسمان سے بجلی گرے۔

لیکن تشبیہہ حقیقی ہو تو فعل خبریہ آتا ہے۔ جیسے: یکایک اس طرح پتھر برسنے لگے، جیسے ساون میں مینھ برستا ہے۔ (یہ استعمال زیادہ تر بولنے یا لکھنے والے کی مرضی یا طرزِ بیان پر منحصر ہوتا ہے۔)

تمیزی جملہ سببی، خاص جملے کی علت یا وجہ کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کی ابتدا عموماً 'جو' سے ہوتی ہے، جس کے معنی ''چوں کہ'' ہوتے ہیں اور اس کا جواب 'تو' یا 'سو' ہوتا ہے۔ جیسے، ہم جو اس تکلیف اور مصیبت میں ہیں تو ہماری کوئی بات نہیں پوچھتا۔

بعض اوقات تمیزی جملہ سببی، شرط کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ خاص جملہ، شرط اور جملہ تابع، جزا کہلاتا ہے۔ شرطی جملے میں 'جو' یا 'اگر' اور جزا میں 'تو' آتا ہے۔ جیسے، جو حال یہ ہے تو خدا ہی حافظ ہے۔

شرطی جملوں کے ساتھ افعال کے استعمال میں احتیاط لازم ہے۔ شرط میں تین حالتیں پائی جاتی ہیں:۔

(۱) امکانی (۲) حقیقی (۳) غیر امکانی

(۱) صورت امکانی:۔ بعض اوقات ممکن ہے کہ شرط ذہن میں امکانی صورت رکھتی ہو لیکن واقعے کے مطابق نہ ہو۔ ایسی حالت میں فعل مضارع یا افعال احتمالی استعمال کیے جائیں گے۔

لیکن جب علت یا نتیجہ یقینی ہو تو اس وقت خاص جملے کا فعل مطلق ہوگا۔ جیسے: اگر وہ کل آ گیا تو میں کیا کروں گا۔ وہ تمھارے ہی پاس رہے تو اچھا ہے۔

مگر جب نتیجہ امکانی صورت رکھتا ہے تو فعل مضارع یا کوئی فعل احتمالی استعمال ہوگا۔ جیسے، میں سوچ لوں تو جواب دوں (یہاں شرط اور جزا دونوں میں فعل مضارع استعمال کیا گیا ہے۔) اگر آپ اس سے پیچھا چھڑانا ہی چاہتے ہیں تو ایک تدبیر عرض کروں۔

۲۔ جب صورت شرط واقعی ہے یعنی مستقبل یا گزشتہ یا زمانہ حال میں جیسی وقوع کی صورت ہو، تب شرطی جملے میں فعل مستقبل ہوگا یا کوئی اور فعل مطلق؛ لیکن جزا میں حسب حالات مذکورہ فعل مضارع یا احتمالی یا مطلق آئے گا۔ جیسے: جو تم اُسے چھیڑو گے تو خفا ہو جائے گا۔ میں اگر اُسے مارتا ہوں تو بھاگ جائے گا۔ جو تم ہی نہ آئے تو پھر کون آئے گا۔ تم نے نہیں کہا تو اور کس نے کہا۔

۳۔ تیسری صورت جب کہ شرط اور جزا دونوں خلاف واقعہ اور ناممکن الوقوع ہوں۔

شرطی فقرے میں ایسی شرط کا اظہار ہوتا ہے جو وقوع میں نہیں آئی۔ مگر جزا میں اُس نتیجے کا اظہار ہوتا ہے جو شرط کے قاصر رہنے کی وجہ سے واقع نہیں ہونے پایا۔ ایسی صورت میں عموماً فعل ماضی شرطیہ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، اگر میں اُن سے پوچھتا تو وہ مجھ سے کہہ دیتے۔ اگر وہ مر جاتا تو سارا پاپ کٹ جاتا۔

بعض اوقات ایسے موقع پر خبر میں ماضی بعید بھی استعمال ہوتی ہے۔ جیسے، 'وہ چاہتا تو آ سکتا تھا'۔ کبھی 'تھا' یا 'ہوتا' بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے، وہ آ جاتا تو اچھا تھا یا اچھا ہوتا۔

حرف شرط عموماً محذوف بھی ہوتا ہے۔ جیسے، وہ آئے تو میں چلوں۔ وہ کہتا تو میں ضرور جاتا۔

اس موقع پر ''ہو تو ہو'' محاورے کا بھی خیال رہے جو محض تاکید کے لیے آتا ہے۔ جیسے، ''غسل میت ہی ہمارا غسلِ صحت ہو تو ہو''

جو جملے ''نہیں تو'' یا ''ورنہ'' کے ساتھ آتے ہیں، ان میں پورا فقرہ شرطیہ محذوف ہوتا ہے۔ مجھے اس کے حکم کی تعمیل ضرور ہے ورنہ خدا جانے وہ کیا کر بیٹھتے (یعنی اگر میں نے اس کے حکم کی تعمیل نہ کی تو...) اگر آپ نے قبول کیا تو بہتر، ورنہ مجھے اس کے پاس جانا پڑے گا (یعنی اگر آپ نے قبول نہ کیا تو...)

بعض اوقات تمیزی جملہ امکانی اور شرطی دونوں ہوتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ شرطی جملہ 'جب' سے شروع ہوتا ہے اور جزا میں 'تو' آتا ہے۔ جیسے، جب وہی نہیں آتا تو میں

کیوں جاؤں۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حرف شرط 'جب' جملے میں محذوف ہوتا ہے اور صرف 'تو' سے ظاہر ہوتا ہے کہ جملہ شرطیہ ہے۔ جیسے، میں چلنے لگا تو وہ رو رو کر مجھے لپٹنے لگے۔

کبھی حرف جزا 'تو' بھی محذوف ہو جاتا ہے۔ جیسے کیا ہوا اگر ہم نہ گئے۔

استدراکی جملہ بھی ایک قسم کا شرطی جملہ ہوتا ہے اور افعال کے استعمال میں اس پر بھی وہی قواعد حاوی ہیں جو شرطیہ جملے پر۔ جملۂ تابع کے ساتھ الفاظ تو بھی، پر، تاہم، لیکن اور مگر آتے ہیں۔ جیسے، اگرچہ یوں تو وہ بے وقوف ہے مگر اپنے مطلب میں بہت ہوشیار ہے۔ اگرچہ وہ بہت متحمل ہے تاہم انسان ہے، غصہ آ ہی جاتا ہے۔ اگرچہ میری اس سے اچھی ملاقات ہے تو بھی ایسی فرمائش کرتے ہوئے تامل ہوتا ہے۔ تو اس وقت وہ نہ مانے مگر آخر ایک روز ماننا پڑے گا۔

بعض اوقات 'خواہ' یا 'چاہے' شرطی جملے میں شرطی حرفِ عطف کے بجائے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے، خواہ اس نے نیک نیتی ہی سے کیا ہو مگر کیا بہت برا۔ چاہے وہ کچھ ہی کہے، پر مجھے یقین نہیں آتا۔

جملے میں الفاظ کی ترتیب

۱۔ عموماً جملے کے تین حصّے ہوتے ہیں:

(۱) مبتدا

(۲) خبر

(۳) فعل ربط

جیسے، احمد ہوشیار ہے۔

لیکن متعدی افعال کی صورت میں اوّل مبتدا (یا فاعل)، اس کے بعد مفعول اور اس کے بعد فعل خبر ہوتا ہے۔

۲۔ اُردو میں یہ ترتیب اکثر قائم نہیں رہتی اور کبھی تاکید اور زور دینے کی خاطر، کبھی تعجب، افسوس یا خوشی کے لیے اور کبھی محض قافیے کے خیال سے اس ترتیب میں تغیر و تبدل واقع ہو جاتا ہے۔ جیسے، ایسے ہوتے ہیں قوم کے سردار اور محسن۔ حیف ہے تجھ پر۔ کون ہے جو تمھیں نہیں جانتا؟ لعنت ہے ایسی حرکات پر۔ وغیرہ وغیرہ۔

۳۔ فعل متعدی کا مفعول اس کے بالکل متصل قبل آتا ہے۔ جیسے، میں نے اُسے بلالیا۔ لیکن جب زور دینا مقصود ہوتا ہے تو مفعول جملے کے شروع میں آتا ہے۔ جیسے، اس عیّار سے میں کیوں کر نبھا سکوں گا۔

خود فعل جب شروع میں آتا ہے تو اس سے زور ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے، ماروں کیا میں

تجھے؟ دوں ایک تھپڑ۔

جب مفعول دو ہوں تو مفعول قریب جو (عموماً اشیا کے متعلق ہوتا ہے) فعل کے متصل آتا ہے۔ جیسے، میں تمھیں انعام دوں گا۔ نیز جو الفاظ فعل کی غرض و غایت ظاہر کرتے ہیں وہ ہمیشہ فعل کے متصل آتے ہیں۔ جیسے، میں تمھیں سمجھانے آیا ہوں۔ لیکن جب زور مقصود ہوتا ہے تو یہ الفاظ بھی فعل کے بعد آتے ہیں۔ جیسے، یہ شخص اتنی دور سے آیا ہے صرف تمھاری ہدایت کے لیے۔

۴۔ بعض اوقات بلالحاظ زور و تاکید کے مفعول اوّل آجاتا ہے۔ جیسے، آدمی کو آدمی کھائے جاتا ہے۔ جب 'ہونا' سے مشتق افعال آتے ہیں تو خبر اوّل آتی ہے۔ جیسے، ناصح کو سودا ہوا ہے۔ خصوصاً طوری حالت میں۔ جیسے گھر میں کوئی شخص نہیں۔ حامد کے پاس طوطا ہے۔

لیکن مفصلۂ ذیل امثلہ میں مفعول زور دینے کی غرض سے اوّل آیا ہے:

ان چیزوں کو تم کہاں لیے جاتے ہو؟

یہ کاغذ میرے کام کے نہیں۔

جو تم کہو گے وہی کروں گا۔

۵۔ جہاں دو چیزوں کا مقابلہ ہوتا ہے وہاں زور اور تاکید کا ایک لفظ جملے کے پہلے حصّے کے شروع میں آتا ہے اور دوسرا لفظ دوسرے حصّے کے شروع میں۔ جیسے، کمائیں میاں خان خاناں اور لٹائیں میاں فہیم۔ دکھ میرے لیے ہے اور سکھ تمھارے لیے۔ محنت میں کروں اور چین وہ کرے۔

۶۔ فجائیہ جملوں میں بھی اظہارِ نفرت، تعجب و افسوس وغیرہ کے لیے ترتیب بدل جاتی ہے اور الفاظ تعجب و افسوس وغیرہ جملے کے شروع میں آتے ہیں۔ جیسے لعنت ہے ایسے کام پر۔ افسوس تمھاری حالت پر۔ ایسے جملوں میں فعل ربط اکثر محذوف ہوتا ہے۔

۷۔ لفظ ندا عموماً اوّل آتا ہے لیکن زور دینے کے لیے آخر میں آجاتا ہے۔ جیسے، تو نے ایسا کیا کیوں ظالم! تیری یہی سزا ہے کم بخت!

۸۔ جب ضمائر شخصی ہر سہ قسم ایک جگہ جمع ہو جائیں تو ترتیب حسب ذیل ہوگی۔

اوّل ضمیر متکلم دوم ضمیر مخاطب اور سوم غائب، جیسے:

ہم تم مل کے چلیں گے۔ ہمیں تمھیں وہ ایک ہی سمجھتے ہیں۔ ضمیر موصولہ ہمیشہ اوّل آتی ہے۔ جیسے، جو تم کہو وہی کروں گا۔

۹۔ ہر قسم کی صفات اُن اسما سے قبل آئیں گی جن کی وہ صفت بیان کرتی ہیں۔ لیکن جس وقت وہ بعد میں آتی ہیں تو عموماً خبر کے طور پر استعمال ہوتی ہیں یا زور دینے یا خصوصیت ظاہر کرنے کی غرض سے۔ جیسے، یہ بڑا غدّار شہر ہے۔ اس اُجڑے گاؤں میں کیوں چلے گئے۔ وعدہ پکّا کرو۔ وہ ہمیشہ کا دکھیا ہے۔ وہ کچھ ہو بھی گئے ہیں مغرور۔

بعض اوقات زور دینے کے لیے صفت کو اسم سے علاحدہ کر کے جملے کے آخر میں لاتے ہیں۔ جیسے، یہ جنگ ہے بڑی خوفناک اور خوں ریز۔ چلتے چلتے ایک بڑا پہاڑ ملا، ہرا بھرا اور بہت اونچا۔

۱۰۔ اُردو میں بدل مبدل منہ بطور صفت موصوف کے ہوتے ہیں۔ یعنی بدل اوّل آتا ہے مبدل منہ سے، جس کی وہ ایک قسم کی صفت ہے۔ جیسے، کلّو چمار آیا تھا۔ حاجی کا بیٹا شمسو گیا۔ کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ جیسے تمھارا بھائی احمد کہاں ہے؟

۱۱۔ ترکیبِ اضافی میں بعض اوقات ترتیب بدل جاتی ہے اور یہ فارسی کا اثر ہے۔ جیسے، یہ قلم آپ کا ہے۔ یہ کتاب میری ہے۔

بعض اوقات مضاف الیہ اور مضاف میں فصل پڑ جاتا ہے۔ جیسے، یہاں تیرا کیا کام ہے۔ تمھارا کیوں نہ دم بھروں۔ لیکن یہ فصل وہیں تک جائز ہے کہ مطلب مبہم نہ ہو جائے۔

۱۲۔ تمیزی الفاظ یا فقرے۔ جیسے جلدی چلو۔ وہ شہر میں رہتا ہے۔ وہ مجھے ہر روز ستاتا ہے۔ عموماً ان الفاظ کے قبل آتے ہیں جن سے اُن کا تعلق ہوتا ہے۔ بعض اوقات وہ فعل اور اس کے مفعول کے درمیان آجاتے ہیں۔ عام طور پر یوں سمجھنا چاہیے کہ جوں جوں وہ ایسے الفاظ سے دُور ہو جاتے ہیں ویسے دو اجزا کے درمیان لانے سے زور پیدا کیا جاتا ہے۔ جیسے

اس کا مزاج چڑچڑا بہت ہے۔ یہ کہو تم آ ؤ گے کب۔ اب تمھیں چھوڑ کر جاؤں کہاں۔

لیکن جب تمیز کا تعلق کل جملے سے ہوتا ہے تو جملے کے اوّل آتی ہے۔ جیسے، دفعتاً وہ چھت پر سے گر پڑا۔

۱۳۔ 'ہی'، جو تمیز کے طور پر استعمال ہوتا ہے اس کا استعمال اُردو میں بہت کثرت سے ہے اور اسم، ضمیر، صفت، فعل کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے، گھر ہی میں رہو۔ آپ ہی چلیں۔ خوب ہی برسا۔ کسی طرح جاتا ہی نہیں۔ وہ سُنتے ہی چل دیا۔

'ہے' کے بعد جب ہی آتا ہے تو اس کا تلفظ اس طرح ادا ہوتا ہے گویا ''ہ'' نہیں ہے اور 'ہے' کے بعد ایک 'ی' اضافہ کردی گئی ہے، یعنی ہئی۔ جیسے: یہ تو ھئی اب دوسرے کی فکر کرو۔

جہاں فعل کے دو جز ہوتے ہیں وہاں یہ ان کے درمیان آتا ہے۔ جیسے، میں تو کروں ہی گا۔ میں تو تیار ہوں پر وہ کسی طرح چلتا ہی نہیں۔

جب فعل کے ساتھ حالیہ معطوفہ ہو تو ''ہی'' ان دونوں کے درمیان آتا ہے۔ جیسے، آدمی کچھ کھو کر ہی سیکھتا ہے۔ اُس نے مجھے سمجھ کر ہی کہا۔

۱۴۔ فعل جب مفرد ہوتا ہے تو حرف نفی ہمیشہ اوّل آتا ہے، مگر مرکب ہونے کی حالت میں فعل کے اوّل نیز ہر دو جز کے درمیان دونوں طرح جائز ہے۔ جیسے، میں نہیں جاسکا۔ میں جا نہیں سکتا۔ اُسے نہ جانے دو۔ اُسے جانے نہ دو۔ اس کا حال کہا نہیں جاتا۔ اس کا حال نہیں کہا جاتا۔

مفرد فعل کے ساتھ بھی نہیں کبھی بعد میں آجاتا ہے۔ جیسے: مانتا نہیں۔ اٹھو مت۔ اس میں کسی قدر تاکید پائی جاتی ہے۔

فعل مجہول میں بھی جب حرف نفی امدادی فعل کے متصل آتا ہے تو اس میں بھی نفی کی تاکید مقصود ہوتی ہے۔ جیسے، مجھ سے یہ الفاظ سُنے نہیں جاتے۔

مرکب افعال کے اجزا میں زور اور تاکید کی غرض سے صرف حرف نفی سے فصل نہیں ہوتا بلکہ دوسرے الفاظ سے بھی اسی غرض کے لیے فصل آتا ہے۔ جیسے، ہوں تو میں ایسا ہی۔

وہ ہوتو ایسا ہی گیا ہے۔

۱۵۔'ہی' کی طرح 'بھی' بھی انھیں الفاظ کے متصل آتا ہے جن پر زور دینا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے، میرا بھی ایک بھائی وہاں نوکر تھا (یہاں صرف بھائی کی ملازمت کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا مقصود ہے) اسی طرح، میرا ایک بھائی نوکر بھی تھا۔ (یہاں صرف ملازمت پر بے کاری کے مقابلے میں زور دینا مقصود ہے۔)

۱۶۔'تو' بھی زور دینے کے لیے آتا ہے اور ہمیشہ اس لفظ کے بعد استعمال ہوتا ہے جس پر زور دینا مقصود ہے۔ وہ تو ضرور آئے گا۔

مگر جب یہ لفظ شرط کے جواب میں آتا ہے تو وہاں صرف جزا کے لیے آتا ہے۔ اگر وہ آج آجائے تو بہت اچھا ہے، اگر آپ اجازت دیں تو جاؤں۔

۱۷۔حروف عطف اور، کہ، یا، پر، لیکن، مگر، جو، اگرچہ، جملے کے شروع میں آتے ہیں؛ لیکن زور کے مقام پر زور دینے کے الفاظ ان سے اوّل ہو جاتے ہیں۔ جیسے، وہ شخص اگر آیا بھی تو میں اُسے منہ نہ لگاؤں گا۔ وہ اگرچہ بڑا عالم فاضل ہے مگر تمیز چھو کے نہیں گئی۔

۱۸۔مرکب جملوں میں بھی ایسا ہوتا ہے کہ زور دینے کی غرض سے مابعد کا جملہ ماقبل ہو جاتا ہے۔ جیسے، اس کا دل بڑا ہی سخت ہوگا جس نے ایسی سزا اس غریب کو دی ہے۔

شرط کا جملہ ہمیشہ جزا سے قبل آتا ہے۔ اسی طرح وہ تمیزی جملے جو زمان و مکان یا حالت ظاہر کرتے ہیں خاص جملے سے قبل آتے ہیں۔ لیکن اگر زور خاص جملے پر ہے تو وہ اوّل آتا ہے۔ جیسے، یہ تو ہم اسی وقت سمجھ گئے تھے جب اس نے ایسی حرکت کی تھی۔ ہمیں یہ کام اسی حد تک کرنا چاہیے، جہاں تک ہمارے اختیار میں ہے۔

نظم میں جملے کی معمولی ترتیب قائم نہیں رہتی، ضرورت شعری کسی ترتیب کے تابع نہیں۔

رموز اوقاف (Punctuation)

اوقاف، یا وقفے اُن علامتوں کو کہتے ہیں، جو ایک جملے کو دوسرے جملے سے، یا کسی جملے کے ایک حصّے کو دوسرے حصّوں سے علاحدہ کریں۔ ان اوقاف کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اوّل تو ان کی وجہ سے نظر کو سکون ملتا ہے، اور وہ تھکنے نہیں پاتی؛ دوسری بڑی بات یہ ہے کہ ذہن ہر جملے، یا جزو جملہ کی اصلی اہمیت کو جان لیتا ہے؛ اور مطلب سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

جو علامتیں وقفوں کے اظہار کے لیے استعمال کی جاتی ہیں، ان کے نام اور شکلیں حسب ذیل ہیں:

	انگریزی نام	اُردو نام	علامت
چھوٹا ٹھیراؤ۔	Comma	سکتہ	،
ٹھیراؤ۔	Semicolon	وقفہ	؛
ملاؤ (یعنی مجمل سے مفصّل کو ملانے والا)	Colon	رابطہ	:
رابطہ اور خط تفصیل بتانے والا۔	Color and Dash	تفصیلیہ	:–
	Full stop	ختمہ	۔
	Note of Interrogation	سوالیہ	؟
	Note of Exclamation	فجائیہ ، ندائیہ	!
	Brackets	قوسین	( ) یا [ ]
	Dash	خط	—
	Inverted Commas	واوین	" "
	Hyphen	زنجیرہ	v

علامتوں کا محلِ استعمال

سکتہ (،)

یہ سب سے چھوٹا وقفہ ہوتا ہے۔ یہ حسب ذیل موقعوں پر استعمال ہوتا ہے:

(۱) ایسے اسما یا ضمائر کے بیچ میں جو ایک دوسرے کے بدل کا کام دیتے ہوں جیسے:

جہانگیر، ابن اکبر، شاہنشاہ ہندوستان نے جب....

(۲) ایک ہی قسم کے کلمہ کے اُن تین، یا تین سے زیادہ لفظوں کے بیچ میں جو ساتھ ساتھ استعمال کیے گئے ہوں، (اس حالت میں جب کہ یا تو صرف آخری دو لفظوں کے درمیان حرف عطف یعنی 'و' یا 'اور' یا حرف تردید یعنی 'یا' آئے۔)

(الف) حیدر آباد، میسور اور ٹراونکور جنوبی ہند کی ریاستیں ہیں۔ اس میں تینوں الفاظ اسم ہیں۔)

(ب) 'چوری کرنا مذہباً، اخلاقاً اور رسماً برا سمجھا جاتا ہے۔' 'اُس کا طرزِ عمل عامیانہ، جاہلانہ اور سوقیانہ ہے'۔ (ان میں تینوں الفاظ متعلقات فعل ہیں۔)

(ج) اکبر بہت عقلمند، وسیع النظر، ہمدرد اور مدبر بادشاہ تھا۔ (یہاں الفاظ صفات ہیں۔)

(۳) ندائیہ لفظوں کے بعد جیسے:

(الف) جناب صدر، خواتین وحضرات، (یہاں تینوں اسم منادیٰ ہیں)

(ب) اے ماؤ، بہنو، بیٹیو، ....

(ج) جنابِ من، تسلیم۔

(د) میرے محبِ صادق، وعلیکم السّلام۔

(ہ) عزیز من، بہت بہت دعا۔

(۴) جب ایک ہی درجے یا رتبے کے لفظ جوڑوں میں استعمال ہوں، تو ایک جوڑے اور دوسرے جوڑے کے درمیان سکتہ دیتے ہیں: دن ہو کہ رات، سفر ہو کہ حضر، خلوت ہو یا جلوت، انسان کو چاہیے کہ خدا کو نہ بھولے۔

(۵) ایسے اجزائے جملہ کے درمیان جو تشریحی ہوں، سکتہ آتا ہے: یہ چبوترا ۳۰ فٹ لمبا، ۲۰ فٹ چوڑا، ۵ فٹ اونچا ہے۔

(۶) دو یا زیادہ ایک ہی درجے کے ایسے چھوٹے جملوں کے بیچ میں جو ایک بڑے جملے کے جز ہوں:

(الف) میں گھر سے بازار گیا، بازار سے مدرسے آیا، اب مدرسے سے گھر واپس جاتا ہوں۔

(ب) کھیلنے کے وقت کھیلو، پڑھنے کے وقت پڑھو۔

(ج) وہ کھیل کے آیا، نہایا، کپڑے بدلے، چائے پی اور سیر کو چلا گیا۔

(د) زباں بگڑی تو بگڑی تھی، خبر لیجے دہن بگڑا۔

(ہ) نہ نو من تیل ہوگا، نہ رادھا ناچے گی۔

(۷) {شرط اور جزا یا صلے اور موصول کو بیان کرنے والے} سادہ جملوں کے بیچ میں:

(الف) اگر ہم جانتے داغِ جدائی، نہ کرتے اتنی اُلفت تم سے بھائی۔

(ب) اُس کے منہ جو کوئی لگا، ذلیل ہی ہوا۔

(ج) جب مطلع صاف ہوگیا اور سورج نکل آیا، تو میں اپنے گھر سے نکلا۔

(د) جس شخص نے مجھ سے، آپ سے کل باتیں کیں، وہ زید تھا۔

(۸) ایسے سادہ جملوں کے بیچ میں جو مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کا بیان کریں:

(الف) وہ شخص ایمان دار ہے، لیکن سُست۔

(ب) سارا زمانہ آیا، پر زید نہ آیا۔

(۹) جب ایک سادہ جملہ دوسرے کی توجیہ کرے تو دونوں کے بیچ میں سکتہ آتا ہے:

(الف) میں نہیں گیا، اس لیے کہ وہ خود ہی میرے ہاں آ پہنچا۔

(ب) اُسے گھر بیٹھے نوکری مل گئی، پھر باہر کیوں جاتا؟

(ج) خوب دوڑا کرو، جس میں بھوک اچھی طرح لگا کرے۔

(۱۰) جب کسی فعل کے بعد "کر" یا "کے" مقدر ہو تو سکتہ لگانا ضروری ہے:

(الف) وہ چھوڑی ہاتھ میں لے، نکل کھڑا ہوا۔

(ب) وہ یہ جا، وہ جا، چمپت ہو گئی۔

(۱۱) جب مبتدا اور خبر کے بیچ میں کوئی حجاب نہ ہو، تو سکتہ ضرور ڈال دیتے ہیں:

(الف) یہی مجموعہ یا انتخاب مضامین، مطبوعہ رسالے کا نہایت عمدہ اشتہار بھی بن گیا۔

(ب) حالی، مسدس حالی کے مصنف ہیں۔

(ج) مسدس، حالی کی سب سے ممتاز تصنیف ہے۔

(د) نذیر احمد کی سب سے عام پسند کتاب، ''مرأۃ العروس'' ہے۔

(۱۲) عبارت اور خصوصاً شعر کی تعقید کو دُور کرنے کے لیے بھی سکتہ لگاتے ہیں:

(الف) اس زمانے میں دین کی بات میں لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں، کتنے پہلوں کی رسموں کو پکڑتے ہیں، کتنے، قصے بزرگوں کے دیکھتے ہیں اور کتنے مولویوں کی باتوں کو جو اُنھوں نے اپنے ذہن کی تیزی سے نکالی ہیں، سند پکڑتے ہیں اور کتنے، اپنی عقل کو دخل دیتے ہیں۔

(ب) سب، رقیبوں سے ہوں ناخوش، پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش: کہ محوِ ماہِ کنعاں ہو گئیں

(ج) تارِ ریشم کا نہیں، ہے یہ رگِ ابرِ بہار۔

(د) کروں بیدادِ ذوقِ پر فشانی، عرض، کیا قدرت؟

(ہ) دیوار، بارِ منتِ مزدور سے، ہے خم۔

(و) ولے مشکل ہے، حکمت، دل میں سوزِ غم چھُپانے کی۔

(ز) نہیں بہار کو فرصت؛ نہ ہو، بہار تو ہے:
''طراوتِ چمن و خوبیٔ ہوا کہیے''

(۱۳) اور، یا وغیرہ سے پہلے جب ہی سکتہ لگاتے ہیں کہ لفظوں پر خاص طور پر زور دینا منظور ہو۔

مشق

ان جملوں میں حسبِ ضرورت سکتہ لگاؤ:

زید عمر اور بکر تینوں بازار گئے۔ تعریف کرنا تو درکنار وہ اور اُلٹے مجھ پر خفا ہوئے۔ چوں کہ دیر بہت ہوگئی تھی اور دھوپ لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جاتی تھی اس لیے ہم نے واپس ہونا ہی مناسب سمجھا۔ دنیا اور اس کے مناظر پہاڑ دریا نیلا آسمان دمکتے ہوئے تارے چمکتا ہوا سورج یہ سب شاعری کے موضوع ہو سکتے ہیں۔ جو کرے سو جانے۔ اے ماؤ بہنو بیٹیو دنیا کی زینت تم سے ہے۔ جسے زندگی کہتے ہیں وہ صرف کھانے پینے رہنے سہنے اُٹھنے بیٹھنے شادی کرنے کا نام نہیں ہے۔ وہ تندرستی کی تصویر تھا بالا قامت چمکتی ہوئی آنکھیں فراخ سینہ بھرے بھرے بازو۔ اس میں شک نہیں کہ جو شخص دامے درمے قدمے اپنے ابنائے وطن کی مدد کرے ہر طرح سے لائق تحسین ہے لیکن جو بچارا علمی ہمدرد کے ذرائع نہیں رکھتا اور صرف ایک ہمدرد دل رکھتا ہے وہ بھی کچھ کم مستحق ستائش نہیں ہے۔

وقفہ (؛)

جب سکتے سے زیادہ ٹھیراؤ کی ضرورت پڑے، تو وقفہ استعمال کرتے ہیں۔ اس کا استعمال حسبِ ذیل موقعوں پر ہوتا ہے:

(ا) جملوں کے لمبے لمبے اجزا کو ایک دوسرے سے علاحدہ کرنے کے لیے (یہاں سکتوں کے علاوہ وقفوں کا استعمال اس وجہ سے ضروری ہے کہ خلط مبحث نہ ہو جائے) جیسے:

حق یہ ہے کہ اس زمانے میں، جب کہ قومی تپش نما کا پارا ہر گھڑی گھٹتا بڑھتا رہتا ہے؛ جب کہ باوجود تعلیمی کاموں کی کثرت کے، قومی تعلیم کا کوئی صحیح خاکہ ہمارے سامنے نہیں ہے؛ جب کہ سیاسی تار و پود سارے ملک میں پھیلا ہوا ہے مگر کوئی طریقہ قومی فلاح کا ایسا نہیں ہے، جس پر تمام جماعتیں متفق ہو سکیں؛ جب کہ مصلحت اور اصول، چال اور صداقت، تلون اور استقامت میں اکثر مغالطہ ہو جاتا ہے؛ جب کہ باوجود سادگی کے ادعا کے، عیش پرستی کے بہت

سے چور دروازے کھلے ہوئے ہیں؛ جب کہ باوجود ایثار اور قربانی کے دعووں کے، حقیقی ایثارِ نفس اور ضبطِ نفس بہت کم نظر آتا ہے، نواب وقار الملک کی سیرت ایک بڑی نعمت ہے۔

(۲) جہاں جملوں کے مختلف اجزا پر زیادہ تاکید دینا مدِّنظر ہوتا ہے، وہاں بھی رابطے استعمال ہوتے ہیں:

(الف) جو کرے گا، سو پائے گا؛ جو بوئے گا، سو کاٹے گا۔

(ب) آنا، تو خفا آنا؛ جانا، تو رلا جانا
آنا ہے، تو کیا آنا؛ جانا ہے، تو کیا جانا

(ج) تم روئے اور ہمارا دل بے چین ہوا؛ تمھاری اُنگلی دکھی، تو ہمارے دل پر چوٹ لگی؛ مصیبتیں ہم نے بھریں؛ تکلیفیں ہم نے اٹھائیں؛ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر ہم بیٹھے؛ کندھے سے لگایا، چمکارا، لوریاں سنائیں؛ غرض کہ جان، مال، آرام سب کچھ تمھارے لیے تج دیا۔ کیا اس کا یہی صلہ ہے؟

(۳) جن جملوں کے بڑے بڑے اجزا کے درمیان ورنہ، اس لیے، لہٰذا، اگرچہ، چہ جائیکہ، درآں حالیکہ، لیکن اور اسی قسم کے ربط دینے والے الفاظ آئیں؛ وہاں ذہن کو سمجھنے کا موقع دینے کے لیے اِن لفظوں سے پہلے وقفے کی علامت لگاتے ہیں:

واضح رہے کہ جب مذکورۂ بالا الفاظ چھوٹے چھوٹے جملوں کو ملاتے ہوں تو یہ علامت نہ لگائی جائے گی بلکہ سکتہ ہی کافی ہوگا:

(الف) اگرچہ آج کل نقّادانِ فن اس بات کو مذموم سمجھتے ہیں کہ کسی خاص غرض کو پیش نظر رکھ کر، یا کسی خیال یا رائے کی اشاعت کے لیے کوئی ڈراما لکھا جائے؛ لیکن ہندوستان جیسے ملک میں، جہاں زندگی کا ہر پہلو قابل اصلاح ہے اور معاشرت کے ہر شعبے میں تذبذب اور انتشار بپا ہے، فن کی بعض نازک اور خیالی خوبیوں کو قربان کر سکتے ہیں؛ بشرطیکہ وہ سلیقے سے لکھا جائے۔

(ب) چوں کہ نکاح سے قبل ہی نسبت توڑ دی گئی اور لڑکی چچا سے علاحدہ کر لی گئی؛

اس لیے ایسی شادی سے جو مذموم اور دردناک نتائج پیدا ہوتے ہیں، ان کا موقع ہی نہیں آیا۔

(۴) جن صورتوں میں سکتہ لاتے ہیں ان میں صرف ایسی حالت میں لائیں گے جب جملے کے بعض ایسے حصّوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنا پڑے جن میں اندرونی طور پر سکتہ موجود ہے:

(الف) حیدر آباد، میسور، اور ٹراونکور، جنوبی ہند کی؛ بھوپال، گوالیار اور اندور، وسط ہند کی بڑی ریاستیں ہیں۔

(ب) حالی کی مسدس، یادگارِ غالب، حیاتِ جاوید؛ نذیر احمد کی مرأۃ العروس، توبۃ النصوح، محصنات، ایامیٰ؛ شبلی کی الفاروق، موازنہ، سیرت النبی؛ پڑھنے اور بار بار پڑھنے کے قابل ہیں۔

رابطہ (:)

اس کا ٹھیراؤ وقفے کے ٹھیراؤ سے زیادہ ہوتا ہے۔

(الف) عام طور پر اس کا استعمال وہاں کیا جاتا ہے، جب جملے کے کسی سابقہ خیال یا بات کی تشریح یا تصدیق کی جاتی ہے:

(الف) سفر ہو یا حضر، دن ہو یا رات، کام ہو یا تفریح، ہمیشہ اور ہر جگہ اپنی صحت کا خیال رکھو: اگر کوئی نعمت ہے تو یہی ہے۔

(ب) کیا خوب سودا نقد ہے: اس ہاتھ دے، اُس ہاتھ لے۔

(ج) یہ خاموشی کہاں تک؟ لذّتِ فریاد پیدا کر، زمیں پر تو ہو، اور تیری صدا ہو، آسمانوں میں: یہی آئینِ قدرت ہے، یہی اسلوبِ فطرت ہے۔

(د) کاو کاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ:
صبح کرنا شام کا، لانا ہے جوئے شیر کا

(ہ) کسی کُلیے کے رسالے کے لیے یہی کافی نہیں ہے کہ وہ متفرق اور مختلف معلومات کی

ایک کھتونی ہو۔ اس کا بڑا لوازمہ تحریکی قوت ہے۔ ذوقِ جستجو کو اشتعال دینا، جودتِ طبع کو اُکسانا: یہی اس کا مہا کاج ہے؛ اس کی کامیابی کی جانچ اسی کسوٹی پر ہوتی ہے۔

(و) انسان کو بعضے کاموں کی قدرت ہے، بعضوں کی نہیں: وہ چل سکتا ہے؛ دوڑ سکتا ہے؛ مگر اُڑ نہیں سکتا۔

(۲) جب کسی مختصر مقولے یا کہاوت وغیرہ کو بیان کرنا ہو، تو تمہیدی جملے اور اصل جملے کے بیچ میں نیم وقفہ یا رابطہ لاتے ہیں:-

(الف) کسی حکیم کا قول ہے: آپ کاج مہا کاج۔

(ب) بقول شاعر: عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے۔

(ج) سچ ہے: گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔

(۳) ایسے دو جملوں کے بیچ میں رابطہ لاتے ہیں جو آپس میں متقابل یا ایک دوسرے کی ضد ہوں؛ اور دونوں مل کر ایک پورے خیال کو ظاہر کریں۔ من چلتا ہے: ٹٹو نہیں چلتا۔

(۴) جب دو جملوں میں سے ایک دوسرے کی توجیہ کرے مگر کوئی حرفِ توجیہ اُن کے بیچ میں نہ ہو؛ تو اُن کے درمیان میں رابطہ لاتے ہیں؛ جیسے۔ بچوں کو تنہائی میں نصیحت کرنا چاہیے: سب کے سامنے نصیحت کرنے کا اثر الٹا ہوتا ہے۔

تفصیلیہ (:-)

یہ علامت عام طور پر ''حسبِ ذیل'' کی ہوا کرتی ہے۔ اس کے استعمال کے موقع یہ ہیں:

(۱) کسی طویل اقتباس کو یا کسی فہرست کو پیش کرتے وقت:

(الف) مرزا غالب فرماتے ہیں:-

(ب) ہندوستان کے بڑے شہر یہ ہیں: (۱) بمبئی، (۲) کلکتہ (۳) حیدر آباد (۴) مدراس، ...

(۲) کسی جملے کے ساتھ اجزا کا اعادہ کرتے وقت، یہ علامت ''حاصل کلام یہ ہے'' یا ''مختصر یہ ہے'' یا ''غرض کہ'' کا کام دیتی ہے:-

سورج بادلوں سے نکل آیا تھا؛ گھاس پر شبنم کے قطرے ایسے معلوم ہوتے تھے، گویا کہ سبز مخمل کے فرش میں ستارے جڑے ہوئے ہوں؛ دھوپ نکھری ہوئی تھی؛ پہاڑوں کا رنگ بھی ڈھل کر نیلے امبر کا سا ہو گیا تھا:- انھیں مناظر کا لطف اٹھاتے ہوئے ہم اپنی گاڑی میں سوار چلے جا رہے تھے۔

(۳) جب ایک ہی جملے میں کئی کئی باتیں مسلسل پیش کرنا ہوں، تو اس علامت کا استعمال کرتے ہیں:

کچھ میری روزانہ زندگی کا حال سنو:- علی الصباح اٹھا، ضروریات سے فارغ ہو کر، نہا دھو کر ناشتا کیا؛ ڈاک دیکھی؛ اگر موسم خوشگوار ہو گیا، تو چھڑی لے کر ٹہلنے چلا گیا، ورنہ گھر ہی میں رہا۔

ناریل کے فوائد بے شمار ہیں:- اس کا تیل جلاتے ہیں؛ کھانے میں ڈالتے ہیں؛ خول سے ڈونگے بنتے ہیں؛ ریشہ رسیوں کے بٹنے میں کام آتا ہے؛ کچا ہو تو اس کا پانی پیتے ہیں۔

(۴) کسی اصول یا قاعدے کی مثال پیش کرتے وقت، جب کہ ایسے موقع پر ''مثلاً'' یا ''جیسے'' کا لفظ ترک کر دیا گیا ہو۔

(الف) اسم وہ ہے جو نام ہو کسی شخص یا چیز کا:- زید، کرسی، عمر، بکر۔

(ب) صرف دولت کا ہونا خوشی کی دلیل نہیں ہے:- قارون ہی کو دیکھیے۔

مشق

اِن عبارتوں میں حسب ضرورت سکتے، وقفے، رابطے اور تفصیلیے لگاؤ۔

(۱) ٹھنڈے دل سے سوچنے کا موقع ہے کہ اس پچاس سال میں ہم نے کیا کیا کیا۔ ہم کیا تھے اور اب کیا ہو گئے یہ ظاہر ہے کہ اس پچاس سال میں ایک مدرسہ یونی ورسٹی ہو گیا جس کی ابتدا چند طالب علموں سے ہوئی تھی اور اب نوبت ہزاروں تک پہنچ گئی ہے۔ جہاں چند مکان تھے وہاں اب عالی شان عمارتوں کا سلسلہ ہے ایک ویران کھنڈر

لہلہاتا ہوا باغ ہے ایک غیر معروف مقام علم و فضل کا مرکز بن گیا ہے جس پر تمام مسلمانوں کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں۔

(۲) اگر تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ شہر بھی عجیب و غریب نظر آتا ہے زمانہ قدیم سے محسود آفاق اور مرجع خلائق رہا کبھی راجاؤں مہاراجاؤں کی راج دھانی کبھی سلاطین اسلام کا دارالخلافہ کبھی طغیانی کی بدولت بہہ کر خراب اور رفتہ رفتہ پھر آباد ہوا کبھی معرکہ جنگ وجدل و قتل عام ہے کبھی گھر گھر دن عید اور رات شب برات ہے کبھی مدنظر شاہان و مرجعِ کمال ہے کبھی ایک مطلق العنان سودائی کی لٹک سے خاصا کھنڈر ہے کبھی مورد بلیات ہے کبھی منزل برکات و حیات غرض یہ نگری یوں ہی اُجڑی اور بنتی بستی اور بگڑتی رہی۔

(۳) کسی سفر کے حالات لکھنا، سفرنامے کو مفید و دلچسپ بنانا دراصل ایسے آدمی کا کام ہے جو کافی علم اور وسیع معلومات رکھتا ہو اور اُس میں ایسی قابلیت موجود ہو کہ جو دلچسپ اور حیرت انگیز چیز اس کی نظر سے گزرے یا جو کچھ وہ سُنے کامل غور کے بعد اس سے مفید تجربات و نتائج حاصل کر کے دل نشیں الفاظ میں ادا کر سکے۔

(۴) جانِ غالب تمھارا خط پہنچا غزل اصلاح کے بعد پہنچتی ہے ع

ہر اک سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے

مصرعہ بدل دینے سے شعر کس رتبے کا ہو گیا ہے اے میر مہدی تجھے شرم نہیں آتی ع میاں یہ اہلِ دہلی کی زبان ہے۔ ارے اب اہلِ دہلی یا ہندو ہیں یا اہلِ حرفہ ہیں یا خاکی ہیں یا پنجابی ہیں یا گورے ہیں ان میں سے تو کس کی زبان کی تعریف کرتا ہے۔

(۵) جب کبھی تم کسی کام کے کرنے سے ہچکچاؤ، کاہلی سبز باغ دکھائے آرام طلبی پر جائے تو کسی بزرگ کا مقولہ یاد کر لیا کرو کارِ امروز بفردا مگذار۔

ختمہ (ـ)[1]

یہ علامت مکمل جملے کے خاتمے پر لگائی جاتی ہے جہاں ٹھیراؤ بھرپور ہوتا ہے: دنیا دار العمل ہے۔ جب طبیعت خراب ہو تو کوئی کام نہیں ہو سکتا۔

مخففات کے بعد بھی یہ علامت لگا دیتے ہیں: کے۔سی۔آئی۔ای، بی۔اے۔

صرف انگریزی کے مخففات کے بعد۔ عربی کے مخففات کے بعد اکثر نہیں لگاتے: ص، صلعم، ؑ، رض، یوں ہی لکھے جاتے ہیں۔ (جب ایک سے زیادہ مخففات ایک ہی سلسلے میں لکھے جائیں تو ہر مخفف کے بعد سکتے کی علامت دینا چاہیے۔)

ڈاکٹر محمد اقبال۔ ایم۔اے، پی۔ ایچ۔ ڈی، بیرسٹر ایٹ لا۔ ہز اگزالٹڈ ہائی نس میر عثمان علی خاں بہادر، جی۔سی۔ایس۔آئی، جی۔سی۔بی۔ای۔

واوین " "

جب کوئی اقتباس دیا جاتا ہے، یا کسی کا قول اسی کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے، تو اُس کے اوّل آخر یہ علامت لگائی جاتی ہے:

اُس نے جواب دیا، "میں کل دس بجے یہاں پہنچوں گا" مولانا حالی، میر صاحب کے اس شعر کے متعلق لکھتے ہیں:

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید ہی کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

"میر نے باوجود غایت درجے کی سادگی کے، ایسے مبتذل اور پامال مضمون کو اچھوتے، نرالے اور دلکش اسلوب میں بیان کیا ہے۔"

---

(۱) ایرانی تحریروں میں پورا وقفہ (Full Stop) انگریزی کی طرح نقطے سے ظاہر کرتے ہیں؛ لیکن جن زبانوں میں حروفِ منقوطہ کی کثرت ہو، وہاں یہ علامت التباس پیدا کرتی ہے۔ اس کے لیے چھوٹا خط (ـ) اُردو میں بہت عرصے سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ انگریزی Dash کو ہم نے "خط" کہا ہے اور Full Stop کو "ختمہ"۔

فجائیہ (!)

یہ اُن الفاظ یا جملوں کے بعد لگائی جاتی ہے، جن سے کوئی جذبہ ظاہر ہوتا ہے: جیسے غصہ، حقارت، استعجاب، خوف وغیرہ۔ جذبے کی شدت کی مناسبت سے ایک سے زیادہ علامتیں بھی لگا دیتے ہیں۔

اُفوہ! سخت تکلیف ہے۔ معاذ اللہ! بس صاحب! بس!!۔ وہ اور رحم! اس کی اُمید فضول ہے،

میں، اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں!

سوالیہ (؟)

سوالیہ جملے کے آخر میں علامت لگائی جاتی ہے: کیا ہے؟ کس کی باری ہے؟ کیا یہ ممکن ہے، کہ آپ مجھ سے کل صبح باغ عامہ میں ملاقات کریں؟

خط (—)

(ا) یہ علامت جملہ معترضہ کے پہلے اور آخر میں لگائی جاتی ہے:

میری رائے — اگرچہ میں کیا اور میری رائے کیا— تو یہ ہے کہ آپ اس سے دست بردار ہو جائیں۔

(ا) جب کئی لفظ کسی سابقہ لفظ کی تشریح اور تبادلے میں لکھے جائیں، تو بھی یہ علامت لگاتے ہیں:

سارا مکان— اینٹ، چونا، سامان، لکڑیاں— سب جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔

زید— نہ صرف زید بلکہ اس کا سارا خاندان— انہی بزرگ کا معتقد ہے۔

قوسین ( )

یہ علامتیں خط (—) کی طرح جملہ معترضہ کے پہلے اور آخر میں لگائی جاتی ہیں۔

میرا گھر (یعنی مکان کا وہ حصّہ جس میں سکونت ہے) بوسیدہ ہوگیا ہے۔ (یہ لکھنے والے کی مرضی ہے کہ خواہ قوسین استعمال کرے، یا خط۔)

ہدایات: قوسین کے استعمال کرنے میں اس بات کا بہت خیال رکھنا چاہیے کہ ان کے بے جالانے سے عبارت بے ربط نہ ہو جائے۔ بہت سے لکھنے والے اس کی پروانہیں کرتے؛ اور آج کل ایسے اکھڑے ہوئے جملے بہت دیکھنے میں آتے ہیں:

(الف) محمود علی صاحب (جن کے بڑے بھائی الٰہ آباد میں تحصیل دار ہیں) کو میں نے کل موٹر پر جاتے دیکھا۔

(ب) حکیم احمد حسین خاں صاحب (جو اُردو محلے میں رہتے ہیں اور بڑے حاذق طبیب ہیں) سے میں نے رجوع کیا۔

(ج) مبارک علی میاں (جو کل آپ سے ملنے آئے تھے) کے پاس ایک اعلیٰ درجے کی بندوق ہے۔

ان جملوں میں قوسین کا استعمال اس طرح ہونا چاہیے تھا:

(الف) محمود علی صاحب کو (جن کے ... ہیں) میں نے ...

(ب) حکیم احمد حسین خاں صاحب سے (جو اُردو محلے ... طبیب ہیں) میں نے رجوع کیا۔

(ج) مبارک علی میاں کے پاس (جو کل آپ سے ملنے آئے تھے) ایک بڑی اعلیٰ درجے کی بندوق ہے۔

زنجیرہ (-)

یہ علامت ان مرکب الفاظ کے اجزا کے درمیان لگائی جاتی ہے، جن کے متعلق یہ خیال ہوتا ہے کہ بغیر اس علامت کے، وہ علاحدہ علاحدہ الفاظ سمجھے جائیں گے۔ خاص طور پر علوم کی مرکب اصطلاحوں میں اس کا لگانا ضروری ہے۔

اُردو میں اور علامتیں، مثلاً: سکتہ، وقفہ، سوالیہ، فجائیہ وغیرہ تو بہت عرصے سے استعمال کی جارہی ہیں؛ لیکن زنجیرے کا استعمال اب تک نہیں کیا گیا؛ حالاں کہ مرکباتِ لفظی کے اظہار کے لیے اس کی بہت ضرورت ہے۔ خاص طور پر آج کل، جب کہ انگریزی علوم کا ترجمہ ہورہا ہے اور مرکب اصطلاحیں کثرت سے بن رہی ہیں؛ اس علامت کا اظہار بہت ضروری ہے۔ اب تک ہماری زبان کے مرکبات زیادہ تر سالم الاجزا ہوتے تھے: مثلاً گل بدن، نازک خیال، رنگین بیان وغیرہ: یعنی ان کا ہر جز ایک سالم لفظ ہوا کرتا تھا۔ لیکن آج کل ایسی علمی اصطلاحیں کثرت سے بن رہی ہیں، جن کا جزواوّل سالم نہیں بلکہ اکثر مخفف ہوتا ہے، جیسے: نفس v مرضیاتی (نفسی+ مرضیاتی)، Psycho-pathological کا ترجمہ ہے؛ یا جیسے ہند v آریائی (ہندی+ آریائی)، جو Indo-Aryan کا ترجمہ ہے۔ انگریزی زبان میں بے شمار الفاظ اور اصطلاحات ایسی نظر آتی ہیں، جو اگر Hyphen کا استعمال نہ ہوتا، تو نہ بن سکتیں۔ اگر اُردو میں بھی اس کا استعمال عام ہو جائے، تو وضعِ اصطلاحات کی ایک بڑی دقّت رفع ہو جائے۔ مثلاً ایک طبّی اصطلاح Penumo-gastric کو لیجیے۔ Penumo بمعنی شش یونانی لفظ Penumonos سے لیا گیا ہے اور Gastric یونانی لفظ Gasterros کی صفت ہے، بہ معنی (متعلق بہ معدہ)۔ ان دونوں کو ملا کر ایک نیا مرکب لفظ Penumo-gastric بنالیا گیا، یعنی جو شُش اور معدے دونوں سے علاقہ رکھتی ہے۔ اُردو میں اس کا ترجمہ "متعلق بہ شش و معدہ" کر سکتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ یہ اصطلاح نہیں ہے۔ اگر ہم زنجیرے کا استعمال کریں، تو اسی اصطلاح کا ترجمہ شُش v معدی کر سکتے ہیں، جس میں "متعلق بہ" کا مفہوم صرف ایک علامت سے ظاہر ہوتا ہے۔ دوسری مرکب اصطلاحات جیسے: Anglo-Indian Electro-magneetic, Russia-Japanese — وغیرہ سب اسی قول کے مصداق ہیں۔ ان کے ترجمے علی الترتیب انگریز v ہندی، روسی v جاپانی، برق v مقناطیسی ہوں گے۔ اگر یہ علامت استعمال نہ کی جائے، تو یا تو کوئی لفظ زنجیرے کی جگہ لے گا، یا مرکب کے اجزا علاحدہ علاحدہ الفاظ سمجھے جائیں گے اور التباس ہوگا۔ ہمارا خیال

ہے کہ صرف اسی ایک علامت کا صحیح استعمال وضعِ اصطلاحات کی ایک بڑی دقّت دُور کر سکتا ہے۔ ہم نے اِسے اس علامت سے (v) اس لیے ظاہر کیا کہ وصل کا مفہوم واضح ہو جائے۔
دوسری بات یہ ہے کہ انگریزی (-) Hyphen ہمارے یہاں پورے وقفے کے لیے استعمال ہوتا ہے؛ اس لیے کسی اور علامت کی ضرورت تھی۔
ہند v آریائی زبانیں (یعنی وہ زبانیں جو ہندی اور آرین دونوں زبانوں سے بنی ہیں)۔
روسی v جاپانی صلح نامہ (جو روس اور جاپان کے مابین ہوا ہے) طبّی v نفسیاتی (جو علم طب اور نفسیات دونوں سے متعلق ہے) حے v نباتی (جو علم حیوانات اور نباتات دونوں سے متعلق ہو) مق v برقی (مقناطیسی + برقی) مور v پنکھیا (مور + پنکھ) کُل v ہندی (All-India)

مشق

حسبِ ضرورت خط، قوسین، واوین اور زنجیرہ لگاؤ:
انگریز ہندی قوم وہ قوم ہے جو ہندی اور انگریزی خون کے اختلاط سے پیدا ہوئی یہ لوگ اس میں شک نہیں کہ ہندوستان میں رہتے ہوئے اُنھیں کئی قرن ہونے کو آئے اب تک زبان اطوار اور عادات کے لحاظ سے خود کو باطناً نہیں تو ظاہراً ہی انگریزی الاصل سمجھتے ہیں۔
آدمی کو چاہیے کہ خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو جائے، خواہ جان ہی کا زیاں کیوں نہ ہو لیکن صداقت پر قائم رہے۔ کسی فلسفی کا قول ہے صداقت ہی انسان کا اعلیٰ ترین جوہر ہے۔
تحت لسانی عصب وہ عصب ہوتا ہے جو ہماری زبان کے نیچے سے ہو کر گزرتا ہے۔

مشق

حسب ذیل عبارتوں میں اوقاف کا استعمال کرو:
[ا] ناظرین کو معلوم ہے کہ میں نکتہ چیں ہوں مدحت سرا نہیں میرا دستور العمل یہ ہے:

قصیدہ کار ہوس پیشگاں بود عرفی
تو از قبیلۂ عشقی وظیفہ ات غزل است

حق گوئی کی راہ میں عموماً دو قوتیں مانع ہوتی ہیں دولت و طاقت اور ذاتی تعلقات و وابستگی اتنے زمانے میں احباب کم از کم اس کا تو اندازہ کر چکے ہیں کہ الحمدللہ یہ دونوں پتھر میری راہ میں حائل نہیں ہو سکتے۔

ہم کعبہ و ہم بت کدہ سنگ رہ ما بود
رفتیم و صنم برسر محراب شکستیم

دولت و طاقت و حکومت و اقتدار کے مقابلے میں جو کچھ اپنا حال ہے محتاج بیان نہیں زبان اور قلم دونوں اس کا جواب دے سکتے ہیں رہے ذاتی تعلقات تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ یونی ورسٹی فونڈیشن کمیٹی کے لیے پچھلے اجلاس کے واقعات میرے لیے پُر از اشکال تھے تاہم کچھ دنوں تک خاموش رہا اور پھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ تعلقات کا مسئلہ نہیں بلکہ عقیدے اور رائے کا سوال ہے تعلقات کے ایسے تاروں کی کیا حقیقت ہے اس راہ میں تو زنجیریں بھی ٹوٹ جاتی ہیں پس جو کچھ میری ذاتی رائے تھی بلا تامّل حوالۂ قلم کر دی دوستی کیا چیز ہے ہمارے خون اور رشتے داریوں کو بھی حق اور عقیدے کے سامنے ہیچ ہو جانا چاہیے زمانہ پُر آشوب ہے حق اور راستی کی مظلومی کس درجہ دردانگیز حد تک پہنچی ہوئی ہے کوئی نہیں جو خدا کی خوشنودی کی خاطر اس کے چند بندوں کا غصہ جھیل لے اور پھر کوئی نہیں جو اپنے قول کی عزت کے لیے اپنے عمل کو بھی قابلِ عزت بنائے ہر دعویٰ دلیل سے محروم ہر قول عمل کا مخالف اور ہر سفیدی نمائش اور نفاق کی سیاہی سے آلودہ تعریف کی خواہش سے دماغ مخبوط ہو رہے ہیں حالاں کہ جو لوگ دنیا سے بقول شاعر تعریف و مدح مانگتے ہیں اور ایسے لوگ بہت زیادہ ہیں ان کو پہلے بتلانا چاہیے کہ اُس کے لیے انھوں نے کیا کھویا ہے۔

[۲] برخوردار کامگار میر مہدی قطعہ تم نے دیکھا سچ مچ میرا حلیہ ہے واہ اب کیا شاعری

رہ گئی ہے جس وقت یہ قطعہ میں نے وہاں کے بھیجنے کے واسطے لکھا ارادہ تھا کہ خط بھی لکھوں

لڑکوں نے ستایا کہ دادا جان چلو کھانا تیار ہے ہمیں بھوک لگی ہے تین خط اور لکھے ہوئے رکھے

تھے میں نے کہا کہ اب کیا لکھوں اسی کاغذ کو لفافے میں رکھ ٹکٹ لگا سرنامہ لکھ کلیان کے حوالے

کر گھر میں چلا گیا اور ہاں ایک چھیڑ بھی تھی کہ دیکھوں میرا میر مہدی خفا ہو کے کیا باتیں بناتا

ہے سو وہی ہوا تم نے جلے پھپھولے پھوڑے لو اب بتاؤ کیا لکھوں۔

[۳] میں سادہ دل آزردگیٔ یار سے خوش ہوں یعنی سبق شوق مکرر نہ ہوا تھا پیر و مرشد خفا

نہیں ہوا کرتے یوں سننا مجھے باور نہ آیا یہاں تک تو میں موردِ عتاب نہیں ہو سکتا جھگڑا استعجاب پر

ہے محل استعجاب وہ ہے کہ آپ کا دوست کہتا ہے اولیا کا یہ حال ہے کہ وائے بر حال ہم اشقیا کی

یہ حکایت ہے شکایت نہیں دنیا داری کے لباس میں فقیری کر رہا ہوں لیکن فقیر آزاد نہ شیاد کیاد

ستر برس کی عمر ہے بلا مبالغہ کہتا ہوں ۷۰ ہزار آدمی نظر سے گزرے ہوں گے زمرۂ خواص میں

سے عوام کا شمار نہیں دو مخلص صادق الولا دیکھے ایک مولوی سراج الدین دوسرا منشی غلام غوث۔

[۴] دیکھنے کو آنکھ دی اور سننے کو یہ کان دیے ناک بھی اونچی سب میں کردی مورتوں کو

جی دان دیے مٹی کے باسن کو اتنی سکت کہاں جو اپنے کمہار کے کرتب کچھ بتا سکے سچ ہے جو بنایا

ہوا ہو سو اپنے بنانے والے کو کیا سراہے اور کیا ہے یوں جس کا جی چاہے پڑا بکے سر سے لگا پاؤں

تک جتنے رونگٹے ہیں جو سب کے سب بول اُٹھیں اور سراہا کریں اور اُتنے برسوں اسی دھیان

میں رہیں جتنی ساری ندیوں میں ریت اور پھول پھلیاں کھیت میں ہیں تو بھی کچھ نہ ہو سکے۔

عروض

عروض وہ مشہور فن ہے جس سے اشعار کا وزن معلوم ہوتا ہے۔

عروض کا موجد عرب کا ایک عالم ادب خلیل بن احمد مکی ہے جس کی وفات سنہ ۱۷۰ ہجری میں ہوئی۔ اس نے پندرہ وزن قرار دیے اور ہر وزن کا نام بحر رکھا، اس کے بعد بحروں میں اضافہ ہوتا رہا۔

وزن

وزن عروضیوں کی اصطلاح میں دو کلموں کی حرکات و سکنات برابر ہونے کا نام ہے۔ حرکات اور حروف کا اختلاف ہو تو ہرج نہیں ہے۔ جیسے، احسان اور صندوق ہم وزن ہیں یعنی جتنی حرکتیں اور سکون ایک میں ہیں، اتنے ہی دوسرے میں ہیں؛ گو دونوں کی حرکتیں مختلف ہیں۔

بحر

بحر اُن چند موزوں کلموں کا نام ہے جن پر شعر کا وزن ٹھیک کرتے ہیں۔ شعر میں موسیقی اور ترنم جس قدر ہو اُسی قدر بحر عمدہ ہوگی؛ ورنہ بہت سی ایسی بحریں ہیں، جو ان دونوں سے معرا ہیں، اس وجہ سے رائج و مقبول نہیں ہوئیں۔

ارکان بحر

بحر جن اجزا (ٹکڑوں) سے بنتی ہے، اُن کو ارکان یا افاعیل یا امثال کہتے ہیں، اور ہر جز کو ''رکن''۔

تقطیع

کسی شعر کے اجزا کو بحر کے ارکان پر وزن کرنے کو کہتے ہیں۔ اس طرح کہ ساکن کے مقابل ساکن اور متحرک کے مقابل متحرک حرف ہو، مثال آگے بیان ہوگی۔

اجزائے ارکان

ارکان (رکنوں) کے ٹکڑوں کو اجزا یا اصول کہتے ہیں۔ رکن جن اصول یا اجزا سے بنتا ہے وہ تین ہیں: سبب، وتد، فاصلہ۔ مگر سبب و وتد کافی ہیں، دو حرفی کا سبب اور تحرفی (سہ حرفی) کا نام وتد ہے۔ پہلا حرف متحرک اور دوسرا ساکن ہو جیسے سر، بر، تو سبب خفیف ہے اور دوسرا بھی حرکت دار ہے تو سبب ثقیل، جیسے سرِ، دلِ، اضافت کی حالت میں؛ ورنہ اُردو میں متحرک الآخر لفظ نہیں ہوتا۔ پہلا اور دوسرا متحرک اور تیسرا ساکن ہے تو ''وتد مجموع'' ہے جیسے قلم، اور درمیانی ساکن ہے تو ''وتد مفروق'' ہے جیسے مشق، اضافت کی حالت میں۔

ارکان

اِن دونوں اصولوں سے سات ارکان بنتے ہیں، جنھیں افاعیل ہفت گانہ کہتے ہیں۔ دو

پنج حرفی:

(۱) فعولن (۲) فاعلن، ایک کا جزِ اوّل سبب ہے، دوسرے کا وتد۔

وتد پہلے ہے تو فعولن ہوگا اور سبب پہلے ہے تو فاعلن۔

ست حرفی، یہ پانچ ہیں: (۱) مستفعلن (۲) مفاعیلن۔ ان دونوں میں ایک ایک وتد اور دو دو سبب خفیف ہیں۔ اوّل میں سبب مقدم اور وتد مؤخر ہے۔ دوسرے میں اس کے برعکس۔ (۳) فاعلاتن (۴) متفاعلن (۵) مفعولات۔

فاعلاتن میں اوّل آخر سبب ہے اور بیچ میں وتد۔ پانچویں میں دو سبب مقدم ہیں اور ایک سبب مفروق۔ چوتھے رکن میں اوّل سبب ثقیل، دوسرا جز سبب خفیف، تیسرا جز وتد مجموع۔

خلیل کا خیال ہے کہ اِنھیں بحروں میں تمام عروض منحصر ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ بحروں میں بہت اضافہ ہوا، اور ہو سکتا ہے۔ افاعیل ہفت گانہ کے علاوہ ایک اور مشہور رکن مفاعلتن ہے مگر مروّج نہیں۔

اسما و شمار بحور

کُل مشہور بحریں جو اِن ارکان سے بنتی ہیں، اُن کو یاد رکھنے کے لیے یہ قطعہ بہتر ہے:

"رجز، خفیف، رمل، منسرح، دگر محبتث
بسیط و وافر و کامل، ہزل، طویل و مدید"
"مشاکل و متقارب، سریع و مقتضب است
مضارع و متدارک، قریب نیز جدید"

(۱) رجز۔ مستفعلن آٹھ بار سالم
(۲) ہزج۔ مفاعیلن " "
(۳) کامل۔ متفاعلن " "
(۴) رمل۔ فاعلاتن " "
(۵) متقارب۔ فعولن " "
(۶) متدارک۔ فاعلن " "

یہ بحریں ایک رکن کی تکرار سے بنتی ہیں۔ وافر جو مفاعلتن کی تکرار سے بنتی ہے، ترک

کی گئی کہ رائج نہیں ہے۔

یہ پانچ بحریں دو رکنوں کے مکرر لانے سے بنی ہیں:

(۱) خفیف: فاعلاتن۔ مستفعلن۔ فاعلن یہ دونوں مسدس ہی مستعمل ہیں۔

(۲) سریع: مستفعلن۔ مستفعلن۔ مفعولات

(۳) مجتث: مستفعلن۔ فاعلاتن۔ مستفعلن۔ فاعلاتن

(۴) مضارع: مفاعیلن۔ فاعلاتن۔ مفاعیلن۔ فاعلاتن

(۵) منسرح: مستفعلن۔ مفعولات۔ مستفعلن۔ مفعولات

(یہ بحریں مسدس اور سالم مستعمل نہیں ہیں کسی بحر میں چھے ارکان سے کم اور آٹھ سے زیادہ نہیں ہوتے، چھے والی کو مسدس (چھ رکنی) اور آٹھ رکن والی کو مثمن (آٹھ رکنی) کہتے ہیں۔ چھ رکنی بحر کا ایک مصرعہ تین رکن کا اور آٹھ رکنی کا ایک مصرع چار رکن کا ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ اکثریہ ہے نہ کلیہ۔

زحاف

عروض کی اصطلاح میں زحاف اس تغیر کو کہتے ہیں جو شعر کے رکن یا ارکان میں ہو۔ ارکان اگر اشعار میں اپنی اصلی صورتوں پر ہیں تو بحر کو سالم کہیں گے۔ مگر سالم بحریں کم مروّج ہیں اور جن کے کسی رکن یا ارکان میں تغیر ہوگا، اسے "مزاحف" کہتے ہیں۔ یعنی "زحاف والی"۔

زحاف سے ارکان میں چودہ (۱۴) صورتیں پیدا ہوتی ہیں اور زحاف کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ اضافہ، یعنی کسی حرف کی زیادتی۔

۲۔ کمی، ایک یا ایک سے زائد حرفوں کا گرا دینا۔

۳۔ ساکن حرف کو متحرک کرنا۔

زحاف یوں تو چالیس اکتالیس ہیں، مگر مروّجۂ اُردو بیس لکھے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کئی رکنوں میں آتے ہیں اور بعض صرف ایک رکن میں۔ ایک رکن میں آنے والے یہ چار ہیں:

خاص زحاف

۱۔ ثلم: (بفتح ثا وسکون لام) فعولن سے (ف) کو گرانا، پس عولن رہ جاتا ہے۔ اس کی جگہ "فعلن"، مستعمل ہے۔ ایسے رکن کو اثلم کہیں گے۔

۲۔ جب: (بفتح جیم وتشدید بائے موحدہ) رکن کے آخر میں سے دو سبب خفیف گرانا جیسے مفاعیلن میں سے (عیلن) دُور کیا تو "مفا" رہا۔ اس کی جگہ "فعل" لاتے ہیں۔ زحاف شدہ رکن "مجبوب" کہلاتا ہے۔

۳۔ خرم: (بفتح خاء وسکون راء) مفاعیلن سے میم دُور کرنا پس فاعیلن رہا۔ اس کی جگہ مفعولن لاتے ہیں اور رکن کا نام اخرم ہے۔ یہی زحاف فعولن میں ثلم ہے۔

۴۔ کشف: (بفتح کاف وسکون شین) مفعولات کی 'ت' دُور کرنا، پس مفعولا رہا، اس کی جگہ مفعولن کہیں گے۔ خرم اور کشف دونوں کے بعد مفعولن رہتا ہے، یہ زحاف انھیں ارکان کے ساتھ مخصوص ہیں۔

عام زحاف

جو زحاف کئی رکنوں میں آتے ہیں، وہ گیارہ ہیں:

۱۔ اذالہ: (بکسر الف وذال مفتوح) رکن کے آخر وتد مجموع ہو تو آخری حرف سے پہلے الف زیادہ کرنا، جیسے مستفعلن سے مستفعلان۔ ایسے رکن یا بحر کو "مذال" کہتے ہیں۔

۲۔ تسبیغ: (اس کا نام ہم اُردو میں اضافہ رکھتے ہیں کیوں کہ یہ لفظ بہت ثقیل ہے) رکن کے آخر میں سبب خفیف ہو تو اس میں الف زیادہ کرنا (اذالہ، اور اضافہ دونوں ایک ہیں،

مگر وہ وتد میں ہوتا ہے اور یہ سبب خفیف میں)۔ مثلاً فاعلاتن میں فاعلاتان، اس کی جگہ اس کا ہم وزن فاعلیان لاتے ہیں۔ اس رکن یا بحر کو مسبغ کہتے ہیں اور ہم مضاف کہیں گے۔

(نوٹ) یہ دونوں زحاف مصرعے کے آخری رکن میں آتے ہیں۔

۳۔ حذذ: (حاء حطی وذال معجمہ) وتد مجموع کو آخر رکن سے گرانا، جیسے فاعلن سے علن گرایا تو صرف ''فا'' رہا اس کی جگہ فع لاتے ہیں اور رکن کو ''احذ'' (بتشدید ذال) کہتے ہیں۔

۴۔ حذف: (بفتح حا وذال معجمہ ساکن) آخر رکن سے ایک سبب خفیف دُور کرنا۔ جیسے فعولن سے لن گرایا، فعو رہا، اس کی جگہ فعَل لائیں گے۔ اس رکن یا بحر کو محذوف کہیں گے۔

۵۔ خبن: (خاء مفتوح باء ساکن) رکن کے اوّل میں سبب خفیف ہو تو اس کا دوسرا حرف گرانا۔ جیسے فاعلن سے الف گرایا، فعلن رہا، یہ رکن ''مخبون'' ہو۔

۶۔ طی: (طاء مفتوح و یائے تحتانی مشدد) رکن کے آخر میں دو سبب خفیف ہوں تو چوتھا حرف گرانا۔ جیسے، مستفعلن سے ف گرایا تو ''مستعلن'' رہا، اس کی جگہ ''مفتعلن'' لاتے ہیں اور یہ رکن ''مطوی'' کہلاتا ہے۔

۷۔ قصر: (قاف مفتوح وصاد مہملہ ساکن) رکن کے آخر سبب خفیف میں سے ساکن حرف کو دُور اور ماقبل کو ساکن کرنا۔ جیسے مفاعیلن میں سے ن گرایا اور 'لام' کو ساکن کیا تو 'مفاعیل' رہا۔ یہ رکن 'مقصور' ہوا۔

۸۔ قطع: رکن کے آخر میں وتد مجموع ہو تو اس کے آخر حرف کو گرا کر ماقبل کو ساکن کرنا۔ جیسے فاعلن میں سے 'ن' گرا کر 'ل' کو ساکن کیا تو 'فاعل' رہے گا۔ اس کی جگہ فعلن لاتے ہیں اور رکن کو ''مقطوع'' کہتے ہیں۔

۹۔ قبض: (رکن مقبوض) پانچواں ساکن حرف سبب خفیف میں کا گرانا۔ جیسے فعولن میں سے 'ن' گرا تو فعول رہا (بضم لام)۔

۱۰۔ کف: ('کاف' مفتوح، 'ف' مشدد) (اور رکن مکفوف) ساتویں ساکن حرف کو

ڈور کرنا۔ جیسے مفاعیلن میں سے 'ن' گرایا تو مفاعیل رہا (بضم لام)۔

اا۔ وقف: (واؤ مفتوح قاف ساکن) (اور رکن موقوف) آخر رکن میں وتد مفروق ہو تو اس کے آخری متحرک کو ساکن کرنا۔ جیسے ''مفعولات'' کی 'ت' کو ساکن کر دینا۔

ایک بحر اور ایک رکن میں کئی زحاف بھی واقع ہوتے ہیں۔ اس صورت میں ان کا نام دو تین ناموں سے مرکب ہوتا ہے۔ مثلاً ایک رکن میں خبن اور قطع ہے تو اُسے مخبون ومقطوع کہیں گے۔

مرکب زحاف

عروضیوں نے رکن میں ایک سے زائد زحاف کے جمع ہونے کا بھی دوسرا نام رکھ لیا ہے۔ یہ مرکب زحاف حسب ذیل پانچ ہیں:

ا۔ خرب: (خاء مفتوح و را ساکن) مفاعیلن میں خرم اور کف کے اجتماع کا نام ہے۔ خرم کی وجہ سے میم اور کف کے سبب سے 'ن' گرایا، فاعیل (بضم لام) رہا۔ اس کی جگہ ''مفعول'' لاتے اور ایسے رکن یا بحر کو ''اخرب'' کہتے ہیں۔

۲۔ شتر: (شین معجمہ مفتوح تاے فوقانی ساکن) (رکن اشتر) خرم اور قبض کے اجتماع کا نام ہے۔ مثلاً رکن مذکور میں خرم سے 'م' اور قبض سے 'ی' گر گئی تو ''فاعلن'' رہا۔

۳۔ شکل: (شین مفتوح، ک ساکن۔ رکن مشکول) کف اور خبن کے اجتماع کا نام ہے۔ مثلاً فاعلاتن میں سے دوسرا اور ساتواں حرف یعنی لام اور نون گرایا، فعلات (بکسر عین و ضم تاء) رہا۔

۴۔ کسف: (کاف مفتوح وسین مہملہ ساکن۔ رکن مکسوف)۔ وقف اور کف کا اجتماع کسف ہے۔ مثلاً مفعولات کی 'ت' کی حرکت وقف سے اور خود 'ت'، کف کی وجہ سے ڈور ہوئی تو مفعولا رہے گا۔ اس کی جگہ مفعولن لاتے ہیں۔

۵۔ ہتم: (ہائے مہملہ مفتوح و تاء فوقانی ساکن۔ رکن و بحر اہتم) یہ حذف اور قصر کے اجتماع کا نام ہے۔ مثلاً مفاعیلن میں سے پہلے تو حذف کی وجہ سے لن ڈور ہوا، مفاعی رہا۔ پھر

قصر سے ی ڈور اور ع ساکن کیا گیا، تو ''مفاع'' رہا، اس کی جگہ ''فعول'' بسکون لام بولیں گے۔ اُردو شاعری کے لیے اتنے زحاف کا بیان کافی ہے۔

تقطیع

شعر کا موزوں اور غیر موزوں ہونا تقطیع ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ شعر کے اجزا کو بحر کے ارکان پر وزن کرنے کا نام تقطیع ہے۔ اس کے اصل معنی پارہ پارہ کرنا ہیں۔ چوں کہ ارکانِ بحر سے ہم وزن کرنے کے لیے الفاظِ شعر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جاتے ہیں، اس سبب سے یہ نام رکھا گیا۔ تقطیع میں ساکن کے مقابل ساکن اور متحرک کے مقابل متحرک واقع ہونا ضروری ہے۔ خواہ الفاظ کلمات ثابت رہیں یا نہ رہیں۔ تقطیع کے چند قاعدے ہیں، جو لکھے جاتے ہیں:

(۱) وزن کرنے میں سکون و حرکات کا شمار اور جگہ برابر ہونی چاہیے۔ خواہ حروف و حرکات مختلف ہوں۔ جیسے بلبل اور طوطی کا وزن فعلن ہے یعنی دو حرکتیں اور دو سکون ایک ہی جگہ واقع ہیں۔ یہ وزن عروضی ہے۔

(۲) تقطیع میں حروف ملفوظ کا اعتبار ہے جو زبان سے ادا ہوتے ہیں اور مکتوبی جو کتابت میں تو ہوں مگر بولے نہ جائیں، وہ تقطیع سے خارج ہیں۔ مثلاً:

(الف) الف اِس، اب وغیرہ کا یعنی وہ الف جو آغاز لفظ میں آتا ہے اگر اس کے ماقبل حرف اس سے ملتا ہوا ہو تو وہ گرا دیا جا سکتا ہے (ع:)۔ ''اب اس داستاں کو سُنا چاہیے''

تقطیع یہ ہوگی' ابس دا، فعولن۔ سُنا چا، فعولن۔ ہیے، فعل۔

(ب) نون غنہ جو حرف علت کے بعد ہو جیسے زماں، زمیں وغیرہ میں، جب تک کہ اس کا اعلان نہ ہو، تقطیع سے خارج ہے اور اگر بیچ میں ہے اور دیگر الفاظ کے مانند ملفوظ تو تقطیع میں شمار ہوگا۔ ع ''بنامِ جہاں دار جاں آفریں''۔ تقطیع: بنامے، فعولن۔ جہادا، فعولن۔ رجاا، فعولن۔ فری فعل۔

(ج) واوٴ معدولہ، مثلاً خواب کی جگہ خاب لیا جائے گا۔ ع: ''خواب میں خود ہی کوئی

آیا ہے"۔ تقطیع: خاب می خد، فاعلاتن۔ ہکواا مفاعلن۔ یا ہے فعلن۔

(د) ہائے مختفی، جو اظہارِ حرکت کے لیے لکھی جاتی ہے، جیسے نامہ اور جامہ کی (ہ) اگر وسط میں ہو اور عروض وضرب میں ہو تو ساکن حرف کی جگہ متصور ہوگی، (عروض پہلے مصرعے کا آخری رکن ضرب، دوسرے مصرعے کا رکن آخر) جیسے: "نامہ آتا ہے نہ مدّت سے پیام آتا ہے"۔ تقطیع: نام آتا، فاعلاتن۔ ہ ن مددت، فعلاتن۔ س پیاما، فعلاتن۔ تا ہے، فعلن۔

(ہ) ایسا واؤ عاطفہ، جس کے ماقبل کے حرف سے صرف ضمہ (پیش) ظاہر ہوتا ہے، جیسے: "جان و دل سے عزیز ہے مجھ کو" تقطیع: جانُ دل سے، فاعلاتن۔ عزیز ہے، مفاعلن۔ مجکو، فعلن۔

جان و دل کا، واؤ، تقطیع سے ساقط اور اگر ضمۂ ماقبل دراز ہو جیسے: "علم و ہنر و فضائل و کسب و کمال" تو یہ واؤ شمار ہوگی۔ تقطیع: علموہ، مفعول۔ نر و فضا، مفاعلن۔ ئلو کسب، مفاعیل۔ کمال، فعول۔

ابتدائے کلمہ کی واؤ کی مثال:

"ہے قدر کسی کی تو وطن میں ہے وگر نہ"

یہ داخل تقطیع ہے۔

تقطیع: ہے قدر، مفعول۔ کسی کی ت، مفاعیل۔ وطن مے ہ، مفاعیل۔ وگرنہ، فعولن۔

(و) حرفِ مخلوط جو دوسرے سے مل کر ادا ہو۔ جیسے: کیا کی 'ی' اور گھر کی 'ھ'۔ کیا کی جگہ 'کا' اور گھر کی جگہ 'گر' تقطیع میں آئے گا۔ (ع:) "کیا کہا پھر تو کہیے اے حضرت"

تقطیع: کا کہا پر، فاعلاتن۔ ت کہ یے اے، مفاعلن۔ حضرت، فعلن۔

(ز) عربی کے الفاظ کا الف جیسے، بالضرور بالفعل۔ ان صورتوں کے علاوہ اور کوئی حرف اس طرح کا ہو تو وہ بھی تقطیع سے خارج ہوگا۔

(۳) وسط مصرعہ میں دو ساکن ایک جگہ ہوں تو دوسرے کو متحرک کر لیتے ہیں: ع "خیر تو ہے آپ کہاں جاتے ہیں" خیر کی 'ر' کو متحرک کر لیا ہے۔ "خیر تو ہے" کو مفتعلن سے تعبیر کریں

گے۔ تقطیع: خیرٗت ہے، مفتعلن ۔اآپ کہا، مفتعلن ۔جات ہے، فاعلن۔

(۴) آخر مصرعہ میں دو ساکن ایک جگہ آئیں تو بحال رہیں گے۔ وسط میں دو سے زیادہ حرف ساکن ہوں تو دوسرا متحرک اور تیسرا حذف ہو جائے گا۔ جیسے: ''راست کہتا ہوں اس کو سچ جانو'' راست کا سین متحرک کر دیا گیا۔ تقطیع: راس کہتا فاعلاتن۔ ہ اس کُ سچ، مفاعلن ۔جانو، فعلن۔ اور آخر مصرعہ میں تین ساکن ہوں تو دو بحالتِ خود رہیں گے، تیسرا گرا دیا جائے گا۔ غرض تین ساکن جمع نہیں ہوتے۔

(۵) ایسے الفاظ جن کے تلفظ میں بعض حرف زبان سے نکلتے ہوں مگر مکتوب نہیں، وہ تقطیع میں آئیں گے، جیسے لفظ ''آمد'' میں دو الف۔ مثال: ''آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجے۔'' تقطیع: اا تاہ مفعول ۔ت ہات سے مفاعلن ۔ن دیجے، فعولن۔

اسی طرح وہ اضافت کا کسرہ جو دراز پڑھا جائے۔ اس کی جگہ 'ی' ساکن متصور ہوگی۔ اس کو یائے باطنی کہتے ہیں۔ اور حروفِ مشدّد دو شمار ہوتے ہیں۔ مثلاً: فرّخ، فررخ۔ کسرۂ دراز اور مشدّد حرف کی مثال:

''نہ اِتنا بُرّشِ تیغِ جفا پر ناز فرماؤ'' (غالبؔ)

تقطیع: ن اِتنا بر، مفاعیلن ۔ رشے تیغے، مفاعیلن ۔ جفا پر نا، مفاعیلن ۔ ز فرماؤ، مفاعیلن۔

(۶) حرفِ علّت واؤ، الف، ی، جو الفاظ کے آخر میں آتے ہیں، جیسے: کو، تھا، سے، وغیرہ، بعض اشعار میں ان کا تلفظ بہت مختصر ہوتا ہے؛ پس صرف ان کے ماقبل کا حرف شمار ہوتا ہے اور یہ حرف معدوم۔ جیسے: ع ''مجھ کو تھا اس شخص سے بس اتحاد''؛ کو کا واؤ، تھا کا الف، کی کی 'ی' کا تلفظ مختصر ہے، اس لیے یہ داخلِ تقطیع نہیں۔ تقطیع یہ ہے:

مج ک تا اس، فاعلاتن۔ شخص سے بس، فاعلاتن۔ ات ت حاد، فاعلات۔

(۷) بعض جگہ رکن میں سکون ہوتا ہے اور شعر میں اس جگہ حرف متحرک اسے بہ ضرورت تقطیع ساکن کر لیتے ہیں۔ جیسے: ع ''تم نے بات نہ مانی میری'' اس میں بات کی 'ت' کو متحرک

اور 'نہ' کے 'نون' کو ساکن کرلیا گیا ہے۔ یعنی ''بات نہ'' کو، باتن، تقطیع کے وقت ایسے حروف کا جو خارج از تقطیع ہیں لکھنا نہ لکھنا برابر ہے۔ مگر اصل صورت قائم رکھنے کے لیے لکھنا بہتر ہے۔ تقطیع یہ ہے: تم نے، فعلن۔ باتن، فعلن۔ مانی، فعلن۔ میری، فعلن۔

بحریں

ا۔ بحرِ ہزج

ا۔ بحر ہزج سالم۔ مفاعیلن ایک مصرعے میں چار بار ع ''ستم ہو جائے تمہیدِ کرم ایسا بھی ہوتا ہے''۔ تقطیع: ستم ہو جا، مفاعیلن؛ اِتمہید ے، مفاعیلن؛ کرم ایسا، مفاعیلن؛ ب ہوتا ہے، مفاعیلن۔ بھی کی 'ہ' اور 'ی' تلفظ مختصر ہونے کی وجہ سے خارج از تقطیع ہیں۔

۲۔ بحر ہزج مضاف۔ [1] آٹھ رکنی (مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلان) ع ''کئی نکلی ہیں لختِ دل سے تارِ اشک کی لڑیاں'' تقطیع: کئی نکلی، مفاعیلن؛ ہ لختے دل، مفاعیلن؛ اس تارے اش، مفاعیلن؛ ک کی لڑیاں، مفاعیلان۔ کسی شعر میں عروض مضاف اور ضرب سالم ہے تو جائز ہے۔

۳۔ ہزج اخرب۔ (مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن)

ع: ''یارب مری قسمت میں یہ غم نہ دیا ہوتا'' تقطیع: یارب، م مفعول؛ رقسمت می، مفاعیلن؛ یہ غم ن، مفعول؛ دیا ہوتا، مفاعیلن۔

۴۔ اخرب مکفوف مقصور۔ (مفعول مفاعیل مفاعیل مفاعیل)

ع: ''وہ مجھ کو جنوں جامہ دری کے لیے دے ہاتھ'' تقطیع: وہ مج ک، مفعول؛ جنو جام، مفاعیل؛ دری کے ل، مفاعیل؛ ی دے بات، مفاعیل۔

---

(۱) ہم نے تسبیغ کا نام اضافہ اور مسبغ کا مضاف رکھا ہے اور ہر جگہ یہی لکھیں گے۔

۵۔ اخرب مکفوف محذوف۔ (مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن)

ع: ''دل لے ہی لیا ناز سے شوخی سے ہنسی سے'' تقطیع: دل لے ہ، مفعول؛ لیا ناز، مفاعیل؛ س شوخی س، مفاعیل؛ ہنسی سے، فعولن۔

کسی شعر میں عروض بروزن مفاعیل اور ضرب بروزن فعولن ہے تو جائز ہے، مگر سب جگہ یہ تفاوت نہ ہو۔

۶۔ ہزج اشتر مثمن۔ (فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن)

ع: ''بزمِ غیر سے اٹھنا یار کا تعجب ہے''۔ تقطیع: بزم غی، فاعلن؛ ر سے اٹھنا، مفاعیلن؛ یار کا، فاعلن؛ تعج جب ہے، مفاعیلن۔

۷۔ ہزج مقصور محذوف۔ (مفاعیل مفاعیل مفعولن)

ع: ''نہ کھینچ آہ نہ کھینچ آہ دلِ یار نازک ہے''۔ تقطیع: ن کچاہ، مفاعیل؛ ن کچاہ، مفاعیل؛ دلے یار، مفاعیل؛ نازک ہے، مفعولن۔

۸۔ ہزج مسدس محذوف۔ (مفاعیلن مفاعیلن فعولن) (دوبار)

ع: ''گلے لپٹے ہیں وہ بجلی کے ڈر سے''۔ تقطیع: گلے لپٹے، مفاعیلن؛ ہ وہ بجلی، مفاعیلن؛ کڈر سے، فعولن۔

۹۔ ہزج مقصور۔ (مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل)

ع: ''ہے سرمہ کا جو دنبالہ نمودار''۔ تقطیع: ہ سرمے کا، مفاعیلن؛ جو دُنبالہ، مفاعیلن؛ نمودار، مفاعیل۔

۱۰۔ ہزج مسدس اخرب مقبوض یا محذوف۔ (مفعول مفاعلن فعولن) یا (مفاعیل)

ع: ''آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجے'' تقطیع: اا تاہ، مفعول؛ ت ہات سے، مفاعلن؛ ن دیجے، فعولن۔

۲۔ بحرِ رجز

۱۔ بحرِ رجز سالم۔ (مستفعلن چار بار ایک مصرعے میں)

"ساغر مئے گل رنگ کے بھر کے مجھے دے ساقیا"

۲۔ بحر مذال۔ (مستفعلن مستفعلن مستفعلن مستفعلان) ع:

"ہر چند تھیں ظاہر تری سب خلق میں بے باکیاں" (ظفر شاہ)

۳۔ بحر رجز مطوی مخبون۔ (مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن) ع:

"عشق میں تیرے کوہِ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو" (شاہ نیاز)

۳۔ بحرِ رمل

۱۔ بحر رمل کا اصل وزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن ہے۔ مگر سالم، اُردو میں بہت کم کہتے ہیں بلکہ نہیں کہتے۔

۲۔ رمل مقصور۔ (فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات) ع:

اے مسیحا بچ نہیں سکتا ترا بیمار آج

۳۔ رمل محذوف۔ (فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن) ع:

"دل نہ توڑ اے بدگمانی یوں کسی بیمار کا"

۴۔ مخبون مقصور۔ (فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات) ع:

دل ہی پہلو میں نہیں پھر ہے عبث رنج و ملال

۵۔ مخبون محذوف۔ تمام ارکان مثل بالا۔ صرف بجائے فعلات، فعِلن یا فعلن (بکسر عین وسکون عین) ع:

"کبھی چمکا نہ ستارا مری پیشانی کا"

ایک مصرعے میں فعلات، دوسرے میں فعِلن یا فعلن درست ہے۔

۶۔ مخبون مقطوع۔ (فاعلاتن فعلاتن فعلن) (فعلن بسکون عین) ع:

''مرغِ دل پر ہدفِ تیرِ نظر کیا ہوگا''

۷۔ مشکول مثمن۔ (فعلات فاعلاتن فعلات فاعلاتن) ع:

''ترے تیرِ نیم کش کو کوئی میرے دل سے پوچھے''

۸۔ مسدس مقصور۔ (فاعلاتن فاعلاتن فاعلات) ع:

''پھر ہوا اس کو مرے دل کا خیال''

۹۔ مسدس محذوف۔ (فاعلاتن فعلاتن فاعلن) ع:

''میں رقیب رو سیہ کو کھل گیا''

ایک مصرعے میں فاعلات دوسرے میں فاعلن لانا درست ہے۔

۱۰۔ مسدس مخبون۔ (مقطوع یا محذوف۔ فاعلاتن فعلاتن فعلات) (بسکون عین یا بحرکت عین)۔ ع:

''لوگ نالہ کو رسا باندھتے ہیں''

۴۔ بحرِ کامل

۱۔ بحرِ کامل سالم۔ متفاعلن متفاعلن متفاعلن متفاعلن (چار بار) آٹھ رکنی آتی ہے۔

ع ''دلِ زار نے یہ ستم کیا مجھے شام ہی سے جگا دیا''

اس بحر کے رکن پر ایک حرف زائد کر کے یوں بھی کہا گیا ہے، ''یہی کہتی تھی لیلیٰ پردہ نشیں نہیں کھاتی ادب سے خدا کی قسم'' بر وزن: متفاعلتن متفاعلتن متفاعلتن متفاعلتن۔ بحر کامل میں شعر کم کہتے ہیں، مگر مروّج ہے اور وہ بھی صرف سالم۔

۵۔ بحرِ متدارک

۱۔ متدارک سالم مثمن۔ آٹھ رکنی فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن (چار بار ایک مصرعے میں) ع: ''سن لیا، سن لیا، مت کہو چپ رہو'' یہ سالم کم مروّج ہے۔

۲۔ مخبون۔ (فعلن فعلن فعلن فعلن) ع:

''نہ ہوا نہ ہوا نہ ہوا نہ ہوا''

۳۔ سالم مضاعف۔ یعنی ایک شعر میں سولہ بار ع:

''ترے ہاتھوں سے کچھ مرے حق میں ذرا نہ بھلا ہی ہوا نہ برا ہی ہوا''

۴۔ مقطوع احذ۔ فعلن فعلن فعلن فعلن (سکون عین کے ساتھ)

ع ''دن بھر روتے دھوتے گزرا''

۶۔ بحرِ متقارب

۱۔ متقارب سالم، مضاعف۔ یعنی فعولن آٹھ بار ایک مصرعے میں۔ (ذوق) ع:

''تمنا نہیں ہے کہ امدادِ دل کو تپش کا صلہ ہو کہ مُزدِ قلق ہو''

۲۔ سالم ثمن۔ فعولن چار بار ایک مصرعے میں ع:

''بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے'' (آتش)

۳۔ مقصور۔ فعولن فعون فعولن فعول ع:

''الٰہی میں بندہ گنہگار ہوں''

۴۔ محذوف۔ فعولن فعولن فعولن فعل۔ ع:

''طلسم جہاں ہے تماشا عجب''

فعل اور فعول اوّل اور دوسرے مصرعے میں لانا جائز ہے مگر ہر جگہ یہ تفاوت نہ ہو۔

۵۔ مقبوض (اثلم)۔ فعول فعلن فعول، فعلن، یا فعلان ع:

''یہ عشق اب کیا بسا ہے دل میں''

۶۔ مقبوض اثلم (مضاعف) فعول فعلن (آٹھ بار) ع:

"پھبن، اکڑ، چھب، نگاہ، سج دھج، جمال وطور وخرام آٹھوں"۔

مقبوض۔ (ایک رکن مقبوض ایک سالم) فعل فعولن فعل فعولن ع:

"سرو خراماں ہے ترے قد پر"

اور صورتیں اس بحر میں کم مستعمل ہیں۔

مرکب بحریں

ا۔ خفیف:

اس کا وزن یہ ہے۔ فاعلاتن مستفعلن فاعلاتن۔ اور یہ مسدس مزاحف مستعمل ہے۔

ا۔ بحر خفیف مخبون۔ فاعلاتن مفاعلن فعلاتن [دوبار] ع:

"ایک میں ہوں کہ آج تک متحیر"

مستفعلن، خبن سے مفاعلن اور فاعلاتن، خبن سے فاعلاتن ہوتا ہے۔ کم مروّج ہے۔

۲۔ مخبون مقصور۔ فاعلاتن مفاعلن فعلات ع:

"زہر کھانے کی جی میں ٹھانی آج"

فاعلاتن، خبن اور قصر سے فعلات رہتا ہے۔ باقی بیان اوپر گزرا۔

۳۔ مخبون محذوف یا مقطوع۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن [فعلن بہ کسر عین یا بسکون عین]۔

ع: "دل کے ڈسنے کو ہے یہی کافی"

فاعلاتن خبن اور حذف فلاتن ہو جاتا ہے۔

۴۔ ان بحروں میں صدر و ابتدا (مصرعہ اوّل و دوم کے پہلے رکن) سالم ہیں، اگر یہ مخبون ہوں مثلاً: فعلاتن مفاعلن فعلات، یا عروض وضرب مخبون (مضاف) ہو یعنی: فعلیان تو جائز ہے۔ فعلاتن مفاعلن فعلن اور فعلاتن مفاعلن فعلات بھی مستعمل ہے اور ان کا اجتماع جائز ہے۔

۲۔ بحرِ سریع:

اس بحر کا اصل وزن یہ ہے: مستفعلن مستفعلن مفعولات۔ (بضم تا) مگر یہ سالم اور مثمن مروّج نہیں ہے۔

۱۔ سریع، مطوی موقوف۔ مفتعلن مفتعلن فاعلان (دو بار) ع:

"کیا کروں تشخیص کا اُس کے بیا"

مستفعلن میں طے واقع ہونے سے مفتعلن ہوگا اور مفعولات میں طے ووقف سے فاعلان۔ اس کا بیان منسرح میں دیکھو۔

۲۔ سریع، مطوی، مکسوف۔ (مفتعلن مفتعلن فاعلن)۔ (دو بار) ع:

"شام سے میں وصل کی شب سو گیا" (مومنؔ)

یہ اُردو میں بہت مروّج ہے۔ مفعولات میں 'طے' سے واؤ گر کر مفعلات ہوگا اور 'ت' کسف سے گر کر مفعلا، اس کی جگہ فاعلن رکھا گیا۔ عروض میں فاعلان، ضرب میں فاعلن لا سکتے ہیں۔

۳۔ بحرِ مجتث:

۱۔ اس بحر کا اصل وزن یہ ہے:

مستفع لن۔ فاعلاتن مستفع لن فاعلاتن۔ اس کے مسدس میں یہ شعر نہیں کہا جاتا۔

۲۔ مجتث مخبون۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلاتن (دو بار):

ع: "بھلا ہوا کہ نہ آئے نہیں تو جان گئی تھی"

یہ کم مروّج ہے۔

۳۔ مخبون، مقصور۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان ع:

"وہ مست ہوں کہ مری خاک کا ہے مے سے خمیر"

۴۔ مخبون محذوف ومقطوع۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن (بکسر عین یا بسکون عین)

ع: "ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا" (قلق)

۴۔ مضارع:

ا۔ اس کا اصل وزن مفاعیلن فاع لاتن مفاعیلن فاع لاتن ہے۔ مسدس اور سالم میں شعر نہیں کہتے۔ یہ بحر منسرح سے مشابہ ہے۔

۲۔ اخرب۔ مفعول فاع لاتن مفعول فاع لاتن (چار بار) ع:

"دنیا میں قصر و ایواں بے فائدہ بنایا"

مفاعیلن کو اخرب کرنے سے مفعول آتا ہے۔ یہاں چار رکن اخرب، چار سالم ہیں۔

۳۔ اخرب (مضاف)۔ مفعول فاعلاتن مفعول فاعلیان۔ ع:

"مرنے پہ بھی نہ چھوٹی نظارہ بازیاں ہیں"

فاعلاتن کو مضاف کرنے سے فاعلیان ہوگا۔

۴۔ اخرب مکفوف۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلاتن۔ ع:

"اے دوست تیرے لطف کے انداز قہر ہوں گے"

۵۔ اخرب مکفوف مقصور، محذوف (مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات یا فاعلن)۔ ع:

ظاہر ہے اپنی سوزش دل سے کہ آفتاب
پینے کو اشک کھانے کو لختِ جگر ملا

۵۔ منسرح:

ا۔ اصل وزن یہ ہے: مستفعلن مفعولات، مستفعلن مفعولات؛ مگر سالم و مسدس مروّج نہیں۔

ا۔ مطوی موقوف۔ مفتعلن فاعلات مفتعلن فاعلان یا فاعلات۔ ع:

"حضرتِ دل ہم تمھیں کہتے نہ تھے بار بار"

۲۔ منسرح مطوی مکفوف۔ مفتعلن فاعلات مفتعلن فاعلات۔ ع:

"سننے سمجھنے کو بات حق نے دیے گوش ہوش"

واؤ مفعولات کو طے کیا تو مفعلات رہا اس کی جگہ فاعلات استعمال کیا۔ فاعلات کی جگہ فاعلن لانا بھی جائز ہے۔

۳۔ مطوی۔ مفتعلن فاعلات مفتعلن ۔ مروّج نہیں ہے۔

۶۔ بحر مقتضب:

۱۔ اصل وزن اس کا یہ ہے: مفعولات مستفعلن مفعولات مستفعلن یعنی بحر منسرح کے بالکل برعکس۔ سالم اور مسدس رائج نہیں ہے، زیادہ تر یہ ایک وزن مروّج ہے۔

۲۔ مطوی، مقطوع، مثمن۔ فاعلات مفعولن فاعلات مفعولن۔ ع:

"واہ رے نصیب اپنے جس کی یہ تمنّا ہے"

اوزانِ رُباعی

رباعی کا وزن بحر ہزج کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس میں نو زحاف آتے ہیں، اس طرح چوبیس وزن ہو جاتے ہیں۔ پس جو چار مصرعے اِن چوبیس وزنوں میں سے کسی وزن پر ہوں گے، وہ رباعی ہے؛ ورنہ ہر ایسے دو بیت جن کا پہلا، دوسرا، چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہو، رباعی نہیں۔ چند اوزان لکھے جاتے ہیں:

۱۔ مفعول مفاعلن مفاعیلن فاع۔

۲۔ مفعول مفاعیل مفاعیلن فاع۔

۳۔ مفعول مفاعیل مفاعیل فعل۔

۴۔ مفعول مفاعیلن مفعولن فاع۔

۵۔ مفعول مفاعلن مفاعیلن فع۔

۶۔ مفعول مفاعیل مفاعلن فع۔

۷۔ مفعول مفاعیلن مفعول فعول۔

۸۔ مفعول مفاعیلن مفعولن فع۔

۹۔ مفعول مفاعیلن مفعول فعل۔

۱۰۔ مفعول مفاعیل مفاعیل فعول۔

۱۱۔ مفعول مفاعلن مفاعیل فعول۔

ان کو اوزان 'شجرۂ اخرب' کہتے ہیں۔ دوسرے اوزان 'شجرۂ اخرم' کے یہ ہیں:

۱۔ مفعولن فاعلن مفاعیلن فاع۔

۲۔ مفعولن مفعول مفاعیلن فاع۔

۳۔ مفعولن مفعولن مفعولن فاع۔

۴۔ مفعولن مفعولن مفعولن فع۔

۵۔ مفعولن فاعلن مفاعیلن فاع۔

۶۔ مفعولن مفعول مفاعیل فعول۔

۷۔ مفعولن مفعول مفاعیلن فع۔

۸۔ مفعولن مفعولن مفعول فعل۔

۹۔ مفعولن مفعول مفاعیل فعل۔

۱۰۔ مفعولن مفعول مفاعیل فعول۔

۱۱۔ مفعولن مفعولن مفعول مفعول۔

۱۲۔ مفعولن فاعلن مفاعیل فعل۔

Qawaid-e-Urdu

Edited by: Dr. Molvi Abdulhaq

Rs.400/-